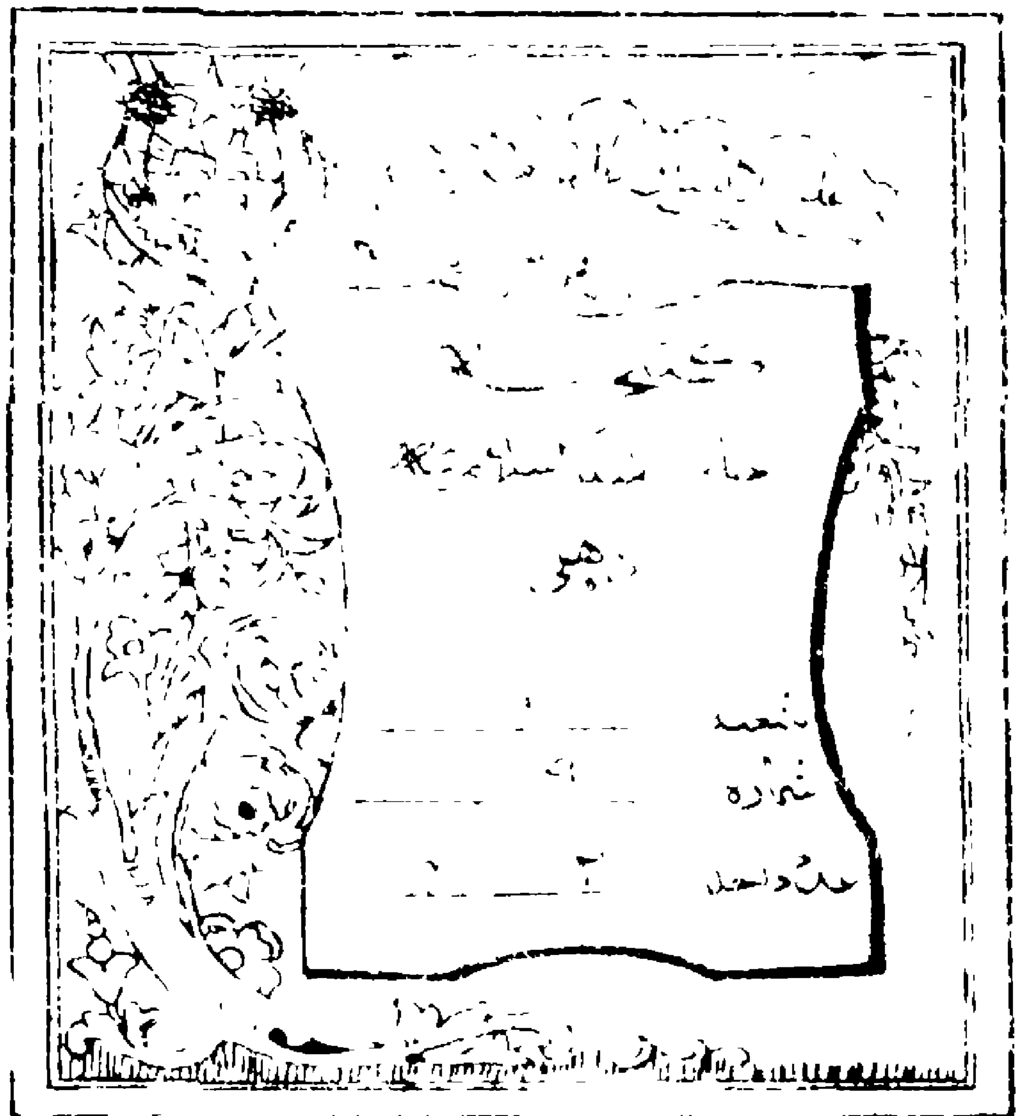


پیام تعلیم



بچوں اور بچیوں کا باتصویر رسالہ

ایڈیٹر

محمد حسین حسان (ندوی)

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۴ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بچوں کا تحفہ حصہ اول، دوم

یعنی

بچوں کیلئے تعلیمی اور تفریحی نظموں کا باتصویر مجموعہ

مولوی شفیع الدین صاحب نیرؔ موڈرن ہائی اسکول نئی دہلی کے استاد ہیں اور بچوں کی نفسی کیفیت اور نفسیات کا طویل تجربہ ہے۔ یہ نظمیں آپ نے بچوں کی ذہنی ضروریات کا پورا لحاظ رکھ کر لکھی ہیں۔ عنوانات کی تلاش، بحروں کا انتخاب، خیالات کی سادگی اور زبان کی سلاست ایسی ہے کہ بچوں کے دوسرے شعراء کے یہاں یہ چیزیں کم ملیں گی۔ ہر کتاب میں آرٹ کاغذ پر پورے صفحے کی آٹھ آٹھ رنگ برنگی تصویریں شامل ہیں۔ سرورق سہ رنگا نہایت دلکش اور خوشنما ہے اور کاغذ، کتابت، طباعت بہت نفیس ہے۔ قیمت فی حصہ ۶ر۔ مکمل ۱۲ر

نظموں کی دوسری کتابیں

بچوں کی نظمیں	۵	تاج گیت	۱۲ر	بچوں کے گیت	۳ر
بچوں کے اسمٰعیل	۶ر	راکھ بیگم	ار	پھولوں کی ڈالی	۴ر
پھول باغ مکمل	۹ر	تل کے لڈو	ار	بیاض گل	۹ر
پھول مالا	عہ	چوہے نامہ	ار	پیام ہند	۳ر
بہار کے پھول	۳ر	سپاہی زادہ	۲ر	نغمۂ وطن	۳ر
ہندوستان ہمارا	عہ	سنہری گیت	۳ر	چڑیا گھر	۴ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی





قیمت سالانہ
عہ/

پیام تعلیم
دہلی

(پیام بھائیوں کو عید مبارک)

فی پرچہ
۴ر

جلد ۱۹	جنوری سنہ ۱۹۳۶ء	نمبر ۱

فہرست مضامین

پرنٹر وپبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی "مطبع جامعہ"

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

سلطان احمد صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل اسکول پنیالیک ۔ احمد سعید خاں صاحب ۔ گورکھپور ، محمد جان صاحب ، گوجرانوالا ، جناب محمود علی خاں صاحب خیریت آباد دکن
محمد اسمٰعیل خاں صاحب بجاورہ (سی پی) ۔ مریم خاتون صاحبہ ۔ علی گڑھ ، ایس کے نصیر ، رضوان صاحبان گونڈیا ، شیخ غلام محمد حسین میاں صاحب ۔ کرسن ندیال دربھنگہ
خلیل الرحمٰن صاحب گلبرگہ ، محمود خاں صاحب میسور ، عبدالرحمٰن صاحب میلوشارم ، عبدالمنان خاں صاحب دسوہ ، سکریٹری صاحب جمعیۃ الطلبا ہسپتال کاروار
ہیڈ ماسٹر صاحب عثمانیہ ہائی اسکول ہشواڑہ ، بن ، احمد منی ، احمد قوی صاحبان ادسہ ، ماسٹر عبدالحفیظ صاحب پونہ ، ایم ، دائی حکیم ، بمبئی نمبر ۳ ، اقبال احمد صاحب مرادآباد
محمد صابر خاں صاحب ، میرٹھ ، محمد عبداللہ صاحب ایم اے ۔ لائل پور ، محمد علاء الدین صاحب گلبرگہ شریف ۔ حسین علیسیٰ بھائی ٹبنی ولی ٹاؤن ہیڈ ماسٹر صاحب
گورنمنٹ مڈل اسکول آرمور (دکن) ، نوراللہ خاں صاحب اسکار پور سندھ ، ہیڈ ماسٹر صاحب انجمن اسلامیہ اسکول جیت پور (کاٹھیاواڑ) ایچ ام فہیم الدین
صاحب انجینیئر ، فہیم آباد ، کانپور ، محمد سیل صاحب متعلم میلوشارم ، ماسٹر صاحب تھرڈ فارم اسلامیہ ہائی اسکول ، میلوشارم ، ماسٹر صاحب سیکنڈ فارم اسلامیہ ہائی اسکول
میلوشارم ۔ ماسٹر محمد صابر صاحب سسرام ، شاہ آباد ، سید ممتاز حسین صاحب بیری ، میرٹھ ، شیخ سردار حسین صاحب متعلم مڈل اسکول اکورانجلف ، یوگیہ نرائن صاحب
الہ آباد ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اردو پرائمری بوائز اسکول چیلدرگ (میسور) ابرارالرحمٰن صاحب قدوائی بڑا گاؤں بارہ بنکی ، شیخ احمد شیخ داؤد صاحب شیخو پورہ ، جلندھر
محمد عبدالمقتدر کلکتہ ، ہندوا بنگلہ سنسکرت ہائی اسکول کاندھلہ ، سلطان احمد صاحب ، کلکتہ ، شہزادہ محمد اسلم جان خاں صاحب کیمپ ہز ہائنس ڈاکخانہ ڈھاکہ
سکریٹری صاحب کاس روم بہار شریف ۔ ایف جی علیم جل گاؤں عبدالحکیم خاں صاحب ، بلاسپور ، ابن الحسن صاحب ، متھرا ، محمد صدیق شاہ صاحب ، سوہارہ
زاہد حسین صاحب کنٹرولر نیشار ، عبدالغفور صاحب احمد نگر دکن ۔ صدر مدرس صاحب مدرسہ اوکل فنڈ لور گاؤں بانارا دکن ، میر نجابت علی خاں صاحب حیدرآباد دکن
حکیم نور محمد صاحب ہمت نگر ، صدر مدرس صاحب مدرسہ سلطانیہ بھینہ (ناندیڑ) ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول امرتسر ، ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول خانیوال
منیرہ جمیل صاحب پربھنی دکن ۔ محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب قریشی اورنگ آباد دکن ، ڈاکٹر خدا بخش اعوان صاحب خانیوال ۔ سید اخلاق احمد صاحب
دہلوی ، علی گڑھ ۔ عبدالمالک غلام حسین نورانی صاحب بمبئی نمبر ۳ ۔ محمد اسحاق صاحب شادری ، لکھنؤ ، سید رضا عسکری صاحب چھپرا منو ، محمد ذکریا صاحب
سیف آباد (دکن) ، حفیظ اللہ صاحب آگرہ چھاؤنی ، عبدالمقسط صاحب سورت ، سید محمد ثقلین صاحب نگینہ ، جناب ہیڈ ماسٹر صاحب ۔ نور انگلش
اسکول ، نہٹور ، محمد اطہر علی صاحب ، پربھنی دکن ، مسٹر عبدالرحمٰن صاحب سکھر ، عذرا خاتون صاحبہ علی گڑھ ، شیخ احمد صاحب سردار ۔ جمیلہ خاتون صاحبہ
لاہور ۔ سید ظہور حیدر صاحب حیدرآباد دکن ، مسعود صاحب قادر آباد دکن ۔ سید احمد خاں صاحب نہٹور ۔ فخرالدین صاحب اجین ، حنیف اللہ خاں
صاحب خلیل آباد ۔ مقصود احمد خاں صاحب ۔ نئی دہلی ۔ سید سرور حسین صاحب ، کریم نگر ، ایم ، حمید علی صاحب نئی دہلی ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ وسطانیہ
بسمت نگر ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب پرائمری اسکول قادر آباد ۔ قمر جہاں جعفر علی صاحبہ علی گڑھ ۔ حاجی مولوی سید مہدی صاحب سہسرام ، آرہ ، حبیبہ بیگم صاحبہ
نئی دہلی ۔ احمد حسن صاحب ، لہریا سرائے (دربھنگہ) ، لائبریرین صاحب حمایت القرآن لائبریری مرادآباد ۔ قدیر احمد خاں صاحب ، دواخانہ فرخ آباد
مولوی احمد الدین صاحب سجادہ نشین ۔ کھنڈ کیمپ پور ۔ محمد یحییٰ صاحب انصاری بھوپال ۔ معین الدین رحمان صاحب علی گڑھ ، ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ
مڈل اسکول ۔ تعلقہ قندھار شریف ۔ دکن ۔ احمد سعید صاحب علی گڑھ ۔ سید ساجد علی صاحب بلند شہر ، عبدالرشید صاحب صدیقی اچھرہ ، لاہور ۔ ظفرالاسلام
صاحب بھوپال ۔ عقیل احمد صاحب قریشی ٹیچر مڈل اسکول دلیل نگر اٹاوہ ۔ شیخ محمد صدیق صاحب ۔ دہلی ۔ سکریٹری صاحب ، کالج ہندو بورڈنگ ہاؤس
گلبرگہ شریف ۔ سید محمد قاسم صاحب رضوی ، انبالہ شہر ۔ عماد الظفر صاحب اورنگ آباد دکن ۔ صدر مدرس صاحب مدرسہ ابتدائیہ بارہ دکن ، بالو انوار الحسن صاحب
لکھنؤ ، جناب محمد صدیق صاحب ذکی انصاری برہانپور ۔ سکریٹری صاحب عابدیہ لائبریری برہانپور ۔ ڈسٹرکٹ انگار ریڈی صاحب حیدرآباد دکن
عطاء اللہ خاں صاحب ۔ سہارنپور ۔ محمد سلیمان صاحب ۔ قنوج ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب پنجابی مڈل ہائی اسکول صدر بازار دہلی ۔ جناب خواجہ معین الدین
صاحب نظام آباد دکن ، ہیڈ ماسٹر صاحب سناتن دھرم پرائمری اسکول موگا ۔ سکریٹری صاحب حکیم سخاوت حسین لائبریری ۔ قادرآباد ۔ صدر مدرس صاحب
مدرسہ تحتانیہ دھونڈہ پورہ مستقر بیڑ ۔ جناب کونسلر صاحب ڈکراس سوسائٹی اسلامیہ اسکول بالوزئی ۔ بشیر احمد صاحب کھگول ۔ وحیدالدین صاحب کانپور
فاروق اسداللہ صاحب نظام ساگر دکن ، مسز طیب صاحبہ اورنگ آباد دکن ۔ مولوی محمد غیاث الدین صاحب کانپور ۔ ہیڈ ماسٹر ماڈل اسکول سمرنا

نوٹ :- جگہ کی تنگی کی وجہ سے ابھی بہت سے نام باقی رہ گئے ہیں یہ اگلے نمبر میں شائع ہوں گے ۔ منیجر

بچوں سے باتیں

پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں اور بھائیوں کو نیا سال مبارک ہو۔ پیام تعلیم کی نئی جلد بھی اسی مہینے سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی انیسویں سال گرہ کی مبارک باد بھی ہم تم ہی کو دیتے ہیں۔ سال گرہ کے دن دوست اور عزیز اچھے اچھے تحفے بھیجتے ہیں تم اپنے پیارے پرچے کو کیا تحفہ دوگے ہمارے خیال میں تو سب سے اچھا تحفہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں اپنے عزیزوں اور دوستوں میں اسے ہر دل عزیز اور مقبول بناؤ۔ اور اس کے زیادہ سے زیادہ خریدار پیدا کرو۔ اگر تم میں سے ہر ایک نے دو دو خریدار بھی پیدا کر دیئے تو یقین جانو اس سال کا یہ تمہارا بہترین تحفہ ہوگا اور پیام تعلیم بھی انشاء اللہ ہر مہینے اس کے جواب میں تمہارے سامنے بہت اچھے تحفے پیش کرے گا۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر امید سے زیادہ پسند کیا گیا۔ ہمارے پاس روزانہ بے شمار خط تعریفوں کے آتے رہتے ہیں۔ ہم نے تاسیس نمبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ بچے اس نمبر کے بارے میں اپنی بھی رائے سے ہمیں مطلع کریں۔ ہم ان کے خط پیام تعلیم میں شائع کر دیں گے بچوں کے اس قسم کے خط بھی ہمارے پاس آئے ہیں اس پرچے میں گنجائش نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو اگلے پرچے میں ہم ہر خط کا خلاصہ چھاپ دیں گے۔ اس سلسلے میں پیام تعلیم کی کوششوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے والے پیام بھائیوں اور بزرگوں سے ہم یہ ضرور درخواست کریں گے کہ اگر وہ پیام کی خدمات کو مفید اور توجہ کے لائق سمجھتے ہیں تو اسے دوسرے ہاتھوں میں پہنچائیں۔ رسالے کی اشاعت جس قدر زیادہ ہوگی جس قدر زیادہ قدرداں پیدا ہوں گے۔ اسی قدر ہم رسالے کو کامیاب بنا سکیں گے۔ ہمارے سامنے بہت سی تجویزیں ہیں جن پر ہم عمل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر مالی دشواریوں کی وجہ سے ہم بہت رک رک کر اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہیں۔

پیام تعلیم کا سرورق یا ٹائٹل ہر سال جنوری میں بدلا جاتا ہے۔ اب کے بھی ہم نے بہت خوب صورت سرورق بلاک بننے کو دیا تھا لیکن چند مجبوریوں کی وجہ سے بلاک بنانے والے وقت پر ہمیں بلاک نہ دے سکے۔ اس لئے نیا ٹائٹل فروری سے لگایا جاسکے گا

محمد علی زبنگ کپ کا چوتھا سالانہ جلسہ پچھلے نومبر میں تعلیمی مرکز نمبر ۱ میں منعقد ہوا۔ دہلی اور دہلی سے باہر کے بہت سے مدرسے اس مقابلے میں شریک ہوئے۔ اب کی تحریر و تقریر کا معیار بھی پہلے سے بلند تھا کامیاب ہونے والوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) تیسری جماعت تک مشاہدے کا مقابلہ

(۱) سید احمد ظفر الحسن تیسری جماعت
مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ (اول)

(۲) عارف الزماں دوسری جماعت
تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی (دوم)

(۳) حافظ عبدالرحمٰن تیسری جماعت
پنجابی اسلامیہ اسکول صدر بازار دہلی (سوم)

❖

(۲) آٹھویں جماعت تک تقریری مقابلہ

(۱) خورشید الاسلام آٹھویں جماعت
فتح پوری مسلم ہائی اسکول۔ دہلی (اول)

(۲) عبدالرحمٰن آٹھویں جماعت
مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ (دوم)

(۳) ابوالحسنات ساتویں جماعت
مدرسہ ثانوی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی (سوم)

ﯿ

(۳) آٹھویں جماعت تک تحریری مقابلہ

(۱) مبشر حسین صاحب آٹھویں جماعت
فیض عام ہائی اسکول میرٹھ (اول)

(۲) حافظ محمد عاشقین آٹھویں جماعت
پنجابی اسلامیہ ہائی اسکول دہلی (دوم)

(۳) محمد صغیر انور ساتویں جماعت
مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ (سوم)

ﯿ

(۴) ٹرافی کا نتیجہ

بحیثیت مجموعی سب سے زیادہ نمبر یعنی ۱۴۰/۲۵۰ فیض عام ہائی اسکول میرٹھ نے حاصل کئے لہٰذا ٹرافی اس مدرسے کو دی گئی۔

اکتوبر کے تصویر بھرنے کے انعامی مقابلے میں بہت کم بچوں نے حصہ لیا۔ شاید تصویر دلچسپ نہیں تھی اور اس میں رنگ بھرنا بھی مشکل تھا۔ بہرحال مقابلے میں حصہ لینے والوں کے نام یہ ہیں

(۱) شام کمار درجہ دہم۔ پشاور

(۲) یوسف علی خاں اسد۔ درجہ ہشتم پربھنی۔ دکن۔

(۳) محمد ادریس درجہ چہارم

(۴) عبدالعزیز درجہ نہم

(۵) فرید احمد درجہ حفظ۔ بہار شریف

(۶) عبدالغفور درجہ چہارم

ان میں عبدالغفور درجہ چہارم "اول" اور یوسف علی خاں اسد دوم آئے ہیں۔ ان کے انعام ان کے پاس بھیج دئے جائیں گے۔

بہت سے لوگوں کو شکایت تھی کہ پیامِ تعلیم کا خط بہت موٹا ہوتا ہے جس کی وجہ سے رسالے میں مضمون کم آتے ہیں اس شکایت کو دور کرنے کے لئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ سوائے ان مضمونوں کے جو چھوٹے بچوں کے لئے ہوتے ہیں سب مضمون باریک خط میں لکھے جائیں اس پرچے میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اگر بچوں کو یہ تجویز پسند نہ ہو یا کوئی اور تجویز ذہن میں ہو تو ہمیں خط لکھیں ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

دسمبر کے پہلے ہفتہ میں جامعہ کے ایک ہونہار طالب علم محمود بہاری نے صرف تین چار روز کی علالت کے بعد انتقال کیا

"اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون"

محمود مرحوم بہت بچپن سے جامعہ میں پڑھتے تھے۔ نہایت نیک سعادت مند، شریف، مہذب اور شائستہ تھے، صحت بھی بہت اچھی تھی۔ جامعہ والوں کو اپنے اس عزیز کی ناگہانی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ ہمیں ان کے والدین اور دوسرے عزیزوں سے بھی دلی ہمدردی ہے خدا سب کو صبر کی توفیق دے (آمین)

چندا ماموں



از مولوی شفیع الدین صاحب نیر ٹیچر موڈرن ہائی اسکول نئی دہلی

اچھے چندا ماموں آؤ ٭ آؤ میرا جی بہلاؤ
دور ہی دور سے تکنا کیسا ٭ آپ ہی آپ چمکنا کیسا
تاروں کو بھی لیتے آنا ٭ گائیں گے سب مل کر گانا
سر پر چڑھنا کام تمھارا ٭ گھٹنا بڑھنا کام تمھارا
پچھلے ہفتے شکل تمھاری ٭ ناخن سے ملتی جلتی تھی
لیکن اب گولائی آئی ٭ تھال کی صورت تم نے پائی
روشن روشن پیاری پیاری ٭ چندا ماموں شکل تمھاری
مجھ کو دل سے بھاتی ہے یہ
جی کو مرے بہلاتی ہے یہ

ہندوستان کے بچوں کا پیام دنیا کے بچوں کے نام

(از محمد ایوب صاحب ہاشمی متعلم درجہ دہم، گورنمنٹ ہائی اسکول کانپور)

اس دنیا کے رہنے والے ہم عمر بھائیو۔ آج میں رسالہ پیام تعلیم کے ذریعے تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہم آپ پر اپنی اپنی قوموں کے آیندہ بہبود کا دار مدار ہے۔ اس لئے آیئے ہم سب مل کر کچھ ایسا کام کریں کہ لوگوں کے دلوں سے تنگ دلی اور تعصب دور ہو جائے۔ اور ہر ملک کے ناسمجھ لوگوں نے دشمنی، عداوت کی جو خلیج حائل کر دی ہے وہ پٹ جائے۔ سب انسان انسانیت کے اچھے مذہب کو اختیار کرلیں اور بھائی بھائی بن جائیں۔ دنیا میں اس طرح رہنا سیکھو۔ جس طرح ایک ہی ماں کی بہت سی سعادت مند اولادیں رہتی ہیں۔ اس طرح رہو کہ دنیا رہنے کے قابل رہے۔ اور زندگی ہنس کھیل کے گذر جائے۔ اپنے فرائض کو فرائض سمجھ کر انجام دو۔ اپنے دل و دماغ کو ایسا بنالو کہ سخت سے سخت مصیبتیں اور لڑائی کے میدان پھولوں کی سیج بن جائیں۔ ہر حال میں عقل تمھاری رہنمائی کرنے والی، سچائی تمھاری ہمدم، اور نیکی تمھارا دستور العمل ہو اور بس۔

اخروٹ کی کہانی

(از جناب برکت علی صاحب فراق)

بہت دور پہاڑ دامنِ شاہ بلوط کا جنگل ہے اس میں بہت سے اخروٹ کے درخت بھی ہیں۔ بہار کے موسم میں اخروٹ کا درخت پھولتا ہے۔ تو اس کے بھورے بھورے پھول بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے بھیڑ کے بچوں کی بھوری بھوری دم ہوا میں لہرا رہی ہو کہیں لال لال پھول بھی کھلتے ہیں۔ مگر وہ اتنے کم ہوتے ہیں کہ تم انھیں مشکل سے دیکھ سکتے ہو جب کلی کے زیرے جھڑ جاتے ہیں تو اُن میں ڈونڈے لگتے ہیں۔ اور گرمیوں کے ختم تک ننھی ننھی گولیوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔ یہ ڈونڈے ایک خوشے میں دو، دو، تین تین چار چار اور کبھی کبھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اُن کے سروں پر پھول کی پنکھڑیوں کی طرح ہری ہری نوک دار ٹوپی ہوتی ہے۔ جب یہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اخروٹ کی نوکیں اس ٹوپی سے باہر نکالتی اور دھوپ اور ہوا سے پک کر اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہیں۔

ہمارے اخروٹ میاں جن کی یہ کہانی ہے۔ جنگل کے کنارے ایک درخت میں اکیلے پیدا ہوئے تھے۔ آس پاس کے درختوں پر ایک ایک خوشے میں دو دو تین تین اخروٹ تھے مگر یہ حضرت تمام درخت میں اکیلے تھے۔ درخت اُن کی بڑی دیکھ بھال اور چوکیداری کرتا تھا اور یہ کھلی ہوئی ہوا، دھوپ اور بارش میں مزے سے پل رہے تھے۔ یہ بڑے ہی پیارے

تھے ۔ اور درخت کو ان پر بڑا ناز تھا

بے چارا درخت ہر وقت اس فکر میں

مرا جاتا تھا کہ نہ جانے میرے اس پیارے اخروٹ

پر کیا گذرے ۔ میں نے اب تک ایسا خوبصورت

اور پیارا اخروٹ نہیں دیکھا ۔

اخروٹ میاں ہوا کے جھولے میں

مزے سے جھولتے اور یہ گیت گایا کرتے ۔

کیا ہوگا ...... اور تم کیا دیکھوگے ،

میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا ،

درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر ـــــ

اور اسی طرح دن پر دن دھوپ اور

ہوا میں بڑھتے رہے ۔

ایک دن اگست میں ایک بڑا بھاری

کوا کہیں سے اڑتا ہوا آیا اور اخروٹ میاں کو

دیکھ کر بولا " اہاہا !! کیسا بڑھیا اخروٹ ہے "

اور اپنی مضبوط چونچ سے اُسے کھینچنے لگا ۔ اخروٹ

میاں نہایت مضبوطی سے اپنی جگہ اَڑتے رہے

اور ذرا نہ ہلے ۔ کہنے لگے ۔

جناب کوے صاحب ! آپ مجھے کتنا ہی اپنی

مضبوط چونچ سے جھنجھوڑئے ۔ مگر آپ مجھے اس

شاخ سے نہیں جھٹک سکتے ۔



تو کوا مایوس ہو کر اڑ گیا اور اخروٹ میاں ہوا کے

جھولے میں مزے سے جھولنے لگے اور لگے یہ گیت گانے

میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا

ـــــ درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر

اور ہوا اور دھوپ میں دن دونی ا

رات چوگنی ترقی کرنے لگے ۔

ستمبر میں ایک روز بی گلہری ایک درخت

پر اِدھر اُدھر کود پھاند رہی تھیں کہ اُن کی نظر اخروٹ کے درخت پر جا پڑی۔ بس جی مچل ہی تو گیا۔ بے اختیار ہو کر بولیں۔ "واہ وا، کیا بڑھیا اخروٹ ہے۔ میں اسے توڑ لاؤں گی، جاڑے میں کام آئے گا۔ اور فوراً درخت کی چوٹی پر چڑھ گئیں۔ اس کو ہر ہرا! ہر ہرا!! ہر ہرا!! ہلانے لگیں۔ مگر اخروٹ میاں بڑی مضبوطی سے



شاخ کو پکڑے رہے ذرا نہ ہلے اور کہنے لگے

بی گلہری! کوے صاحب کو تو میں نے خوش ہی نہیں ہونے دیا۔ آپ ہزار کودیں، پھاندیں چلائیں چیخیں لیکن آپ مجھے اس اونچی جگہ سے ہلا کر گرا نہیں سکتیں۔

بی گلہری بھی چلی گئیں۔ اور اخروٹ میاں ہوا کے جھونکے پر مزے سے جھولتے اور گاتے رہے۔

میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا
درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر

اور دھوپ میں دن پر دن بڑھتے رہے

ایک روز اکتوبر میں منی اور اُن کے ننھے سے بھائی چنو میاں بڑے بڑے ڈنڈے۔ اور ایک ٹوکری لئے جھومتے جھامتے جنگل میں اخروٹ توڑنے آئے۔ انھوں نے ہمارے اخروٹ میاں کو دیکھ لیا اور کہنے لگے۔

"اوہو ہو۔ کیسا بڑھیا اور پکا ہوا اخروٹ ہے"

وہ اخروٹ تک اپنے ڈنڈوں کو پہنچانے کی کوشش کرنے اور اس سے اخروٹ کو پکڑنے لگے لیکن سوائے پتوں کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اخروٹ میاں بڑی مضبوطی سے اپنی شاخ سے

چمٹے رہے۔ اور کہا :۔

کوے صاحب آئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے
گئے، بی گلہری نے ہزار مجھے ہلایا۔ لیکن مجھے نہ گرا
سکیں۔ اب مجھے آپ لینے آئے ہیں۔ لیکن آپ
کتنا ہی مجھے ماریں۔ ڈنڈے چلائیں۔ مگر میں درخت
کی اس اونچی چوٹی کو چھوڑ کر آپ کے ہاتھ نہیں آنے کا

پس یہ ہوا کے پالنے میں جھولتے اور کہتے
جاتے :۔

میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا
درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر

اس کے بعد پھر اخروٹ میاں کو کسی نے
نہ ستایا اور یہ دن بدن بھورے رنگ کے
ہوتے گئے۔ راتیں اب بہت زیادہ سرد ہونے
لگیں، درختوں کی ہری ہری پتیاں پیلی پڑ گئیں
اور اخروٹ میاں کی ٹوپی بھی بھوری اور
ریشہ دار ہوگئی۔

ایک روز درخت کی تمام پتیاں جھڑ گئی
تھیں۔ اخروٹ میاں بہت اداس ہوئے
اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے

کوے صاحب مجھے نہ پا سکے، بی گلہری نے مجھے
بہتیرا ستایا اور جھٹکا گر مجھے نہ گرا سکیں پھر آئے
اور انھوں نے بھی بہتیرا مارا لیکن مجھے نہ پا سکے
لیکن اب میں آرام کی نیند سوؤں گا۔ درخت کی
جڑیں مجھے بڑا آرام ملے گا۔

پس اخروٹ میاں اونگھنے لگے اور اونگھتے
اونگھتے درخت کی چوٹی سے ارا را را دھم سے
نیچے آرہے۔ یہاں آکر لیٹ گئے اور اُن کے
اوپر بہت سی پتیاں آکر جمع ہوگئیں۔ اور یہ گرم
گرم بچھونے میں بڑی دیر تک سوتے رہے۔
لیکن بہار کے موسم میں ایک دن ایک
ننھی سی ہری ہری کونپل زمین سے نکلی۔ اور جمی
ہوئی پتیوں اور ہری ہری گھاس کو چیرتی،
پھاڑتی زمین کے اوپر تک آگئی۔ اب اس
ننھی سی کونپل میں سے دو پتیاں نکل آئیں۔
اُن کی شکل وصورت بالکل اخروٹ کی پتی کی
سی تھی۔ اس کے بعد اور پتیاں نکلیں اور نکلیں
اور نکلیں، اگر تم اس ننھے سے پودے کو کھودتے
کھودتے اس کی جڑ تک پہنچ جاؤ تو تمھیں معلوم

ہوگا کہ یہ وہی اخروٹ میاں ہیں جو درخت کی چوٹی سے آرام سے سونے کے لئے گر پڑے تھے ایک روز اخروٹ کے درخت نے نیچے دیکھا کہ اس کا ننھا سا بچہ اب ایک پیارے ہرے ہرے ننھے سے پودے کی شکل اختیار کرچکا ہے اور ہاتھ پاؤں نکالنے لگا ہے۔ تو اُس نے کہا۔

"اہاہا، میرا پیارا اخروٹ اب ایک ننھا سا اخروٹ کا درخت ہوگیا ہے!"

پھر ننھے سے اخروٹ کے پودے نے سر ہلا کر کہا ہاں ہاں۔ میں اب ایک ننھے سے اخروٹ کی شکل میں یہاں رہوں گا۔

دیکھو کس طرح ننھے بچے اپنی حفاظت کرتے ہیں اور بڑھتے بڑھتے ایک روز بڑے آدمی ہو جاتے ہیں۔

بمبئی سے لندن تک

از جناب امتیاز حسین خاں صاحب (بی۔ اے جامعہ) از لندن

میرے عزیز دوست یعنی تمھارے ایڈیٹر صاحب نے دلی سے چلتے وقت مجھ سے بہت تاکید کی تھی کہ میں اُن کے پیام تعلیم کے لئے بمبئی سے لندن تک کے حالات ضرور لکھ دوں۔ میں مضمون لکھنا تو جانتا نہیں تاہم جو کچھ دیکھا ہے اپنے الفاظ میں لکھے دیتا ہوں۔ اگر تمھارے ایڈیٹر صاحب کو پسند آیا تو تم تک پہنچ جائے گا۔

میں نے جس جہاز سے بمبئی سے وینس تک سفر کیا۔ اس کا نام "کونٹی وردی" ہے۔ یہ ایک اطالوی کمپنی کا سب سے بڑا جہاز ہے اس کی ٹھیک لمبائی چوڑائی بتانا تو میرے لئے مشکل ہے مگر تم اس سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس میں پانچ منزلیں ہیں اور اس کا وزن ۱۷ ہزار ٹن سے زیادہ ہے۔ اس میں مختلف کام کرنے والے ملازموں کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے۔ اس کمپنی کے جہازوں کی رفتار بہت تیز ہے۔ بمبئی سے وینس ساڑھے دس روز میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارا جہاز چوبیس گھنٹے میں کوئی چار سو میل چلتا تھا۔ جہاز میں اکثر چار درجے ہوتے ہیں۔ اول، دوم، انٹر (درمیانی یا ڈیوڑھا) اور سوم جسے ڈیک (DECK) بھی کہتے ہیں۔ میرے پاس انٹر کا ٹکٹ تھا۔ ہمارا درجہ سب سے آگے تھا۔ اس کے بعد اول، پھر دوم۔ اور سب سے آخر میں سوم۔ پہلے تینوں درجوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے ہوتے ہیں اور سوم والے بچارے کھلی چھت پر اپنے اپنے بستر بچھا کر رہتے ہیں

انھیں اپنے کھانے کا انتظام بھی خود ہی کرنا ہوتا ہے۔ اول درجے کے کمروں میں صرف ایک یا دو جگہیں ہوتی ہیں البتہ دوم اور انٹر کے کمروں میں کسی میں تین اور کسی میں چار مسافر رہتے ہیں کمرے میں بجلی کے پنکھے لگے ہوتے ہیں۔ کپڑے وغیرہ ٹانگنے کے لئے الماریاں ہوتی ہیں، بستر تولیہ اور صابون جہاز کی طرف سے ملتا ہے۔ تین تین چار چار کمروں کے لئے ایک ایک نوکر ہوتا ہے۔ ہمارے درجے میں سب سے نیچے کی منزل میں کمرے تھے۔ دوسری منزل میں کھانے کا کمرہ تھا۔ تیسری پر بیٹھنے کا۔ یہاں لوگ بیٹھ کر تاش اور شطرنج کھیلتے ہیں۔ اس میں ایک طرف دکان بھی جہاں سے کھانے پینے کی چیزیں ملتی تھیں چوتھی منزل کھلی ہوئی چھت کی طرح ہوتی ہے اسے (DFCK) کہتے ہیں یہاں ہوا خوب آتی ہے۔ بیٹھنے کے لئے کرسیاں پڑی رہتی ہیں لوگ زیادہ تر اپنا وقت یہیں گذارتے ہیں۔ یہیں کھیل کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ بیڈمنٹن وغیرہ لوگ کھیلتے ہیں۔ تیرنے کے لئے بڑے بڑے حوض بنے ہوئے ہیں سینما اور گانے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ جہاز پر صبح سات بجے ناشتہ ملتا ہے جس میں چاء مکھن روٹی وغیرہ ہوتی ہے۔ پھر گیارہ بجے کھانا دیتے ہیں کھانے میں تمام اُبلی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں۔ البتہ ایک قسم کا کھانا جسے وہ چاول اور کری کہتے ہیں بالکل ہندوستانی کھانے سے ملتا ہوا ہوتا ہے ہم تو اس سے پیٹ بھر لیتے تھے۔ شام کو چار بجے پھر چائے ملتی ہے اور اس کے بعد سات بجے کھانا

ہمارا جہاز چین کے مشہور شہر شنگھائی سے کوئی بارہ روز کا سفر طے کر کے ۲۰ اگست کو بمبئی پہنچا تھا۔ بمبئی سے اس کی روانگی کا وقت ساڑھے گیارہ بجے دن تھا۔ ہم لوگ گیارہ بجے بندرگاہ پر پہنچ گئے تھے۔ پہلے سب لوگوں کا طبی معائنہ ہوا۔ اس کے بعد اندر جانے کی اجازت ملی۔ ہر شخص نے اپنا اپنا کمرہ (CABIN) تلاش کر لیا۔ بارہ بجے کے بعد جہاز روانہ ہوا۔ جہاز کی روانگی کا وقت دیکھنے کا ہوتا ہے۔ بہت سے مسافروں کے عزیز اور دوست پہنچانے آتے ہیں۔ وہ نیچے ہی کھڑے ہاتھ یا رومال

ہلاتے ہیں۔ جانے والے اوپر سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ بھئی دوسروں کا حال تو معلوم نہیں کم سے کم میری حالت تو عجیب تھی۔ گھر کے چھوٹنے کا سخت افسوس تھا۔ جوں جوں جہاز چلتا جاتا تھا ہم سے وطن کی پاک زمین دور ہوتی جاتی تھی۔ مگر جب خیال آتا تھا کہ ایک اچھے مقصد کے لئے جارہا ہوں تو دل کو تسلی ہوتی تھی ہاں تو ہمارا جہاز ۲۰ اگست کو بمبئی سے روانہ ہوا۔ پہلے روز سخت تکلیف رہی۔ میرا پہلا سفر تھا۔ اس کے علاوہ موسم بھی اچھا نہیں تھا۔ برسات کی وجہ سے بحیرۂ عرب میں سخت طوفان تھا۔ تین روز بستر سے اٹھا تک نہیں گیا۔ اور نہ کچھ کھایا۔ کمرے میں اکیلے پڑے پڑے طبیعت بڑی گھبراتی تھی۔ اور دل بھی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے گھر واپس چلا جاتا چوتھے روز سے طبیعت سنبھلنا شروع ہوئی مگر کمزوری کی وجہ سے چلا پھرا نہیں گیا۔ جب کچھ کھایا پیا تو بدن میں طاقت آئی اس کے بعد سے طبیعت بالکل ٹھیک رہی۔ جہاز بھی بحیرۂ احمر میں داخل ہوا۔ جہاں طوفان وغیرہ نہیں ہوتا

اور سمندر بالکل ساکن رہتا ہے۔ ہمارا جہاز عدن پر نہیں ٹھہرا۔ جب میری طبیعت سنبھلی تو میں نے بھی (DECK) پر جانا شروع کیا۔ اوپر بیٹھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ چاروں طرف جہاں دیکھو نیلا پانی ہی پانی، کبھی کبھی کوئی دوسرا جہاز جاتا ہوا دکھائی دے جاتا ہے۔ پانچویں دن کچھ تھوڑی سی زمین نظر آئی تھی۔ ۲۷ اگست کو صبح کو دس بجے ہم لوگ سوئیز پہنچے۔ وہاں جہاز کوئی ایک گھنٹے کے لئے ٹھہرا۔ مگر آبادی سے کوئی آدھ میل کے فاصلے پر۔ سوئیز چھوٹی سی بستی ہے۔ بعض لوگ جو قاہرہ دیکھنے جانا چاہتے تھے وہ یہاں اتر گئے یہاں سے وہ لوگ موٹروں میں بیٹھ کر قاہرہ گئے اور وہاں سے شام تک پورٹ سعید پر آگئے سوئیز پر مصری چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز کے قریب آجاتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف چیزیں بیچتے ہیں اور لوگوں کو خوب لوٹتے ہیں۔ یہاں ایک گھنٹہ ٹھہر کر جہاز پھر چل دیا اور نہر سوئیز میں داخل ہوا۔ جہاز چلانے والے بدل جاتے ہیں نہر سوئیز میں کمپنی کے آدمی جہاز کو چلاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ

نہر کی حالت سے زیادہ واقف ہوتے ہیں نہر بہت زیادہ چوڑی نہیں ہے۔ ایک وقت میں صرف ایک ہی جہاز گذر سکتا ہے۔ جہاز کی رفتار بہت کم ہوجاتی ہے۔ نہر کے دونوں طرف ریگستان ہے۔ ایک طرف ساتھ ساتھ سڑک ہے اس کے بعد میٹھے پانی کی ایک چھوٹی سی نہر اور ریل کی پٹری۔ نہر سویز کی لمبائی ۸۰ میل سے شاید کچھ زیادہ ہے۔ مگر جہاز کی رفتار کم ہونے کی وجہ سے سویز سے پورٹ سعید تک ۱۲ گھنٹے لگ جاتے ہیں رستے میں دو ایک چھوٹی چھوٹی بستیاں پڑتی ہیں۔ رات کو ۱۰ بجے جہاز پورٹ سعید پہنچا۔ یہاں ایک اور اطالوی جہاز جس میں اٹلی کی فوجیں حبشہ جا رہی تھیں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمارا جہاز ساحل سے کوئی آدھ میل کے فاصلے پر کھڑا کیا گیا۔ وہاں سے ہم لوگ دخانی کشتی میں بیٹھ کر شہر کی سیر کرنے گئے پورٹ سعید ایک چھوٹا سا شہر ہے صرف دو تین بازار ہیں۔ یہاں کے زیادہ تر تاجر ہندوستانی ہیں۔ ایک گھنٹہ تفریح کرنے کے بعد سب لوگ واپس آگئے۔ صبح چار بجے جہاز یہاں سے روانہ ہوگیا۔ یہاں سے چلنے کے بعد موسم تبدیل ہوگیا اس سے پہلے بحیرہ احمر میں سخت گرمی تھی۔ ۲۴ گھنٹے کمرے میں بجلی کا پنکھا چلتا رہتا تھا۔ مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ ہوا میں خنکی شروع ہوگئی۔ لوگوں نے گرم کپڑے نکال لئے ہم لوگ ۳۰ اگست کی صبح کو برنڈزی پہنچے جو اٹلی کا ایک چھوٹا سا شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہاں جہاز کنارے پر لگ جاتا ہے اور بہت سے پھل بیچنے والے جہاز پر آجاتے ہیں۔ اٹلی میں پھل بہت کثرت سے ہوتے ہیں اور سستے ملتے ہیں۔ آڑو بہت بڑے بڑے تھے اور انگور بھی۔ انگور ۵ / سیر تھے۔ مگر ان میں وہ بات کہاں۔ جو چمن کے موتیا' میں ہوتی ہے۔ ہمارے ایک دوست نے ایک تربوز ایک لیرا میں خریدا (ایک لیرا تین آنے کے برابر ہوتا ہے۔) تربوز بہت اچھا اور میٹھا تھا۔ برنڈزی پر ایک گھنٹہ جہاز ٹھہر کر روانہ ہوا۔ اور دوسرے روز وینس پہنچا۔ ہم لوگ اتر کر نیچے چلے گئے۔ سامان بعد میں آیا۔ بڑی مشکل سے چنگی والوں سے پیچھا چھٹا اور گنڈولا میں بیٹھ کر اسٹیشن پر آگئے۔

وینس بھی عجیب شہر ہے۔ یہاں سڑکیں نہیں ہیں بلکہ شہر کے اندر ہر جگہ پانی ہی پانی ہے بعض نہریں بہت چوڑی ہیں ان کو بڑی سڑکیں سمجھ لو۔ جو کم چوڑی ہیں۔ وہ گویا گلیاں ہیں صرف وینس کے نئے حصے میں کچھ سڑکیں ہیں۔ وہیں ٹرام اور موٹر وغیرہ نظر آتے ہیں۔ نہیں تو ہر جگہ کشتیاں ہی کشتیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ نہروں کے کنارے پر آدمیوں کے چلنے کی جگہ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ دکانیں ہیں۔ بڑی نہروں پر جگہ جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ تاکہ لوگ ایک طرف سے دوسری طرف جا سکیں۔ ٹرام کے بجائے بڑے بڑے راستوں پر دخانی کشتیاں چلتی ہیں۔ ان کے اسٹیشن بنے ہوئے ہیں۔ مالدار لوگ یہاں موٹر کے بجائے چھوٹی سی خوب صورت کشتی رکھتے ہیں۔ تانگہ وغیرہ کے بجائے ایک خاص قسم کی کشتی جسے گنڈولا کہتے ہیں۔ کرایے پر چلتی ہے ہم لوگ اسی پر بیٹھ کر اسٹیشن آئے اور سامان وغیرہ رکھ کر دن بھر خوب وینس کی سیر کی۔ اچھا خوب صورت شہر ہے۔ یہاں کی مشہور عمارت (MARK CHURCH) ہے اس کے سامنے ایک بہت بڑا چوک ہے۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں کبوتر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ تفریح کے لئے لوگ شام کو یہیں جمع ہوتے ہیں۔

دن کو خوب پھر پھرا کر شام کو اسٹیشن آگئے ہماری گاڑی سات بجے جاتی تھی اس میں بیٹھ کر لندن کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہاں کی گاڑیاں بھی ہمارے یہاں کی گاڑیوں سے کسی قدر مختلف ہوتی ہیں ان گاڑیوں میں آدمی ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے ہیں اُن کے سامنے پتلا سا چلنے کے لئے راستہ سونے کی بھی گاڑیاں ہوتی ہیں۔ اُن کا کرایہ زیادہ ہے۔ میں تو اپنی جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے سو لیا۔ ترکے جب آنکھ کھلی تو ہماری گاڑی سوئیزر لینڈ سے گذر رہی تھی۔ تم نے سنا ہوگا کہ سوئیزر لینڈ خوب صورت ترین ملک ہے۔ یہ آنہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔ لیکن اتنا ضرور ہے ملک خوب صورت ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ، جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی جھ

سوئزرلینڈ کی حد سے گذر کر فرانس کی حد میں داخل ہوئے۔ جب کسی دوسرے ملک کی سرحد شروع ہوتی ہے تو پولیس والے پاسپورٹ دیکھنے آتے ہیں۔ ہماری گاڑی تین بجے پیرس پہنچی۔ اور کوئی سات بجے بولون۔ یہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کے لئے پھر جہاز پر بیٹھنا پڑا میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ English Channel میں ہمیشہ طوفان رہتا ہے۔ تم جانو دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ میں سامان اوپر رکھ کر فوراً اندر کمرے میں لیٹ رہا۔ مگر شکر ہے طبیعت خراب نہیں ہوئی۔ اور ہم لوگ نو بجے Dover اور وہاں سے گاڑی پر بیٹھ کر ساڑھے گیارہ بجے لندن پہنچے۔ دوسرے دن سے جو کچھ لندن میں دیکھا ہے۔ وہ انشاء اللہ کسی دوسرے وقت سناؤں گا۔

اچھا اب رخصت!

میرا خواب

(غلام احمد صاحب ناصر ۔ لاہور)

مجھیں اپنے ننھے پن کا زمانہ یاد ہے اس عمر میں چندا ماموں کیسے اچھے لگتے تھے۔ مجھے بھی چاند تاروں سے بچپن سے محبت ہے اور ہمیشہ یہی جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اڑ کر چاند تک پہنچ جاؤں اور وہاں خوب جی بھر کے سیر کروں۔ میں اکثر خواب میں بھی یہی دیکھتا تھا کہ میں آپ ہی آپ بہت اونچا اُٹھ گیا ہوں اور چاند میں پہنچ کر خوب سیر گشت کر رہا ہوں۔

ایک رات کا قصہ میں بہت دلچسپ واقعہ سناؤں۔ وہ رات گرمیوں کی تھی۔ چاندنی خوب چھٹکی ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے کہ یا اللہ میاں ایسی کون سی ترکیب ہو کہ میں چاند پر چڑھ جاؤں۔ میں کوئی آدھ گھنٹے تک خیالی پلاؤ پکاتا رہا۔ اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں امریکہ پہنچ گیا ہوں۔ وہاں مجھے اپنے کئی ساتھی بھی مل گئے۔ ایک جگہ میدان میں بہت بھیڑ لگی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک ہوائی جہاز ہے۔ چاند کے سفر کے لئے تیار ہو رہا تھا بس میں جلدی سے کود کر اس پر بیٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی گھسیٹ لیا۔ تھوڑی دیر میں ہوائی جہاز روانہ ہو گیا اور نیچے کے مکان پلک مارنے میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جب ہمارا ہوائی جہاز زمین کی کشش سے آگے نکل گیا تو ہم نے سردی کے خوف سے گرم کپڑے پہن لئے اور جب ہم ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے چاند کی کشش شروع ہوتی تھی تو جہاز چلانے والے نے ایسی کل موڑی جو چاند کی کشش کے مخالف تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاز نہایت آہستگی کے ساتھ چاند پر جا کر اتر گیا ہم سب اس میں سے نکل پڑے اور چاند کی سیر کرنے لگے۔ یہاں سرسبزی کا نام و نشان نہ تھا۔ آتش فشاں (جوالا مکھی) پہاڑ بے شمار۔ ان میں اکثر نہایت بلند اور چوڑے۔ کوئی جاندار اور ہمیں نظر نہ آیا نہ آبادی کی کوئی علامت پائی گئی

سیر کرتے کرتے ہم ایک چٹیل میدان میں پہنچے ہمارے ساتھیوں نے یہاں کرکٹ کھیلنے کی ٹھہرائی، وکٹ گاڑدئے گئے اور تمام کھلاڑی تیار ہو گئے سب سے پہلے میں نے کھیلنا شروع کیا مگر یہ کیا ہوا میں نے جونہی ہٹ لگایا گیند تیزی سے اوپر کو اچھلی اور غائب۔ گیند پھینکنے والا ایک دم اس قدر تیز بھاگا کہ گرنے لگا۔ میرا ساتھی ہٹ لگنے سے پہلے ہی میری طرف دوڑ پڑا۔ غرض جس نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی وہ سنبھل نہ سکا ایک ساتھی نے گیند کو پکڑنے کی کوشش کی اور وہ اس کے ساتھ ہی اُڑنے لگا۔

میں حیران تھا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے یہی سوچ رہا تھا کہ سعید مجھ پر آن پڑا۔ میں ایک دم چونک پڑا دیکھتا کیا ہوں کہ نہ وہ میدان ہے نہ میرے پاس بلا ہے۔ نہ کوئی اچھل رہا ہے اور نہ بھاگ رہا ہے بس میں ہوں اور میرا بستر۔ میں آنکھیں ملتا اٹھا اور منہ ہاتھ دھو جلدی سے ناشتہ کر، لمبے لمبے ڈگ بھرتا سکول کی طرف چلا کیونکہ آج کچھ دیر ہو گئی تھی۔



دوسرے ملکوں کے بچّے

(محمد حسین حسان)

تم جس ملک میں رہتے بستے ہو۔ وہ بہت بڑا ملک ہے۔ اتنا بڑا کہ دوسرے کئی ملک اس میں آجائیں۔ پھر بھی تمھیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارا ہندوستان ساری دنیا ہے، دنیا بہت بڑی ہے اس میں تمھارے ہندوستان کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑے بہت سے ملک ہیں اور ان میں تمھارے بھائی بند یعنی تمھاری عمر کے بچے بھی بے شمار ہیں۔ آؤ آج اُن کی تھوڑی تھوڑی باتیں تمھیں بتائیں، تاکہ تمھیں اندازہ ہو کہ تمھارے یہ ننھے ننھے بھائی اپنی چال ڈھال وضع قطع اور بول چال میں تم سے کتنے مختلف ہیں۔ اور اُن کے ملکوں کا ملد طریقہ کیا ہے

افریقہ کا گونڈو

گونڈو، نو دس سال کا بچہ افریقہ کے گرم ملک میں رہتا ہے تمھارے یہاں کے دیہاتوں کی طرح یہاں کے بچے اکثر ننگ دھڑنگ ہی رہتے ہیں۔ گونڈو کے بدن پر بھی فقط ایک لمبی سی دھجی ہے۔ البتہ اس کے گلے میں ہار اور بازو میں ہاتھی دانت کی بنی ہوئی چوڑی ضرور ہے۔ گونڈو بالکل کالا کلوٹا ہے سر پر گھنگرالے بال اس ملک کے لوگوں کا رنگ کالا ہی ہوتا ہے یہ نیگرو کہلاتے ہیں۔ اُن کے سر اون جیسے کالے گھنگرالے بالوں سے ڈھکے ہوتے ہیں۔

گونڈو کا گھر کیا ہے۔ بس ایک جھونپڑا ہے مگر تمھارے گاؤں کے جھونپڑوں کے مقابلے میں یہ ذرا خوب صورت ہے اس کی چھت دور سے گھاس کا بڑا سا ڈھیر معلوم ہوتی ہے یہ بنایا اس طرح جاتا ہے کہ پہلے بانس یا بلیاں زمین میں گاڑ دیں۔ ان بانسوں میں اندر باہر بید پرو دیا۔ پھر انھیں مٹی سے لیپ دیا نیچے فرش مٹی کا، چھت یا چھپر، خشک گھاس یا پتیوں کا۔ یہ گڑے ہوئے بانسوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ جیسے نوک دار لمبوتری ٹوپی دیواروں پر رکھ دی ہو۔ اس چھپر کا کچھ حصہ دیواروں کے باہر بھی ہوتا ہے۔ اس سے دیواریں سائے میں رہتی ہیں۔ چھپر اتنا موٹا ہوتا ہے کہ برسات میں ذرا نہیں ٹپکتا۔

گونڈو کے گھر میں ہر وقت گھپ اندھیرا ہی رہتا ہے ذرا بہت روشنی آتی بھی ہے تو اُن سوراخوں سے جو چھپر کے پاس دیواروں میں ہیں۔ ان ہی سوراخوں کو کھڑکیاں سمجھ لو نیچے فرش کے بیچوں بیچ ایک گڑھا سا ہے۔ اس میں آگ جلتی ہے اور اس کے دھوئیں سے چھت اور دیواریں سب کالی پڑ گئی ہیں۔ جلانے کی لکڑی کی بہتات ہے۔ پاس کے جنگل میں افراط سے مل جاتی ہے۔

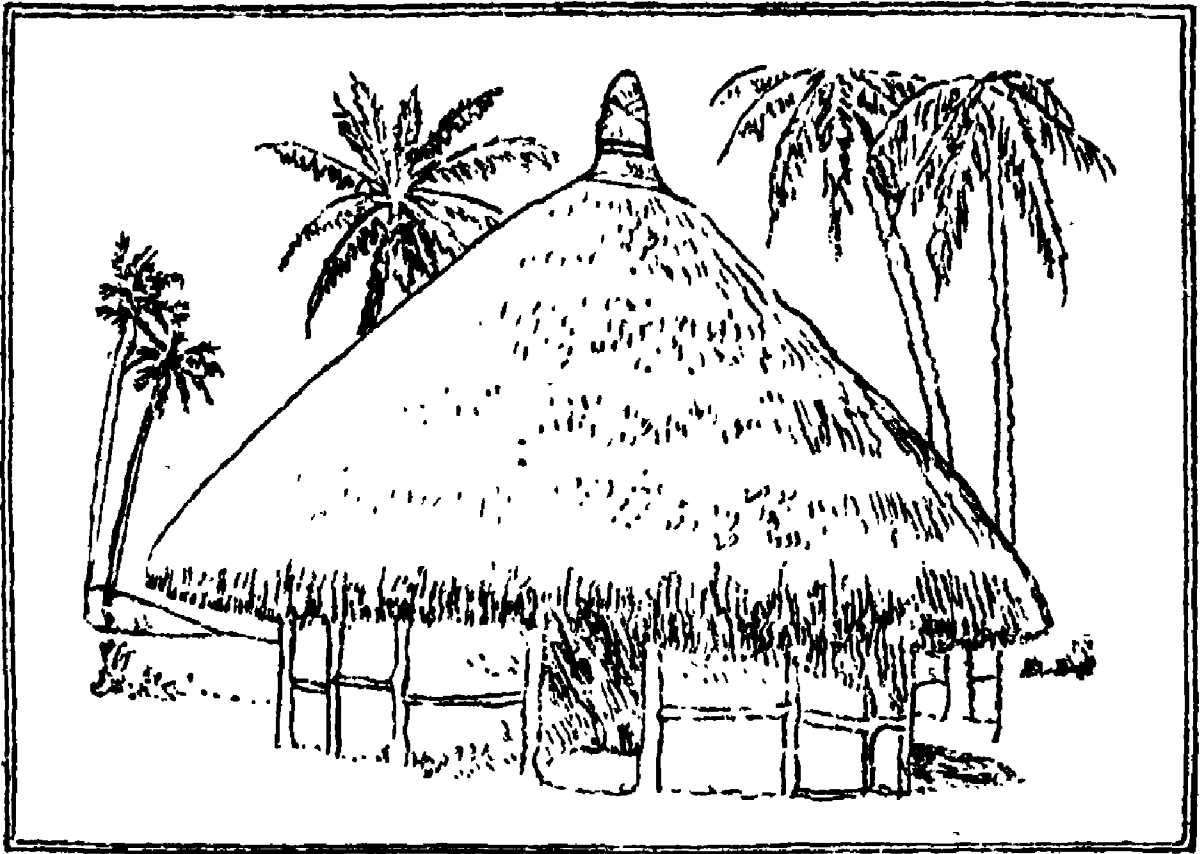
گونڈو کی ماں مٹی کے بڑے سے برتن میں کھانا پکاتی ہے۔ چولھا بالکل مسافروں کا سا یعنی بڑے بڑے پتھر

رکھ دئے۔ لیجئے چولھا بن گیا۔ کبھی کبھی باہر بھی کھانا پکتا ہے سارا گھر زمین پر سوتا ہے۔ ہر ایک کے پاس اپنی ایک چٹائی ہے۔ گھر میں دو لکڑی کے اسٹول ایک ماں کے لئے ایک باپ کے لئے۔ ان کے علاوہ کچھ مٹی کے برتن، دو ایک لکڑی کے پیالے۔ ایک آدھ ٹوکری۔ بس یہی گھر کا کل سامان ہے۔

گونڈو اور اس کے ملک والوں کو کھانے کی اچھی اچھی نعمتیں میسر ہیں۔ کیلا، سنترہ اور دوسرے عمدہ عمدہ پھل خشک میوے، مٹر، آلو، اناج، سیم اور کدو وغیرہ کبھی کبھی گوشت اور مچھلی بھی مل جاتی ہے۔ لیکن گرم علاقوں میں اناج، سبزی، پھلوں اور خشک میووں پر گذر ہوتی ہے۔ گونڈو اکثر آس پاس کی ندیوں میں شکار کھیلنے جاتا ہے۔ بڑا ہو جائے گا تو جنگلی جانوروں کا شکار کرے گا

اس کے ملک میں قسم قسم کے جانور ہیں۔ ہاتھی، گینڈا، زرافہ خوب صورت دھاریوں والا زیبرا۔ مختلف قد و قامت کے ہرن چکارے مرگ وغیرہ جھیلوں اور دریاؤں میں مگر اور دریائی گھوڑے۔ ان کے علاوہ بندر گوریلے، بڑے مزے کی بولیاں، بولنے والے طوطے اور خوب صورت چمک دار رنگوں کے پرند۔

اچھا اب آؤ ذرا گونڈو کے گاؤں کی سیر کریں



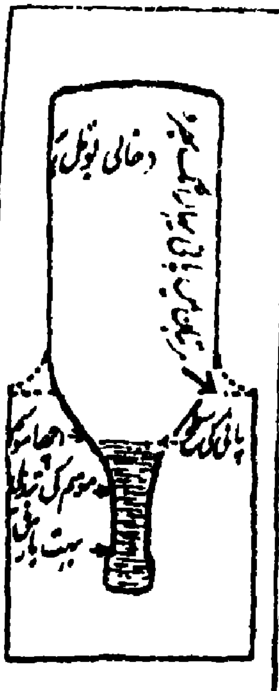
گاؤں کی سڑکیں کیا ہیں۔ ایک جھونپڑے سے دوسرے جھونپڑے تک پتلی پتلی پگڈنڈیاں ہیں۔ جگہ جگہ تاڑ یا کسی اور چیز کے بڑے بڑے درخت ہیں جن سے گرمیوں میں جھونپڑوں پر سایہ رہتا ہے اور سورج کی تیزی کچھ کم ہو جاتی ہے۔ اس ملک کی عورتیں بچوں کو پیٹھ پر باندھ لیتی ہیں۔ چلتے وقت بچے کا ننھا منھا سر اور پیر نیچے اوپر ہوتے رہتے ہیں۔

گاؤں میں نہ تو مدرسہ ہے۔ نہ دکانیں۔ البتہ گاؤں کے پاس ہر ہفتہ بازار لگا کرتا ہے۔ وہیں ساری خرید و فروخت ہوتی ہے۔ یہ بازار بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ میں لگتا ہے۔ بازار کے دن پگڈنڈیاں لوگوں سے بھری رہتی ہیں۔ مرد، عورتیں، بچے بھاری بھاری سامان سروں پر اٹھائے، گاتے بجاتے چلے جارہے ہیں۔ تم کبھی دیہات کے بازاروں میں گئے ہوگے تو تمھیں وہاں کے شور و غل کا اندازہ ہوگا۔ بس ایسا ہی شور و غل ان بازاروں میں بھی ہوتا ہے۔

کالے کلوٹے حبشی سودا خریدتے وقت خوب قہقہے لگاتے اور شور مچاتے ہیں۔ بیچنے والوں میں، مرد عورتیں لڑکے سبھی ہوتے ہیں خشک میوے، تیر کمان، لوہے کے کدال، بیلچے، ہاتھی دانت، شتر مرغ کے خوب صورت پر، ربر، چھال کے کپڑے (یہ کپڑے ایک درخت کی چھال سے بنائے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں کے کمبل کی طرح معلوم ہوتے ہیں) کچھ انگریزی چیزیں، تسبیح کے دانے، مٹی کا تیل، چاقو، پن، سوئیاں اور تاگا۔ یہ سب سامان بازار میں بکنے آتا ہے۔

موسم معلوم کرنے کا آلہ

موسم معلوم کرنے کا ایک خاص آلہ ہوتا ہے جس سے سردی گرمی اور برسات کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے اور آنے والے موسم کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ یہ یورپ سے بن کر آتا ہے اور ہر کسی کے لئے اس کا بنانا آسان نہیں ہے لیکن آج ہم تمھیں ایک ایسی چیز بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں جو اس آلے کی ضرورت کو پورا کردے گی۔ بہت آسان ترکیب ہے اور دلچسپ بھی۔ جب تم اسے بنا لوگے تو روز صبح ہی صبح مدرسے چلنے سے پہلے تمھیں معلوم ہوجایا کرے گا کہ آج کا موسم کیسا ہوگا



تمھارے گھر میں کوئی پرانا مرتبان تو ضرور ہوگا نہ ہو تو خرید لو ایک صاف شفاف شیشے کی بوتل لو (بوتل دو قسم کی ہوتی ہے ایک موٹے شیشے کی جسے کانچ کہتے ہیں اور ایک شیشے کی، تم شیشے کی بوتل لینا) جس کی گردن گاؤدم ہو لیجئے صاحب سب سامان اکٹھا ہوگیا۔ اب تمھیں کرنا کیا ہے۔ سنو۔

مرتبان کو صاف اور ٹھنڈے پانی سے لبالب بھر دو اور بوتل کو اوندھا کرکے اس میں ڈبو دو۔ پانی بوتل کی گردن تک چڑھ جائے گا اسی پانی کی مختلف حالتوں (اتار چڑھاؤ) سے تم موسم کا حال معلوم کرسکتے ہو ہم تمھیں چند علامتیں بتا دیتے ہیں۔ جس سے تمھیں سمجھنے میں آسانی ہوگی

(۱) پانی بوتل میں جتنا بھی اوپر چڑھے سمجھو کہ موسم اتنا ہی اچھا اور خوش گوار ہوگا جب پانی نیچے بوتل کے منہ کے پاس آجائے تو سمجھ لو کہ یا تو سخت بارش ہوگی یا شدید طوفان آئے گا۔

(۲) اگر پانی کی سطح میں یک بیک اتار چڑھاؤ ہوجائے تو سمجھ لو کہ موسم بہت جلد بدل جائے گا۔ اور اگر آہستہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ موسم آہستہ آہستہ تبدیل ہوگا اس موسمی آلے کو ہمیشہ گھر کے باہر کسی سرد مقام میں رکھو پر سورج کی شعاعیں نہ پڑنے پائیں ورنہ خراب ہوجائے گا اور کام نہ دے گا

مرسلہ امتیاز حسین صاحب (از لندن)

کشمیر کی سیر

(سید نصیر احمد صاحب جامعی بی اے نائب مدیر طلوع اسلام)

کشمیر کا نام تم نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ ملک بہت خوب صورت ہے۔ اتنا خوب صورت کہ اسے لوگ جنت کہتے ہیں۔ اس کی خوب صورتی کو ہزارہا سیاحوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق بیان کیا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے کہ کشمیر کی وادی خوب صورت ہیروں سے جڑا ہوا نگینہ ہے وسیع جھیلوں، صاف شفاف دریاؤں، شان دار درختوں برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کا ملک ہے جہاں ہوا خوشگوار ہے اور پانی میٹھا۔ کشمیر میں ہر وہ چیز موجود ہے جس سے انسان لطف اٹھا سکتا ہے۔ شکاریوں کے لئے کثرت سے شکار شاعر اور مصور کے لئے مختلف اور خوب صورت مناظر۔ پہاڑ پر چڑھنے والوں کے لئے اونچے اونچے پہاڑ، ماہرین نباتات کے لئے انواع و اقسام کے پھول، جسے کھانے پینے کا شوق ہے اس کے لئے عمدہ پھل، اور سبزیاں، جو اتنی سستی ہیں کہ دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتیں۔ بیمار اور مریض۔ ہاؤس بوٹ[1] میں چنار کے سایہ کے نیچے اپنی کھوئی ہوئی صحت دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔

کشمیر جانے کے لئے کئی راستے ہیں مگر آج کل دو ہی استعمال ہوتے ہیں ایک راولپنڈی، دوسرا جموں کا۔ دونوں راستے بہت اچھے ہیں لیکن جموں کا راستہ زیادہ خوب صورت ہے۔ راہ میں اتنے اچھے اچھے مناظر اور عمدہ مقامات ملتے ہیں کہ دل چاہتا ہے بس یہیں رہ جائیں۔

سری نگر کشمیر کا دار الخلافہ ہے۔ دریائے جہلم اس کے بیچوں بیچ بہتا ہے۔ اور اس پر لکڑی کے سات پل ہیں سری نگر بہت خوب صورت شہر ہے اور اسے مشرق کا وینس کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے متعلق تفصیل سے پھر کبھی لکھوں گا آج صرف ڈل اور تین باغوں کا ذکر ہوگا۔

ڈل

ڈل ایک جھیل کا نام ہے جو سری نگر سے بالکل قریب ہے اس کی لمبائی چار میل اور چوڑائی ڈھائی میل ہے دنیا میں اس سے بہتر شاید ہی کوئی جگہ مل سکے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ جھیل کس زمانے میں زیادہ خوب صورت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ اکتوبر میں اگر اسے کوئی دیکھے اس وقت بید مجنوں کا رنگ سبز سے سنہرا ہو جاتا ہے۔ اس کی شاخیں پانی پر جھکی

[1] ہاؤس بوٹ اس کشتی کو کہتے ہیں جس پر لکڑی کا خوب صورت سا مکان بنا ہوتا ہے اور سیاح اس میں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اور گرمیوں کا موسم عموماً اسی میں گذارتے ہیں۔

ہوئی عجب دلفریبی پیدا کرتی ہیں۔ چنار کے شاندار درختوں کا رنگ سرخ ہوکر اور بھی شان پیدا کرتا ہے ڈل کے اردگرد پہاڑ ہیں ان میں عجیب قسم کے رنگ پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں مل ملا کر کچھ ایسا منظر پیش کرتی ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ڈل کے کنارے بہت سے باغ ہیں جن میں تین بہت مشہور اور قابلِ دید ہیں یعنی
نشاط باغ، نسیم باغ اور شالامار باغ۔

نشاط باغ

آصف خاں نے جہاں گیر کے اشارے سے ڈل کے کنارہ مشرقی جانب یہ باغ بنوایا تھا۔ جھیل کے کنارے سے پہاڑ کی چوٹی تک اس باغ کے بارہ طبقے بنوائے گئے تھے اور ہر اونچے طبقے تک آنے کے لئے زینے تھے۔ پہاڑ کے اوپر سے اس باغ تک پانی لاکر نلوں کے ذریعے ہر طبقے میں پہنچایا گیا تھا۔ نشاط کے بارہ طبقوں کے نام آسمانی برجوں پر رکھے گئے تھے اور ہر طبقے میں سینکڑوں عجیب و غریب پھول تھے۔ یہ باغ ہر موسم میں ہرا بھرا رہتا تھا۔

اُس زمانے میں تو یہ باغ ظاہر ہے کہ کیا ہوگا لیکن اس زمانے میں بھی اس میں اتنی خوب صورتی اور دل کشی ہے کہ انسان دیکھ کر مبہوت ہوجاتا ہے۔ اس وقت نشاط کا احاطہ ۵۹۵ گز لمبا اور ۳۰۰ گز چوڑا ہے اور اس کے دو حصے کئے گئے ہیں اوپر کے حصے میں کئی چھوٹے چھوٹے طبقے ہیں [illegible] ہوسکتے [illegible] تھا اس کے سامنے [illegible] اونچی [illegible] ایک آبشار [illegible] ہے اس کے [illegible]

میں پھولوں کی بے حد کثرت ہے۔ پھولوں کے تختے پچاس گز سے لے کر سو گز تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلے طبقے میں پھاٹک کے نزدیک ہی ایک عمارت ایرانی طرز کی بنی ہوئی ہے یہاں سے ڈل کا نظارہ بہت دل فریب ہے۔

نسیم باغ

چونکہ اس باغ میں چنار کے درختوں کے نیچے ہر وقت سرد ہوا آتی ہے اس لئے اس کا نام نسیم باغ رکھا گیا ہے۔ اس باغ میں نہریں، فوارے اور دیواریں سب غائب ہوچکی ہیں۔ مگر علی مردان خاں کے لگائے ہوئے چنار اب تک موجود ہیں۔ جہانگیر بادشاہ اکثر صبح نسیم باغ اور شام نشاط باغ میں گذارتا تھا۔

شالامار باغ

یہ باغ شاہ جہاں نے اپنے باپ کی فرمائش سے بنوایا تھا اس کا نام شعلہ ماہ تھا لیکن چونکہ یہ باغ جہاں موجود ہے اس کا نام شالامار تھا اس لئے یہی نام مشہور ہوگیا۔ یہ باغ بہت خوب صورت ہے اس میں داخل ہونے کا راستہ ایک نہر سے ہے جو ڈل سے آتی ہے اس کے دونوں کناروں پر چنار کے درخت ہیں باغ کے وسط میں ایک عمارت ہے۔ یہاں ایک اور چھوٹی نہر ہے اس نہر کے بیچ میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے۔ جن کے درمیان پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے۔ اس کے علاوہ [illegible] اُدھر بڑے بڑے حوض ہیں جن میں مختلف شکل [illegible] کے فوارے ہیں یہاں بھی پھولوں کی کثرت [illegible] رنگ برنگ کے پھول نظر آتے ہیں۔
ان باغوں کی یہ حالت اس زمانے میں [illegible] تو کرو۔ اس وقت ان کی کیا شان ہوگی۔ [illegible] اور شاہ جہاں زندہ تھے۔

ہمیشہ خوش رہو

(از حضرت جگر مرادآبادی)

جگر صاحب اردو کے مشہور غزل کہنے والے شاعر ہیں۔ نظم بہت کم کہتے ہیں وہ بھی جب کبھی خود دل چاہتا ہے کسی دوسرے کے کہنے سننے سے ہرگز نہیں کہتے۔ لیکن جامعہ اور جامعہ کی تمام چیزوں سے آپ کو اتنی محبت ہے کہ ہمارے عرض کرنے پر پیام تعلیم کے لئے آپ نے ایک نظم کہنا شروع کی تھی افسوس کہ وہ پوری نہ ہوسکی اتفاق سے آپ کے کاغذوں میں یہ دو بند مل گئے جو بچوں کے لئے ہم پیش کیے دیتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

باپ ماں کے گھر کی دنیا خوش رہو　　قوم کے دل کی تمنا خوش رہو
ملک کا تم ہو سہارا خوش رہو　　سب کو خوش رکھو۔ نہ تنہا خوش رہو

خوش رہو بچو ہمیشہ خوش رہو

تم اگر خوش ہو تو ہے دنیا بھی خوش　　گل بھی خوش کانٹے بھی خوش صحرا بھی خوش
ماں بھی خوش بھائی بھی خوش ابا بھی خوش　　ماسٹر صاحب بھی، ہم مکتب بھی مولینا بھی خوش

خوش رہو بچو ہمیشہ خوش رہو

ڈاک کی ایجاد

از حسن سبحانی صاحب متعلم جامعہ،

تم روزانہ ایک آدمی کو لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہوئے دیکھتے ہوگے۔ یہ شخص ایک خاکی رنگ کی وردی پہنے اور ایک پیٹی لگائے رہتا ہے اس کے پاس چمڑے کا سرخ رنگ کا ایک تھیلا بھی ہوتا ہے۔ جب یہ عجیب وغریب انسان کہیں نظر پڑ جاتا ہے تو تم سب کی نظریں اس کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ کوئی دل ہی دل میں کہتا ہے "ہو نہ ہو، بھائی صاحب کا خط آیا"۔ کوئی "آہا! پیام تعلیم کا نیا پرچہ آگیا"۔ کوئی اس کی طرف دوڑتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے ڈاکیے صاحب! ڈاکیے صاحب!! ہمارا بھی کوئی خط ہے، مدرسوں میں تو جہاں لڑکے اپنا اپنا گھر چھوڑ کر پڑھنے جاتے ہیں، ڈاکیہ عید کا چاند ہوتا ہے۔ جیسے عید کے چاند کو دیکھ کر دوسرے دن صبح کی خوشیوں کے منصوبے پہلے ہی سے باندھے جاتے ہیں اسی طرح ڈاکیے کو آتے دیکھ کر نئے کپڑے اچھی اچھی کتابیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگتی ہیں کیوں؟ تم تو جانتے ہی ہو کہ اُن سب چاروں کو پیسہ بغیر ڈاکیئے کے اور کون دے؟ بہرحال ڈاکیے کی صورت ہمارے تمہارے اور سب کے لئے ایک پیام ہے۔ جس سے ہمارے اندر ایک زندگی، شوق اور ولولہ پیدا ہوجاتا ہے لیکن کیا تم نے یہ بھی سوچا کہ آخر کیوں اتنے دور سے ہمارے خطوط زیادہ سے زیادہ چار پیسوں میں آجاتے ہیں؟ انھیں وہاں سے کون لاتا ہے۔ پھر یہ ڈاک کا لفظ کیوں اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے؟ . . . . تم کیا کوئی ہندوستانی اس قسم کی مفید اور کارآمد باتوں کو نہیں سوچتا۔ اچھا آؤ ہم تمھیں بتائیں کہ یہ ڈاک کا لفظ کیوں استعمال کیا جاتا ہے آج سے پہلے خطوط کیسے ایک دوسرے کو پہنچائے جاتے تھے۔ اور یہ ٹکٹ خط پر کیوں چپکا دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اس قسم کا انتظام رومیوں نے کیا تھا یہ پوسٹ (ڈاک) کا لفظ ان ہی کی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں "ایک مقررہ جگہ" کے۔ پہلے روما میں خطوط اور پیغامات اس طرح پہنچائے جاتے تھے کہ ڈاکیہ خطوط کو اپنے ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ اور پچاس ساٹھ میل چلنے کے بعد جب گھوڑا بالکل تھک جاتا تھا تو اسے دوسرا گھوڑا دے دیا جاتا تھا اور پہلے گھوڑے کو آرام کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جہاں گھوڑے بدلے جاتے تھے وہ جگہ "پوسٹ" کہلاتی تھی آج کل خطوط رسانی کے لئے گھوڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ ریلوں، ہوائی جہازوں اور موٹروں نے اب اُن کی جگہ لے لی ہے۔

ان ہی رومیوں نے جب انگلینڈ کو فتح کیا تو وہاں بھی ڈاک کا یہی طریقہ رائج تھا۔ انھوں نے وہاں سڑکیں بنائیں اور ڈاک کے مضبوط مضبوط اور اچھے گھوڑے

رکھے ۔ گھوڑوں کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ خطوط عام طور سے ایک ایک دن میں سو سو میل کا سفر طے کر لیتے تھے ۔

آج کل کی طرح اس زمانے میں ٹکٹوں کا چلن نہیں تھا اور جس طرح ڈاک کا محصول (ٹکٹوں کی قیمت کی صورت میں ۔) خط بھیجنے والا ادا کرتا ہے ۔ اس زمانے میں خط وصول کرنے والا نقد اجرت ادا کرتا تھا ۔ پھر آج کل تو چاہے تم اپنے گاؤں میں خط بھیجو یا ہندوستان کے دور سے دور شہر میں یا ملک کے باہر کسی اور ملک میں کم وبیش ایک ہی اجرت ادا کی جاتی ہے ۔ اس زمانے میں فاصلے کے لحاظ سے محصول ادا کیا جاتا تھا ۔ کم فاصلے کے لئے کم اور جتنا فاصلہ زیادہ ہوتا جاتا تھا ۔ اتنی ہی زیادہ اجرت دینی پڑتی تھی اور یہ اجرت تو ان جگہوں کے لئے تھی جو سڑک کے کنارے ہوتے تھے سڑکوں سے دور جو گاؤں ہوتے تھے ان کے لئے اور زیادہ اجرت دینی ہوتی تھی ۔

جب سڑکیں اچھی اچھی بن گئیں ۔ تو گھوڑوں کی جگہ خطوط اور پارسل گھوڑے گاڑیوں پر بھیجے جانے لگے ۔

اس زمانے میں ریاستوں میں چور اور ڈاکو بہت ہوتے تھے اور اکثر خطوط اور پارسل لوٹ لئے جاتے تھے ۔ اس لئے ان گاڑیوں کی حفاظت کے لئے محافظ (پہرے دار) بھی ساتھ جانے لگے ۔ اور خطوط ضائع ہونے سے بچ گئے

لیکن اتنی ترقی ہونے کے باوجود ابھی محصول اسی پرانے طریقے پر ادا ہوتے تھے ۔ اور اس بدانتظامی کی وجہ سے اکثر ڈاکیے بے ایمانی کرتے تھے ۔ چنانچہ کبھی کبھی وہ دو دو مرتبہ اجرت وصول کر لیتے تھے اور کبھی اجرت بالکل وصول نہیں ہوتی تھی اور خط کے لانے اور لے جانے میں نقصان ہو جاتا تھا

ایک دن ایک سرائے میں ایک شخص رالینڈہل نامی ڈاک گاڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا ۔ جب گاڑی پہنچی اور ڈاکیہ آیا تو اس نے ایک خط ایک لڑکی کے نام نکالا جو اس سرائے میں بیٹھی ہوئی تھی ۔ لڑکی کے پاس اس وقت پیسے نہیں تھے ڈاکیے نے اسے خط دینے سے انکار کر دیا ۔ رالینڈہل کو اس لڑکی پر ترس آیا اور اس نے اپنی طرف سے اجرت ادا کر کے لڑکی کو خط دے دیا ۔ ڈاکیہ چلا گیا تو لڑکی نے کہا کہ آپ نے ناحق اپنے دام ضائع کئے بات یہ ہے کہ مجھ میں اور میرے بھائی میں چند خفیہ اشارے طے ہو گئے ہیں جنھیں لفافے کے اوپر بنا کر ہم ایک دوسرے کا مطلب سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح بغیر خرچ کئے ہوئے کام چلاتے ہیں ۔

رالینڈہل نے دیکھا کہ یہ انتظام بہت ہی ناقص ہے تو اس نے سوچا کہ ایسے پرچے بنانے چاہئیں جو اجرت کے برابر قیمت ادا کرنے کے بعد خط بھیجنے والے کو دیدئے جائیں اور وہ انھیں خط پر چسپاں کر دیا کرے ۔ جس سے ڈاکیے کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی اجرت وصول ہو چکی ہے ۔ اور پھر وہ کسی قسم کی بے ایمانی نہیں کر سکے گا ۔ چنانچہ اس نے یہ خیال لوگوں پر ظاہر کیا اور ڈاک کے محکمے میں اسی پر عمل ہونے لگا ۔ یہ وہی چھوٹے چھوٹے چھپے ہوئے پرچے ہیں جنھیں ہم تم آج ٹکٹ کہتے ہیں ۔

ٹکٹوں کا سب سے پہلے استعمال ۱۰ جنوری ۱۸۴۰ء میں انگلستان میں ہوا ۔ اور دس ہی سال کے عرصے میں خطوط اور پارسلوں وغیرہ کی تعداد پہلے سے پانچ گنی ہو گئی ۔ یکم جنوری ۱۸۴۹ء سے اس کا رواج فرانس میں ہوا ۔ فرانس کے بعد جرمنی نے ۱۸۵۰ء میں اپنے ملک میں اسے پھیلایا اس کے بعد تمام دنیا میں اس کا رواج ہو گیا

ننھی سی آصفہ

(از عمر کامل صاحب سلمہ دہلوی)

میرے گھر میں اس وقت سب سے چھوٹی باتیں کرنے والی بچی صرف آصفہ ہی ہے
میں اس سے بڑا ہوں اور مجھ سے بڑی بہن صالحہ خاتون ہیں۔
ہم اکثر صبح سویرے اپنا لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ خاموشی کا وقت ہوتا ہی
مگر آصفہ اس میں بھی گڑبڑ مچا دیتی ہے۔
ہم کو کام کرتے ابھی تھوڑا ہی وقت گذرتا ہے کہ آصفہ کے کُلبلانے کی آہٹ ہوجاتی
ہے۔ اسی وقت سے ہمارا دھیان بٹ جاتا ہے۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔
ہوشیار ہوجاؤ دشمن اُٹھ رہی ہے۔ ہم اس کی تمام حرکتوں کو کنکھیوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور
خاموشی سے ہنستے رہتے ہیں۔
اس کی عادت ہے کہ جب اُٹھنے کو ہوتی ہے تو کروٹیں بدلتی رہتی ہے۔ پانچ، سات
مرتبہ کروٹیں بدلنے کے بعد وہ آنکھیں کھولتی ہے۔ کچھ منٹ بڑی بڑی آنکھیں جھپکاتی رہتی ہے
پھر گردن اٹھا کر ادھر اُدھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم کو دیکھتی ہے۔ جب دیکھ لیتی ہے کہ ہم بیٹھے

ہوئے کام کررہے ہیں۔ تو بس اللہ کرکے اُٹھ بیٹھتی ہے۔ ذرا کی ذرا پلنگ پر بیٹھ کر مُڑمُڑ کر دیکھتی ہے۔ پھر بلی کی طرح دبے پاؤں ہماری طرف چل پڑتی ہے۔

جب وہ ہمارے پاس پہنچ جاتی ہے تو کبھی کاپی اٹھاتی ہے، کبھی پنسل، کبھی سلیٹ اُٹھاتی ہے تو کبھی قلم، جب ہم اِس سے یہ چیزیں چھینتے ہیں تو رونے لگتی ہے، کبھی کہتی ہے بی! پنسل لوں دی۔ کبھی کہتی ہے میاں! چلیٹ لوں دی۔ جب اِس سے پوچھتے ہیں کہ اِن کا تم کیا کروگی؟ تو کہتی ہے کام کروں دی۔ جب بی اور ابا میاں کہتے ہیں کہ بھئی! دیکھو یہ منی سی بہن ہے۔ اس کو بھی کچھ دے دو تو یہ اور شیر ہوجاتی ہے اور ریں ریں کرتی ہوئی کچھ نہ کچھ لے بھاگتی ہے۔ اور بی یا ابا میاں کو جا لپٹتی ہے ہم میں سے کوئی نہ کوئی اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اور سب لوگ ہنستے ہیں۔

دلچسپ باتیں

لندن کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں جو لڑکے کھانا لے جانے پر ملازم ہیں وہ کبھی کبھی ہفتے بھر میں سات سات پونڈ انعام کے طور پر وصول کرلیتے ہیں۔

یورپ میں سب سے بڑا شاہی محل شاہ ہسپانیہ کا ہے۔ جو اِس قدر بڑا ہے کہ اس کے کمروں میں پھرنے میں چار دن لگ جاتے ہیں۔

تہذیب نسواں

نباتی غذا

(از جناب محمد غلام طاہر صاحب صدر مدرس مدرسہ سلطانیہ مکمبٹر ضلع (ناندیڑ)

نباتی غذا میں سب سے اہم چاول ہیں اس کے بعد دوسری چیزیں

گیہوں

غلوں میں گیہوں سب سے زیادہ بہتر غذا ہے ۔ اور دنیا کے اکثر حصے کی خوراک کا دار مدار اسی پر ہے ۔ یہ عموماً منطقہ معتدلہ کی پیداوار ہے اور ان مقامات پر زیادہ ہوتا ہے جہاں کی زمین مٹیالی اور ذرا سخت ہو تاکہ پودے کو سنبھال سکے ۔ بارش ۴۰ انچ سے کم ہو ۔ مرطوب مقامات پر گیہوں نہیں ہوتا مگر ابتدا میں اسے کافی پانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس لئے ان مقامات پر جہاں بارش مطلق نہیں ہوتی اور ذرائع آبپاشی بھی نہیں ۔ گیہوں نہیں پیدا ہوتا اس کے پکنے کے لئے کافی حرارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے منطقہ معتدلہ نیم سرد میں جہاں موسم سرما زیادہ دنوں تک رہے اس کی کاشت موسم بہار میں ہوتی ہے اور موسم گرما میں تیار ہوجاتا ہے ۔ پتھریلی زمینوں میں بھی گیہوں نہیں ہوتا اس لئے یہ میدانی خطوں کی پیداوار ہے ۔ اب اگر تم دنیا کا نقشہ اٹھا کر منطقہ معتدلہ کے میدانوں کو دیکھو اور ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھو کہ وہاں بارش ۴۰ انچ سے زائد تو نہیں ہوتی تو تم کو فوراً معلوم ہوجائے گا کہ اس کی پیداوار کہاں کہاں زائد ہوسکتی ہے ۔ دنیا کے گیہوں پیدا کرنے والے اہم مقامات یہ ہیں۔

جنوبی منطقہ معتدلہ میں ۔ جنوب مشرقی آسٹریلیا جنوبی افریقہ اور جنوبی امریکہ میں ارجنٹائن کا ملک

شمالی منطقہ معتدلہ میں ۔ ہندوستان کا شمالی مغربی میدان ، یورپ کا میدانی حصہ ، جنوب مغربی سائبیریا ، جس میں ہوانگ ہو اور ینگ سی کیانگ کی شمالی وادی ۔ شمالی امریکہ کی پرائریز یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا میں جھیلوں کے اطراف کا علاقہ ۔

دنیا میں گیہوں کی بڑی تجارت کرنے والے ممالک آسٹریلیا ، کناڈا ، ریاستہائے متحدہ امریکہ ، یورپی روس ارجنٹائن اور ہندوستان ہیں ۔ اور گیہوں کی تجارت کی سب سے بڑی منڈی یورپ ہے ۔ کیوں کہ وہاں اس کی پیداوار ضرورت سے بہت کم ہوتی ہے ۔ آسٹریلیا ، کناڈا ، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور ارجنٹائن ، بہت گیہوں باہر بھیجتے ہیں ۔ کیونکہ ان ممالک کی آبادی بہت کم ہے ۔ اس لئے خرچ بھی کم اور باہر بھیجنے کے لئے بچت زائد ہوتی ہے ۔ ہندوستان کے پنجاب سے گیہوں باہر جاتا ہے ۔ مگر چونکہ آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ صرفہ ملک ہی میں ہوجاتا ہے ۔ اس لئے بہت

زیادہ مقدار میں باہر نہیں بھیجا جاسکتا۔ ایک اور سبب بھی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان دیگر ممالک کے نرخ میں مقابلہ نہیں کرسکتا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی زرعی زمین زیادہ آدمیوں میں منقسم ہیں۔ اس لئے کسانوں کے پاس چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاشت کے لئے رہتے ہیں جن کے لئے وہ مشینوں کا استعمال نہیں کرسکتے۔ اور اس طرح پیداوار پر لاگت زاید آتی ہے برخلاف اس کے ارجنٹائن اور آسٹریلیا نوآبادیاں ہیں۔ آبادی کم ہے اور بڑے بڑے قطعات لوگوں کے قبضے میں ہیں۔ اور زرعی آلات کا استعمال بآسانی ہوسکتا ہے۔ اس لئے زیادہ پیداوار اور کم لاگت آنے کی وجہ سے زیادہ سستے نرخ پر بیچ سکتے ہیں۔

اب ذرا تم ہندوستان پر غور کرو کہ گیہوں پنجاب ہی میں کیوں زیادہ ہوتا ہے۔ بارش کے نقشے پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ میدانی علاقے کے مشرقی حصے یعنی آسام، بنگال اور بہار میں بارش ۸۰ انچ سے زائد ہوتی ہے اس لئے یہاں گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ جوں جوں ہم مغرب کی جانب بڑھتے جائیں بارش کم ہوتی جاتی ہے اور گیہوں کی پیداوار بھی بڑھتی جاتی ہے چنانچہ صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کے مشرقی حصے میں گیہوں کم پیدا ہوتا ہے اور مغربی حصے میں زیادہ۔ اور پنجاب تو خاص گیہوں کا ملک ہے

پنجاب میں بارش ضرورت سے بھی کم ہے مگر دریاؤں سے کافی تعداد میں نہریں نکال کر اس کی تلافی کرلی گئی ہے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی (ریاست حیدرآباد) میں گیہوں مرہٹواڑی کے علاقے میں زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ تلنگانہ میں کم۔ گو یہاں بارش کم ہے۔ مگر کالی مٹی میں پانی کو جذب کرنے اور نمی کو قائم رکھنے کی صلاحیت زیادہ ہے اس لئے بغیر آبپاشی کے بھی گیہوں پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ ظاہر کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سال کے ہر ماہ میں گیہوں کسی نہ کسی ملک میں تیار ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستان میں یہ موسم سرما کی پیداوار ہے اور دوسرے ملکوں میں موسم گرما میں پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بارش موسم گرما میں ہوتی ہے اور مرطوب آب و ہوا گیہوں کے لئے مضر ہے۔ موسم سرما خشک ہوتا ہے اس لئے گیہوں اسی موسم میں پیدا ہوتا ہے دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ یہاں منطقہ معتدلہ میں گرمی منطقہ حارہ کی سی ہوتی ہے جو گیہوں برداشت نہیں کرسکتا۔ البتہ پکنا یہ موسم گرما کی ابتدا میں ہے۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں تقریباً تین[۳] کروڑ بیس[۲۰] لاکھ ایکڑ پر گیہوں کی کاشت ہوئی اور سالانہ پیداوار تئیس[۲۳] کروڑ بارہ[۱۲] لاکھ کے قریب رہی۔ پنجاب کا گیہوں کراچی بندرگاہ سے باہر جاتا ہے اور زیادہ تر انگلستان کو

عید کا چاند

مولوی شفیق الدین صاحب نیر۔ ٹیچر موڈرن ہائی اسکول۔ نئی دہلی

کیا سبب ہے کہ خوشی چھائی ہے؟ ؛ آج دنیا میں بہار آئی ہے ؟
مسکراہٹ ہے لبوں پر آتی ؛ کیوں صبا پھرتی ہے آج اتراتی
ہر گھر آباد نظر آتا ہے ؛ ہر کوئی شاد نظر آتا ہے
آسماں پر جو کھلے ہیں تارے ؛ ہنس رہے ہیں وہ خوشی کے مارے
ننھے بچے بھی تو روتے نہیں آج ؛ عید کے شوق میں سوتے نہیں آج
ہوئی ہے آج صفائی گھر گھر ؛ نکلے صندوقوں سے کپڑے زیور
نئے کپڑے ہیں نیا ہے جوتا ؛ کل ہر اک شخص بنے گا دولھا
عیدگہ شوق سے کل جائیں گے سب ؛ شکر خالق کا بجا لائیں گے سب
ہے ہر اک دل پہ مسرت طاری ؛ اور یہ بات زباں پر جاری

یہ دن اللہ نے دکھلایا ہے
عید کا چاند نظر آیا ہے

(بچوں کا تحفہ)



وینس کا ایک پرانا گرجا



وینس کی گنڈولا کشتی
جس کا ذکر مضمون
لندن کی سیر میں آیا ہے



نشاط باغ کشمیر

آنکھیں

(از جناب شام کمار صاحب)

خدا نے انسان کو بے شمار چیزیں بخشی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر مفید ہے۔ ان ہی میں سے ایک چیز آنکھیں ہیں درحقیقت یہ بہت بڑی نعمت ہیں۔ دیکھو ایک اندھا کتنا بدنصیب معلوم ہوتا ہے۔ نہ وہ دنیا کے خوب صورت نظاروں کو دیکھ سکتا ہے۔ نہ پیارے پیارے پھولوں کو نہ اچھی اچھی چیزوں کو۔ اس کی دنیا ایک تاریک دنیا ہے جس میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

اگر تمھاری آنکھوں میں تھوڑی دیر کے لئے پٹی باندھ دی جائے تو تمھارا کیا حال ہو؟ بس ایسا معلوم ہوگا جیسے اندھے کنوئیں میں ڈال دئے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ بغیر آنکھوں کے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا کچھ بھی لطف نہیں۔ مگر یہ ہیں بہت نازک خدا نے تمہیں آنکھیں دے تو دیں لیکن اگر تم ان کو حفاظت سے نہ رکھوگے تو خراب ہوجائیں گی۔ بعض لڑکے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن سے ان کی آنکھیں خراب ہوجاتی ہیں۔ میں یہاں انھیں لکھتا ہوں یقین ہے کہ تم ان سے بچوگے اور اپنی آنکھوں کو خراب نہ کروگے

(۱) ناک میں انگلیاں ڈالنا اور بال کھرچنا۔

(۲) کھانا بہت نمکیں کھانا۔

(۳) سر پر گرم پانی ڈالنا۔ زیادہ گرم پانی سے نہانا وغیرہ۔

(۴) ہر وقت اپنے دشمنوں کا خیال کرنا

(۵) سورج کو دیکھنے کی کوشش کرنا
(۶) یک بیک تاریکی سے روشنی اور روشنی سے تاریکی میں جانا۔
(۷) بغیر کچھ کھائے پیے بھوکے پیٹ نظر کا کام کرنا۔ مثلاً پڑھنا لکھنا۔ وغیرہ
(۸) بہت کم یا بہت زیادہ سونا۔ دوپہر کو سونا یا رات کو جاگنا۔
(۹) کسی چیز کو بہت نزدیک سے دیکھنا۔ نزدیک سے پڑھنا۔
(۱۰) قبض کی بیماری رہنا۔
(۱۱) مصالحے دار، چٹ پٹی، کھٹی اور کڑوی چیزیں کھانا۔
(۱۲) لال مرچ، تمباکو، شراب، سگریٹ یا نشے والی چیزیں پینا۔
(۱۳) آنکھوں کو ملنا۔ یا انگلیاں ڈالنا۔
(۱۴) دیر میں ہضم ہونے والی چیزیں کھانا۔
(۱۵) چلتی گاڑی میں یا لیٹ کر پڑھنا
(۱۶)۔ زیادہ رونا یا بہت غمگین اور غصہ ور ہونا
(۱۷) جب دوائی کی ضرورت نہ ہو تب استعمال کرنا
(۱۸)۔ دوپہر کے وقت لکھنا یا پڑھنا
(۱۹)۔ چاندنی یا اور کسی معمولی روشنی میں پڑھنا۔
(۲۰)۔ بہت تیز روشنی میں پڑھنا

یہ بیس باتیں تم نے پڑھ لی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس سے تم نہ بچ سکتے ہو۔ اگلے مہینے میں چند مفید بصارت باتیں لکھوں گا۔ جو تمھاری آنکھوں کے لئے مفید ہوں گی۔ اور اس کے بعد آنکھوں کے لئے چند مفید ورزشیں

امید ہے کہ تم انھیں دھیان لگا کر پڑھو گے۔ اور اپنی آنکھوں کو تمام عمر تیز رکھو گے۔



مختلف ملکوں کے بچوں کی عادتیں

از محمد فاروقی صاحب (لاہور)

فرانسیسی بچہ صبح کو اٹھتے ہی اپنے کپڑوں کو دیکھتا ہے۔ کہ کہیں داغ دھبہ تو نہیں ہے۔ کہیں سے خراب اور میلے تو نہیں ہوئے ہیں۔ اگر میلے اور خراب ہو گئے ہیں تو انھیں بدلنے کی خواہش کرتا ہے۔ فرانس کے بچے صفائی کے لئے دنیا بھر میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

انگریزی بچہ صبح اٹھنے کے بعد اپنی کتابوں اور اخباروں کو تلاش کرتا ہے پڑھے ہوئے سبق کو دہراتا ہے اخبار میں نئی نئی خبریں تلاش کرتا ہے۔ اسی لئے عام طور پر روزانہ خبروں سے واقف ہوتا ہے اور اُسے معلوم رہتا ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ انگلستان میں بچوں کے اخبار رسالے اور دوسری کتابیں بے شمار چھپتی اور ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔

ترکی بچہ بستر سے اٹھ کر اپنا خنجر تلاش کرتا ہے اور اگر نہ ملے تو ادھر ادھر ڈھونڈتا ہے۔

عربی بچہ صبح سویرے اذان کے ساتھ اٹھتا ہے اور نیزہ لے کر باہر ریت پر کھیلنے چلا جاتا ہے۔

اب رہا ہندوستانی بچہ تو وہ صبح اٹھتے ہی روتا ہے۔ چیختا ہے اور کھانا مانگتا ہے اور روٹی تلاش کرتا ہے۔

پیام بھائیو! آپ بتا سکتے ہیں۔ کہ ان میں سے کس ملک کے بچوں کی عادتیں سب سے زیادہ اچھی ہیں اور کیوں؟



اب پچھتائے کیا ہوت!

(از یوسف علی خاں اسد پربھنی (دکن)

کسی زمانے میں ایک گڈریا تھا ۔ اس کے پاس بہت سی بکریاں تھیں ۔ ان بکریوں کے بچے بھی تھے ۔ وہ ان سب کو ایک باڑے میں بند کردیتا تھا تاکہ سردی سے بچے رہیں اور بھیڑیا حملہ نہ کرنے پائے ، کتے بھی حفاظت کرتے تھے ۔ لیکن ایک بچے کو یہ بات پسند نہ آئی کہ وہ قیدی کے مانند پڑا رہے اور کتے بند نہ کئے جائیں "آج سے میں بھی بند نہ رہوں گا" یہ کہہ کر شام کے وقت ۔ جب سب بند ہوچکے تو وہ باہر چلا گیا اور ادھر ادھر پھرتا رہا ۔ چاندنی رات میں سبزہ زاروں کو چرتا چرتا ایک میل کے فاصلے پر نکل گیا ۔ اتفاق سے ایک بھوکا بھیڑیا غار میں سے نکل کر خوراک کی تلاش میں پھر رہا تھا اور بڑے زور سے چلا رہا تھا تب تو بچہ ڈرا اور اس کا دل باڑے میں جانے کو چاہنے لگا لیکن باڑا بہت دور تھا ۔ بھیڑیا جھپٹ کر اس پر حملہ آور ہوا ۔ اور پھاڑ کر کھا گیا ۔ اب بکری کے بچے کو اپنی ماں کی نصیحت یاد آئی اور اپنے باڑے کا خیال آیا ۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" ۔

خط کتابت

مکرمی تسلیم، مجھے ٹکٹوں کے متعلق مضامین کا سلسلہ بہت پسند آیا میں انہیں بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں بلکہ یہ مضامین اس قابل ہیں کہ انہیں یکجا کتابی صورت میں شائع کیا جائے خود مجھے بھی ان مضامین کو دیکھ کر ٹکٹوں سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور کافی ٹکٹ بھی جمع کرلئے ہیں کوئی صاحب چاہیں تو مجھ سے ریاست گوالیار کے معمولی اور سروس ٹکٹوں کا غیر ممالک کے اسلامی ٹکٹوں (افغانستان، ایران، عراق، ترکی، مصر، البانیا) سے بخوشی مبادلہ کرسکتے ہیں۔ مجھے پوسٹل یونین کانگرس لندن سنہ ۱۹۲۹ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے نئی دلی کے افتتاحی ٹکٹ درکار ہیں کیا جناب نسیم صاحب اس پر بھی روشنی ڈالیں گے کہ ان دونوں موقعوں پر کس کس قیمت کے ٹکٹ شائع ہوئے تھے اور وہ کہاں مل سکتے ہیں

سنہ ۱۹۱۵ء سے مجھے دیاسلائی کے ٹکٹ یعنی لیبل بھی جمع کرنے کا شوق ہے چنانچہ اس وقت میرے پاس دو نہایت خوبصورت البم ہیں جن میں سے ایک میں ہندوستان بھر کے اور سیلون کے لیبل ہیں اور دوسری میں کئی ہزار کی تعداد میں جاپان، ناروے، سویڈن، زیکوسلاویا، آسٹریا، جرمنی، انگلستان اور روس وغیرہ کے لیبل ملک وار چسپاں ہیں یہ البم بچوں اور بڑوں کے لئے تصویروں کا نہایت دلکش مرقع۔ اور ہندوستان میں دیاسلائی کی اجارہ داری کی مکمل مصور تاریخ ہیں۔ والسلام۔ مرزا مظفر حسین سیفی متصل حبیبیہ اسکول، بھوپال۔

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم، میرے پاس جرمنی، فرانس، حیدرآباد وغیرہ کے نادر ٹکٹ ہیں کوئی صاحب ترکی، ایرانی، افغانی ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہیں تو یہ پتہ نوٹ کرلیں۔ الیف دکنی روضہ شیخ گلبرگہ، دکن

مکرمی تسلیم، میرے پاس پیام تعلیم کے مئی، جون، جولائی ۳۵ء کے پرچے نہیں ہیں کوئی بھائی ان پرچوں کو قیمتاً یا مفت علیحدہ کرنا چاہیں تو اس پتہ سے مطلع فرمائیں۔ ایس کے ناصر، نیر لیسٹ ہاؤس، گونڈیا۔

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔ تقریباً ۱۲۵ سلور جوبلی ٹکٹ وصول ہوئے جناب کیشو رام صاحب (آگرہ) نے تقریباً ڈیڑھ سو ٹکٹ میرے ہاتھ فروخت کئے بقیہ جناب حسین صاحب لکھنؤ اور شاہد حسین صاحب ہارون انبالہ نے کچھ صاحبوں کے خطوط بعد میں آئے۔ مگر ہمارے امریکہ اور انگلینڈ کے ایجنٹوں کو اب ضرورت نہیں۔

اگر کوئی صاحب تاجر دنیا کے کسی ملک کے ٹکٹ فروخت کرنا چاہیں تو اپروول شیٹ APPROVAL SHEET روانہ کریں اور اگر کوئی اور صاحب صرف دو چار ٹکٹ بھیجنا چاہیں تو نمونے کے طور پر روانہ کریں جوابی امور کے لئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے۔ میرے پاس تمام اسلامی ممالک کے مکمل سٹ ہیں، اسپین کے موجودہ مگر غیر استعمالی سٹ بھی موجود ہیں جو پیام بھائی خریدنا چاہیں اس پتے پر خط کتابت کریں۔ سید صغیر علی قیصری معرفت پروفیسر سید اولاد حسین احاطہ کمال خاں کانپور

مکرمی تسلیم، میں تقریباً دو ہزار ٹکٹ دنیا کے جمع کرچکا ہوں میرے پاس ایران کے بھی پرانے ٹکٹ موجود ہیں کوئی صاحب خریدنا چاہیں تو اس پتہ پر خط کتابت کریں۔ سید احتشام الدین علی نقوی معرفت ڈاکٹر سید آل محمد نقوی ترا ہا بیرم خاں دہلی

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ میرے پاس امریکہ اور انگلینڈ کے بہت سے ٹکٹ ہیں میں ان کا دیسی ریاستوں، ایران، افغانستان اور عرب کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ محمد بشیر اعظمی سیالکوٹ۔

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ چنانچہ بہت سے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں، کوئی بھائی مجھے حیدرآباد کے ٹکٹوں کے بدلے میں فرانس، جرمنی، امریکہ، جاپان، افغانستان کے ٹکٹ بھیج دیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ والسلام سید نظام الدین معرفت جناب مولوی نظیم الدین صاحب علوی سدی پیٹھ ضلع

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ اگر آپ کو، دوکی کوئی ایسی کتاب معلوم ہو جس میں ٹکٹوں کے متعلق عام معلومات ہوں تو اس کے لئے کا پتہ بتایئے۔ میں نے اخلاق صاحب (جدید نام پلی حیدرآباد دکن) کو ٹکٹوں کے مبادلے کے متعلق لکھا تھا۔ معلوم نہیں کیا بات ہے کہ انھوں نے جواب نہیں دیا۔ راقم سعد الخیری دہلی

محترم ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم۔ پیامِ تعلیم کی ہر بات مجھے پسند ہے لیکن رنگ بھرنے کی تصویریں اچھی نہیں چھپتیں۔ میرے پاس بہت سے پیامی بھائیوں کے خط آئے ہیں۔ بہت سے بھائی آدھی انگریزی، آدھی اردو لکھتے ہیں۔ یہ کم از کم مجھے پسند نہیں۔ بہت سے بھائی کارڈ لکھتے ہیں۔ اگر وہ جوابی خط یا لفافہ بھیجا کریں تو جواب کا خیال رہے۔ جناب عزیز احمد صاحب گیا اور صلاح الدین صاحب پٹیالہ کے میرے خطوط کا جواب نہیں دیا بہت دن ہو چکے ہیں۔
ظہور احمد بھونڈی بلڈنگ۔ بمبئی نمبر ۳۔

مکرمی تسلیم۔ چند دوستوں کی بدولت خدا کے فضل سے میرے پاس جاپان، انگلینڈ، امریکہ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، وغیرہ کے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں۔ مجھے محمد افضل صاحب قریشی، محمد یونس صاحب ظہور احمد صاحب بمبئی اور منیر صاحب شاد کمپنی سے بہت مدد ملی۔ میرے پاس حیدرآباد کے بھی بہت سے ٹکٹ ہیں اور میں افغانستان، ترکی، کینیا، یوگنڈا، رومانیہ، ڈنمارک، اسپین، مصر اور بھوپال کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرسکتا ہوں۔ جناب سید منیر صاحب قرول باغ دہلی کو میں نے سو مختلف ٹکٹ روانہ کئے تھے انھوں نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا۔ کئی مہینے ہو چکے ہیں۔ اگر انھیں مبادلہ منظور نہ ہو تو واپس کر دیں۔ یوسف علی خاں اسد پربھنی، دکن۔

مکرمی تسلیم، مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ بہت سے ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں۔ کوئی صاحب مبادلہ کرنا چاہیں تو اس پتے سے خط کتابت کریں۔ علی محمد ہارون پوسٹ نمبر ۲۴۴ کراچی۔

مکرمی تسلیم۔ اگر کوئی پیامی بھائی ٹکٹوں کا مبادلہ یا ٹکٹ فروخت کرنا چاہیں تو نیچے کے پتوں پر خط کتابت کریں۔
(۱) محمد واقف درجہ نہم، امیر الدولہ اسلامیہ ہائی اسکول، لکھنؤ۔
(۲) محمد عمران صاحب، بذریعہ عبدالرحمٰن صاحب وکیل، فتح گڑھ فقط احمد حسن ... معرفت صدیق حسن صاحب ۵۰۰ نباجی باغ لکھنؤ

مکرمی تسلیم۔ میں ۵ سینکڑہ جوبلی ٹکٹ خریدتا ہوں اور ہر سینکڑہ غیر ممالک کے ٹکٹ فروخت کرتا ہوں مبادلہ بھی کرسکتا ہوں
عبدالعزیز شاہی روڈ۔ مظفر نگر۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیامِ تعلیم، السلام علیکم
مجھے جرمنی کی ریاستوں اور جرمنی کی حکومتوں کے ٹکٹ درکار ہیں، عراق، یمن، بوشہر کے بھی، کوئی صاحب ٹکٹ مبادلہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں میں روس، شام، نیپال، فرانس، جرمنی، ٹرانسوال، لندن، آسٹریا، آسٹریلیا، وغیرہ ہر ایک جگہ کے ٹکٹ مبادلے میں روانہ کرسکتا ہوں۔ اگر کوئی صاحب نئی دہلی کے افتتاحی اور سلور جوبلی کے بڑی قیمتوں مثلاً ۲ر، ۱۰ر، ۸ر، ۱عہ، کے ٹکٹ بھیج دیں تو میں ان کو طلب کردہ ٹکٹ روانہ کردوں گا۔ پتہ سمیع اللہ قریشی گردوارہ روڈ نئی دہلی۔

ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ میں بھی بہت دنوں سے ٹکٹ جمع کر رہا ہوں اس لئے میری پیامی بھائیوں سے برابر خط و کتابت ہوتی رہی۔ میں خود بھی برابر ٹکٹوں کا مبادلہ کرتا رہا۔ اور اس طرح سے ذاتی البم میں ٹکٹوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ میں جناب کا ممنون ہوں کہ اردو رسالے میں یہ ایک نئی بات کا اضافہ کرکے ہم پیامی بھائیوں کو آپس میں ایک دوسرے کو بہت نزدیک کر دیا۔ نیز ٹکٹوں کے سلسلے میں میں نے بعض سب سے بہتر پایا۔ ان کا نام بڑی خوشی سے لکھتا ہوں تاکہ دوسرے پیامی بھائی بھی ان سے خط و کتابت کرکے فائدہ اٹھائیں۔ میں پیامی بھائیوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ جناب سے ضرور ٹکٹوں کا مبادلہ کریں۔ انشاء اللہ خوش اور مطمئن ہوں گے ان کا پتہ یہ ہے۔ سید ذوالفقار علی صاحب معرفت امریکن کرسپونڈنس کالج، چاندنی چوک، کوچہ شوالہ۔ دہلی۔
نیازمند۔ سید ظہیر الدین بتوسط پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن



مہاوت تلاش کرو
مرزا جہاں قدر۔ قمر، چغتائی
بھوپال

بچوں کی کتابیں

بچوں کا رسالہ "پیام تعلیم" جس دفتر سے نکلتا ہے اس کا نام مکتبہ جامعہ ہے۔ مکتبہ جامعہ میں بچوں کی سب اچھی اچھی کتابیں ہر وقت بغرض فروخت موجود رہتی ہیں، قصے کہانیوں کی کتابیں، سفرنامے، نظمیں، ڈرامے غرض جو کتابیں بچوں کے لئے چھپتی ہیں ہم فوراً منگا لیتے ہیں اور سب شہروں اور سب مشہور لکھنے والوں کی تمام کتابیں اپنے یہاں جمع رکھتے ہیں تاکہ جب کبھی کسی ننھے بچے کو یا کسی سکول کے کتب خانے کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو فوراً "مکتبہ جامعہ" سے مل جائے۔ دلی، لاہور، لکھنؤ، الہ آباد، حیدرآباد وغیرہ شہروں میں بچوں کے لئے بڑی اچھی اچھی کتابیں چھپی ہیں۔ اگر ان سب مقامات سے علیحدہ علیحدہ پارسل منگائے جائیں تو کتابوں سے زیادہ پارسلوں پر خرچ ہو جاتا ہے اس لئے اب ہمیشہ یاد رکھئے کہ جب کسی کتاب کی ضرورت ہو ہم کو لکھئے۔ فرمائش بھیجنے سے پہلے ہماری فہرست بھی منگوا کر دیکھ لیجئے۔

کتابیں منگانے کا آسان طریقہ

کتابیں منگانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر آپکی فرمائش ایک روپے سے زیادہ کی ہے تو منی آرڈر سے رقم بھیج دیجئے یا وی پی منگوا لیجئے اگر آپ کوئی ایسی کتاب منگانا چاہیں جو ایک پیسہ سے کم دام کی ہے تو کتاب کی قیمت کے علاوہ دو ٹکٹ لفافے میں رکھ کر ہمارا پتہ بہت خوشخط لکھ کر ڈاک میں ڈالدیجئے۔ کتاب آپکو "ان رجسٹرڈ" پیکٹ سے بھیجدی جائے گی۔

کوئی کتاب ہماری فہرست میں درج نہ ہو اور وہ آپ منگوانا چاہیں تو دام نہ بھیجئے۔ یا تو وی پی منگوائیے یا دام بھیجنے سے پہلے خط لکھ کر دریافت کر لیجئے کہ ہم مہیا کر سکتے ہیں یا نہیں۔

سب کتابیں ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

قیمت سالانہ عہ/ — مع ضمیمہ

پیام تعلیم

دہلی

قیمت فی پرچہ ۳/

ایڈیٹر: محمد حسین حسان ندوی

جلد ۱۹ | فروری سنہ ۳۶ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی ۔ جامعہ پریس

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

مسلم راجپوت ہائی اسکول شیخوپور

سی پی ٹنگا پا سکندر آباد

تقی زدی احمد صاحبان سندیلہ

سکریٹری صاحب نردی فائڈ ایریا - امارکنڈ

ہیڈماسٹر صاحب کینٹ اے بی ٹی ہائی اسکول - میرٹھ

ہیڈ ماسٹر صاحب میونسپل ہائی اسکول گڈر وارا

ہیڈ ماسٹر صاحب اردو ٹریننگ انسٹیٹیوٹ بمبئی۔

ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول کریم نگر

منشی سید احمد قابو صاحب - بسین۔

بشیر احمد صاحب - فیروز پور شہر

ہیڈ ماسٹر صاحب اردو مڈل اسکول - ڈنگری

ایس احمد کنجو صاحب - کرناکٹم

ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول - ویلور

سکریٹری صاحب سیفی ریڈنگ روم - برہانپور

شفقت حسین صاحب - برہانپور

ہیڈ مسٹرس صاحبہ - اردو پرائمری اسکول میسور

پی عبد العزیز صاحب اودے پور

منیر احمد صاحب - اچھاوالپور

ہیڈ ماسٹر صاحب - بی، ایل ایم بی اے وی اسکول سہسوان

محمد مین صاحب تحسین صدیقی - بیتول۔

ایم احسن صاحب - دیانواں

ہیڈ ماسٹر صاحب مشن اسلامیہ ہائی اسکول - بدایوں

عبد اللطیف صاحب - تمسار

محمد مولا بخش صاحب - حیدر آباد دکن

محمد رمضان صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں

معین الدین صاحب - ردولی

احمد مرزا صاحب - سیف آباد

مسعود احمد صاحب انصاری - ملتان

علی محمد غنی صاحب - ناندیڑ۔

عبد الحمید ترین صاحب - شمالی وزیرستان

محمد انعام اللہ صاحب - ی، پی نج

سید فضل الرحمان صاحب - بنگلور۔

ہیڈ ماسٹر صاحب ڈگمبر جین ہائی اسکول میرٹھ

ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ اسکول جبل پور

حمیدہ سلطان صاحبہ - علی گڑھ

ہیڈ ماسٹر صاحب اسلامیہ اسکول - گنڑو فرار

علی احمد صاحب - موسلہ پور

سید شبیر حسین صاحب ہیڈ ماسٹر، ایم بی برانچ اسکول - دہلی

نائبہ زرین صاحبہ مسلم گرل کالج - علی گڑھ

بچّوں سے باتیں

پچھلے پرچے میں ہمارے منیجر صاحب نے اعلان کیا تھا کہ جو بچے سال گرہ نمبر سے پیام تعلیم کے خریدار ہونا چاہتے ہیں انھیں یہ نمبر مفت ملے گا۔ اور جو صرف سال گرہ نمبر منگانا چاہتے ہیں وہ ۸ ریبیج دیں بہت سے بچوں نے اس اعلان کا مطلب یہ سمجھا کہ سال گرہ نمبر سالانہ قیمت کے علاوہ گویا انعام میں ملے گا حالانکہ ان کا یہ مطلب یہ نہیں تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کے لئے بھی بڑی خوشی سے تیار تھے لیکن افسوس ہے کہ دفتر میں پرچے بالکل نہیں بچے ہیں اور قطعاً معذوری ہے اور جو صاحب خریدار بننا چاہتے ہیں وہ نئے سال یعنی جنوری سے خریدار بنیں۔

علاوہ اس کے بہت سے بچوں اور اخبارات کے ایجنٹوں نے بھی ہم سے پرچے منگائے تھے لیکن ہم نے اسی مجبوری کی وجہ سے بچوں کے ٹکٹ اور ایجنٹوں کی فرمائشیں واپس کر دیں۔ اب کوئی صاحب سال گرہ نمبر کے لئے فرمائشیں نہ بھیجیں۔

پیام تعلیم عموماً ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے مہینے کے دوسرے یا زیادہ سے زیادہ تیسرے ہفتے کے آخر میں پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع منیجر صاحب کو کر دینی چاہئے پرچہ بھیج دیا جائے گا ہر اخبار اور رسالے کا یہی قاعدہ ہے لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سال گرہ نمبر کے نہ پہنچنے کی شکایتیں اب تک دفتر میں آرہی ہیں۔ اور شکایتی خطوں کے لب و لہجے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ہمارا ہی قصور ہے حالانکہ ہم آج سے پورے تین مہینے پہلے۔ نہایت احتیاط کے کئی بار جانچ پڑتال کے بعد سب کے نام رسالہ روانہ کر چکے ہیں اب اگر کسی کے پاس نہ پہنچے تو یہ ہمارا قصور ہرگز نہیں ہے بلکہ ڈاک خانے والوں کی کوتاہی ہے جنھوں نے یا تو بیچ میں رسالہ ہضم کر لیا۔ یا لاپروائی سے کام لیا۔ تاہم اگر ہمیں وقت پر اطلاع مل جاتی تو ہم شکایت دور کرنے کی کوشش بھی کرتے اور اب جبکہ اتنی مدت گزر چکی ہے اور سال گرہ نمبر دفتر میں بالکل ختم ہو چکا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ایک اور ضروری بات یہ کہنا ہے کہ جو صاحب دو چار مہینے کے لئے اپنا پتہ بدلوانا چاہیں تو اپنا نمبر خریداری لکھ کر دفتر میں اطلاع دے دیں اُن کا پتہ بدل دیا جائے گا لیکن دو چار روز کے لئے باہر جانا ہو تو اپنے ڈاکخانے کو اطلاع دے دیں اس طرح وہ ہمیں اور خود اپنے آپ کو بہت سی دقتوں سے بچا لیں گے۔ اور انھیں ہم سے شکایت کا موقع بھی نہ ملے گا۔

بعض بچے اپنے لفافوں پر پورے ٹکٹ نہیں لگاتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے خط بیرنگ ہو جاتے ہیں۔ ایسے اکثر خط ہم وصول کر لیتے ہیں لیکن کبھی کبھی ہماری بے خبری میں دفتر والے ان خطوں کو واپس بھی کر دیتے ہیں۔ ایسے خط جب ان کے پاس واپس پہنچتے ہوں گے تو ضرور انھیں تکلیف ہوتی ہوگی۔ کیا اچھا ہو کہ وہ خط ڈاک میں ڈالنے سے پہلے اپنے بڑوں سے پوچھ لیا کریں کہ اس کا محصول کیا ہوگا اور جو وہ بتائیں اُس کے مطابق ٹکٹ لگا کر ہمارے پاس بھیجیں۔

ہم ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہر بچے کے خط کا جواب جلد سے جلد دیں لیکن کبھی کبھی زیادہ مصروفیت کی وجہ سے اس میں دیر بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے بچے یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے ان کے خط کو اہمیت نہیں دی یا اسے ردی سمجھ کر پھینک دیا ہے۔ ہم ان کے خط کا جواب ضرور دیں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ پیام تعلیم کے خریدار برابر بڑھ رہے ہیں ہم جناب وزارت حسین صاحب دہرہ دون۔ حضرت درد کاکوروی اورنگ آباد۔ حضرت محوی صدیقی مدراس، سید محمد ادیبا صاحب دہلی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ان سب حضرات نے پیام تعلیم کو خریدار بڑھانے کی خاص کوشش کی ہے اور آیندہ بھی ان سے بہت کچھ امیدیں ہیں۔

پچھلے سال گرہ نمبر میں رنگ بھرنے کی جو تصویر چھپی تھی اس میں صرف نو بچوں نے رنگ بھر کر بھیجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے بچوں کو اس رسالے کا ایک ورق بھی علیحدہ کرنا گوارا نہیں ہے ورنہ تصویر ایسی دلچسپ تھی کہ اس انعامی مقابلے میں وہ ضرور حصہ لیتے۔ بہر حال ان بچوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبد الغفور درجہ چہارم میسور (۲) سید محمد اختر الزماں درجہ ششم حیدری ضلع میدک (۳) عزیز احمد ارکوی درجہ ہفتم ضلع گیا (۴) مس جمیلہ عبد اللہ درجہ ہشتم لاہور (۵) یوسف علی خاں اسعد درجہ ہشتم پربھنی (۶) فیروز سوراب درجہ ششم حیدرآباد دکن (۷) محمد ادریس درجہ چہارم کلکتہ (۸) الطاف حسن لدھیانہ (۹) محمد نواز خاں درجہ چہارم حیدرآباد دکن ان میں عبد الغفور (میسور) اول سید محمد اختر الزماں دوم اور عزیز احمد صاحب ارکوی سوم آئے ہیں عبد الغفور اور اختر الزماں کی تصویروں میں بہت کم فرق تھا اس لئے انعام دونوں کو اول ہی کا دیا جائے گا۔

تصویروں کا انتخاب ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ جناب سید محمد ادیبا صاحب نے کیا ہے آپ نے صرف اتنی ہی تکلیف نہیں فرمائی بلکہ جو بچے اس مقابلے میں ناکام ہوئے ان کی ناکامی کی وجہ بھی بتائی ہے۔ ہم ادیبا صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ان کی یہ تحریر ہر بچے یا اس کے ہیڈ ماسٹر کے پاس بھیج دی جائے گی تاکہ آیندہ وہ ان باتوں کا لحاظ رکھے اور رنگ بھرنے میں احتیاط سے کام لے۔

اس پرچے کے ساتھ ہم چار مغلوں کی تصویروں کا ایک ضمیمہ بھی شائع کر رہے ہیں اگر پیام تعلیم کے خریداروں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اور بچوں نے ان تصویروں کے بنانے میں دلچسپی کا ثبوت دیا تو ہم دوسرے تیسرے یا ہر مہینے اس قسم کا ضمیمہ شائع کرتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت نظام دکن

محمد معظم صاحب جیراجپوری

اگر سوال کیا جائے کہ ہندوستان میں اس زمانے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا محسن کون ہے تو یقیناً سب لوگ یہی جواب دیں گے کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر آصف جاہ ہفتم نظام دکن خلد اللہ ملکہ۔ اس لئے کہ ان کے عہد میں حیدرآباد میں نہ صرف علمی بلکہ انتظامی، فوجی، اقتصادی اور زرعی ترقیوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اور ان کی فیاضیوں کی بدولت ہندوستان کے ہر گوشے میں علمی اور ادبی تحریکوں میں جان پڑ گئی ہے۔ انھوں نے جامعہ عثمانیہ قائم کرکے جس میں ذریعۂ تعلیم اُردو ہے اس زبان کا وقار بڑھا دیا ہے۔ اور دارالترجمہ کی بدولت اس کو علوم و فنون سے مالا مال کر دیا ہے۔ ان کی اس علمی سرپرستی کی وجہ سے ہر علم کے طالب پر ان کا شکریہ واجب ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسے نامور مربی علوم بادشاہ کے مختصر حالات اپنے پیام بھائیوں کو سنا دیں تاکہ ان کے دلوں میں اپنے محسن کی یاد قائم رہے۔

اعلیٰ حضرت کی ولادت ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۵ اپریل ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد تعلیم شروع ہوئی۔ مولوی انوار اللہ صاحب جو بہت زبردست عالم تھے دینیات اور عربی کی اور نواب عمادالملک اُردو کی تعلیم دینے تھے۔ آغا سید علی شوستری نے فارسی پڑھائی اور مسٹر ایجرٹن نے انگریزی۔ ان اُستادوں کی تعلیم سے اعلیٰ حضرت نے چاروں زبانوں پر عبور حاصل کرلیا۔ آپ کو ڈرائنگ یعنی مصوری سے خاص ذوق ہے اور اس میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔

فوجی تعلیم نواب افسرالملک بہادر سپہ سالار افواج آصفیہ کی اتالیقی میں حاصل کی۔ شہسواری، نشانہ اندازی اور دوسرے سپہ گری کے فنون میں کمال پیدا کیا۔ اس کے بعد اپنے والد بزرگوار غفران مآب میر محبوب علی خاں کے زیر تربیت جہانبانی اور حکمرانی کے تجربے حاصل کئے۔ ان کے انتقال کے بعد ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو ستائیس سال کی عمر میں تخت حکومت پر بیٹھے۔ اس وقت سے آج تک ۲۵ سال ہوگئے ہیں اب آپکی سلور جبلی کا جشن منانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس عہد زریں مہد میں حیدرآباد ریاست نے آپکے زیر سایہ ہر شعبہ میں ترقی کی ہے اور کر رہی ہے۔

۱۳۲۵ھ میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شاہزادے۔ شہزادہ نواب میر حمایت علی خاں بہادر (میجر جنرل حضرت والاشان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد) اور شہزادہ نواب میر شجاعت علی خاں بہادر (حضرت والاشان کرنل نواب معظم جاہ بہادر) پیدا ہوئے۔ ان دونوں شاہزادوں نے خود اعلیٰ حضرت کی نگرانی میں نہایت ممتاز استادوں سے اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی تعلیم حاصل کی

اور فنون سپہ گری میں بھی مہارت پیدا کی۔ چنانچہ نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد سال گذشتہ سے افواج آصفیہ کی سپہ سالاری کے جلیل القدر عہدے کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ اور نواب معظم جاہ بہادر مجلس آرائش بلدیہ کے صدر ہیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو سفر یورپ میں ان دونوں شہزادگان والا تبار کا عقد ترکی عثمانی شاہی خاندان میں ہوا۔ سابق خلیفۃ المسلمین عبدالمجید خاں سلطان ترکی جو فرانس کے شہر نیس میں سکونت پذیر ہیں ان کی اکلوتی شاہزادی درشہوار سے نواب ولی عہد بہادر اعظم جاہ کی شادی ہوئی۔ اور سلطان موصوف کی حقیقی بھانجی شہزادی نیلوفر سے جو سلطان مراد کی نواسی ہیں نواب معظم جاہ بہادر کی۔

نواب ولی عہد بہادر کے شگوفے نکلے ہیں۔ ۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو شہزادہ نواب میر برکت علی خاں متولد ہوئے جن کو نواب مکرم جاہ بہادر کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کے نانا خلیفہ عبدالمجید ان کو اپنے نام سے "مجیدی بادشاہ" کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت باوجود اس کے کہ ہندوستان کے سب سے بڑے والی ملک اور دنیا کے ممتاز ترین دولت مندوں میں ہیں مگر اپنی زندگی نہایت سادہ رکھتے ہیں۔ سپاہیانہ اور درویشانہ۔ سوائے صفائی کے فضول آرائشات اور تکلفات کو پسند نہیں فرماتے۔

چونکہ آپ کا نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے جو سلسلۂ سہروردیہ کے بانی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ یہ درویشانہ صفت اسی شجرۂ عالیہ کا ثمر ہو۔

اگر ہندوستان کے دوسرے مسلمان امرا بھی اعلیٰ حضرت کی تقلید کریں اور اسراف اور فضول خرچیوں کو چھوڑ کر سادہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالیں تو وہ بہت کچھ اسلام کی خدمت اور اپنے غریب بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

باوجود سلطنت کے مشاغل کے اعلیٰ حضرت ادب سے بہت ذوق رکھتے ہیں۔ اور اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بلند پایہ اشعار لکھتے ہیں۔ اردو کی ایک غزل جو اعلیٰ حضرت نے اپنی سالگرہ کے موقع پر لکھی تھی اور جو دکن کا قومی ترانہ ہے نمونتاً ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

تا ابد خالق عالم یہ ریاست رکھے ؎ تجکو عثمان بصد اجلال سلامت رکھے
جیسے تو فخر سلاطیں ہے بفضل یزداں ؎ یوں ہی ممتاز ترا دور حکومت رکھے
آل و اولاد کو اللہ دے عمر خضری ؎ ان سے آباد ترا خانۂ دولت رکھے
جود حاتم رہے شرمندۂ احسان تیرا ؎ عدل کسریٰ کو خجل تیری عدالت رکھے
خندہ زن صورت گل تیرے ہواخواہ رہیں ؎ آکے قدموں پہ عدو فرق اطاعت رکھے
سب رعایا کو تری سالگرہ کی تقریب ؎ با نشاط و طرب و عیش و مسرت رکھے

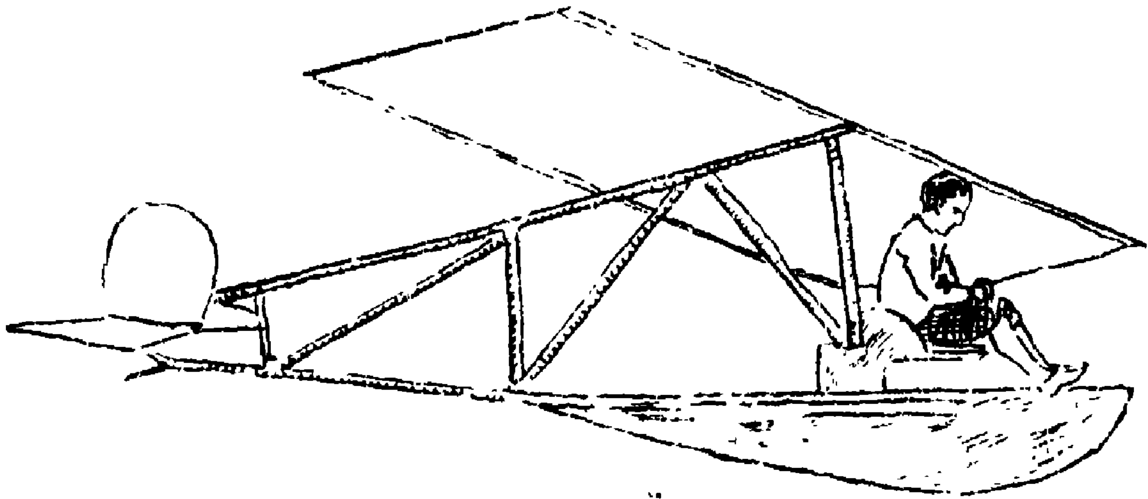
بن کے ساقی ترا اقبال نظام سابع
تجکو صہباکش خم خانۂ عشرت رکھے

گلائڈر

(از جناب سید محمد اُدیا صاحب علیگ، مصور)

تم نے یہ عجیب و غریب نام پہلے کبھی کاہے کو سُنا ہوگا آؤ آج ہم تمھیں اس کا تھوڑا سا حال بتائیں۔

پڑتا ہے۔ اس لئے جرمنی پر بھی بہت سی پابندیاں لگائی گئیں، ان میں سے ایک پابندی یہ تھی کہ جرمنی آیندہ سے



پہلے گلائڈر اس طرح کا بنایا جاتا تھا اب اس میں بہت تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔

گلائڈر ایک طرح کا ہوائی جہاز ہوتا ہے، بس اتنا نرق ہے کہ ہوائی جہاز میں انجن ہوتا ہے اس میں نہیں ہوتا۔

تم نے چیلوں کو بہت دیر تک بغیر پر ہلائے ادھر سے اُدھر منڈلاتے دیکھا ہوگا۔ بس گلائڈر بھی اسی طرح اُڑتا ہے۔

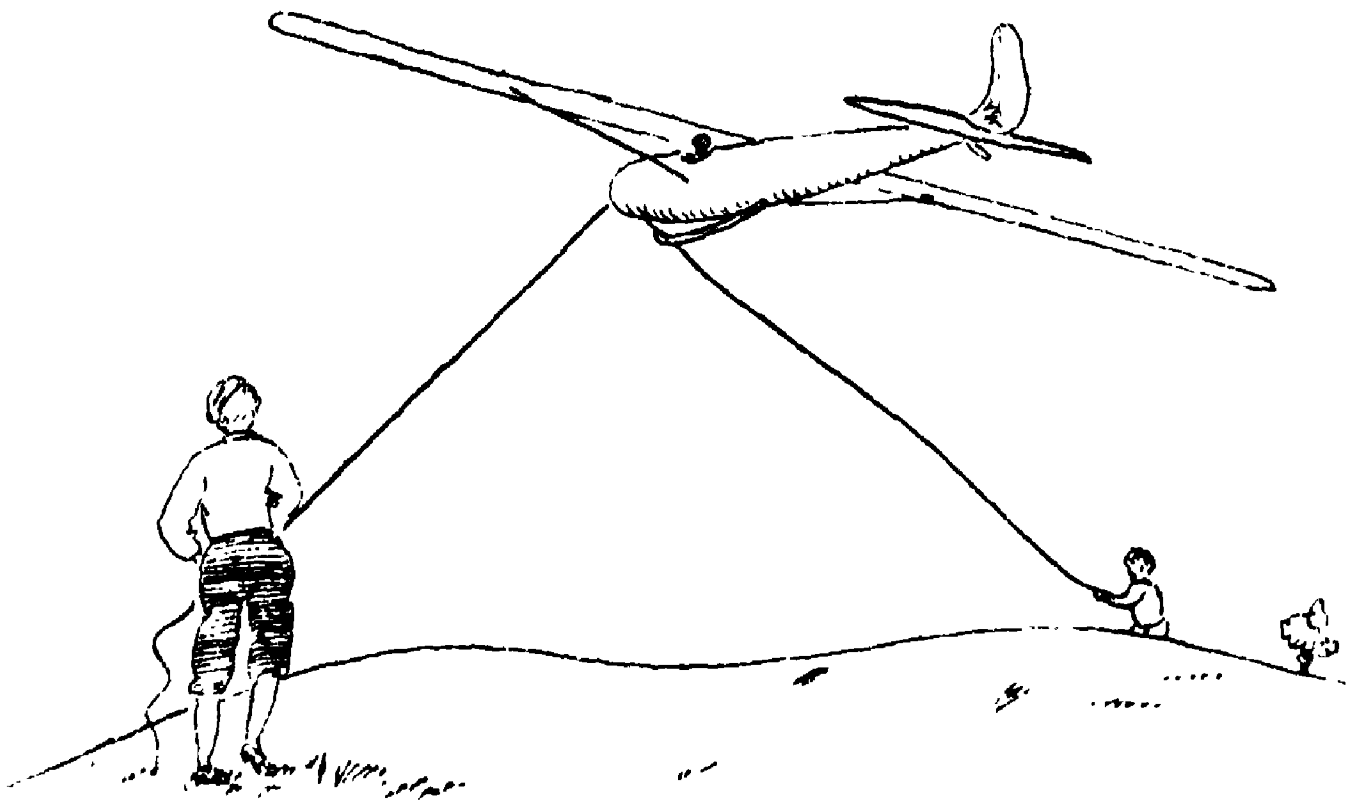
تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک بہت بڑی لڑائی دنیا میں ہوئی تھی، اس لڑائی میں جرمنی کو شکست ہوئی تھی تم جانو جب کوئی ہار جاتا ہے تو اُسے ہر ہر بات میں دبنا

ہوائی جہاز کے انجن نہ بنائے، مرتا کیا نہ کرتا یہ بات انھیں ماننا پڑی اس وقت جرمنی کے بعض ہوا بازوں نے سوچا کہ کوئی ایسی ترکیب کیوں نہ کی جائے کہ بغیر انجن کے ہوائی جہاز اُڑ سکیں۔ اس تجربے میں وہ بہت جلد کامیاب ہوگئے۔ اور اس طرح کے ہوائی جہاز کا نام گلائڈر رکھا گیا۔ اب یورپ اور امریکہ میں گلائڈر کا رواج دن پر دن بڑھ رہا ہے، شروع شروع میں اس میں صرف ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا تھا لیکن ابھی روس میں ایک گلائڈر

بنایا گیا ہے اس میں اٹھارہ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔

تمھیں پتنگ اُڑانے کا شوق ہے؟ نہیں ہے تو دوسروں کو تو اُڑاتے ضرور دیکھا ہوگا۔ پتنگ اُڑاتے وقت ایک لڑکا دور جاکر پتنگ چھوڑتا ہے اور دوسرا ڈور کو جھٹکے دے کر اُسے اوپر اُٹھاتا ہے۔ زیادہ وقت

پھینکتے ہیں جیسے غلیل سے غلہ۔ ربڑ کی لمبی رسی سے غلیل کا کام لیتے ہیں۔ جب یہ چیل کی طرح ہوا میں تیزی سے لگتا ہے تو اُس میں بیٹھنے والا اسے جدھر چاہے پھیر سکتا ہے اور دیر تک ہوا میں رہ سکتا ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ ایک لمبی سی رسی کا ایک سرا اس کے منہ پر باندھتے



پتنگ کو اونچا کرنے میں ہوتی ہے۔ گلائڈر کو بھی ہوا میں اُڑانے کی اسی طرح کی مختلف ترکیبیں ہیں ایک تو یہ کہ

ہیں اور دوسرا سرا موٹر میں اور موٹر کو تیزی سے چلاتے ہیں یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں گلائڈر زمین



گلائڈر کو کسی قدر اونچی پہاڑی سے اس طرح ہوا میں

سے اُٹھ جاتا ہے اور ہوا میں آجاتا ہے۔

روس میں ہوائی جہازوں کا رواج بہت بڑھ رہا ہے اور اب تو مال بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ اکثر گلائڈر ہی پر بھیجا جاتا ہے۔ کرتے یہ ہیں کہ ریل کے ڈبوں کی طرح دو تین گلائڈر ہوائی جہاز کے پیچھے باندھ دیتے ہیں اور یہ آسانی سے ہوائی جہاز کے پیچھے پیچھے اُڑتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ابھی روس میں ایک ہوائی جہاز نے جس کے پیچھے تین گلائڈر لگے تھے۔ ایک ہزار میل سفر کیا۔ اور تمھیں یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ اس میں ہوا باز یا پائی لٹ (PILOT) مرد کوئی بھی نہ تھا سب عورتیں ہی تھیں۔

اگلے مہینے میں انشاء اللہ ہم تمھیں گلائڈر کا نمونہ بنانے کی ترکیب بھی بتائیں گے۔

اب کی فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوگا،

اس سال فروری کے مہینے میں ۲۸، کی جگہ ۲۹ دن ہوں گے، ہر چوتھے سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہی ہوتا ہے۔ اسے اردو میں کبیسہ اور انگریزی میں لیپ ایر (LEAP YEAR) کہتے ہیں۔ تمھارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر یہ ہر چوتھے سال فروری میں ایک دن کیوں بڑھ جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ زمین ۳۶۵ ¼ دن میں سورج کے گرد چکر کاٹتی ہے اسے ہم نجوم کے اعتبار سے سال کہتے ہیں چونکہ ہم تین سال تک حساب کسی طرح نہیں کرسکتے۔ اس لئے چوتھے سال وہ پورا دن ہوجاتا ہے اور فروری میں ایک دن زیادہ کردیا جاتا ہے اور اس طرح زمین کی گردش (یعنی سال) کا حساب پورا ہوجاتا ہے۔

لیکن اس ایک دن کا بڑھ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کاروبار میں اس سے بہت اثر پڑتا ہے۔ مثلاً مزدوروں کو ایک دن کی اجرت زیادہ ملے گی۔ اور جو بے چارے دفتر میں کام کرتے ہیں انھیں ایک دن زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ جن لوگوں کے پاس ریل کا واپسی کا ٹکٹ ہے وہ ایک دن زیادہ سفر کرسکتے ہیں۔ اسی طرح کرایہ مکان میں ایک دن کا کرایہ بچ رہتا ہے

ایک اور دلچسپ بات یہ کہ جو کوئی ۲۹، فروری کو پیدا ہوگا اس کی سالگرہ ہر چوتھے سال ۲۹، ہی فروری کو ہوا کرے گی اس مرتبہ چونکہ ۲۹، تاریخ ہفتے کے روز ہے اس لئے یہ مہینہ گویا پانچ ہفتوں کا ہوگا۔ عام طور پر ہر مہینے میں چار ہی ہفتے یا سنیچر پڑتے ہیں

محمد انور خاں صاحب گڑیاتم، مدراس،

ؔ یعنی ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے

رضیہ

(از جناب سید غلام زین العابدین صاحب غازی۔ مارس کالج ناگپور سی، پی)

صبح جوں ہی میں نے کتابوں کی الماری کھولی رضیہ آموجود ہوئی۔ سلام کر کے اس انداز سے کھڑی ہوگئی گویا کسی چیز کی مجھ سے طلب گار ہے اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے چاکلیٹ کا خیال آگیا۔ مگر بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ ختم ہو چلے تھے۔ میری عادت ہے کہ روزانہ صبح کو میں اسے چاکلٹ دیا کرتا ہوں۔ جب وہ میرے کمرے میں آتی۔ میں نے اسے گود میں اٹھالیا اور پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "رضیہ آج ہمارے پاس چاکلٹ نہیں ہیں کل ضرور دیں گے" بس وہ بگڑ بیٹھی۔ لاکھ سمجھایا لیکن نہ سمجھی اور روتی ہوئی اندر چلی گئی۔

میں نے کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کیا ابھی ایک بھی ورق ختم نہ ہوا تھا کہ پھر آدھمکی۔ عمر تو بہت کم ہے لیکن ماشاءاللہ باتیں خوب کرتی ہے۔ آتے ہی لکچر شروع کر دیا۔ "بڑے ماموں بنے کہیں کے۔ لو میں آج سے آپ کو ماموں بھی نہیں کہوں گی۔ کل بھی چاکلٹ نہیں دی اور آج بھی" تھوڑی دیر خاموش رہی اور کہنے لگی" اچھا ماموں جان! کل لاؤ گے نا! ضرور لانا۔ بھولنا نہیں۔ مگر تینوں دن کا حصہ دے دینا" اس کے آخیر فقرے پر مجھے بہت ہنسی آئی۔ میں نے کہا "بہت اچھا رضیہ" "اور ہاں ایک کا فورکا بچہ بھی لانا اور ایک موٹر بھی لا دینا۔ ماموں"۔ میں نے کہا "گھبراؤ نہیں رضیہ۔ سب لاؤں گا۔ اب تم جاؤ اور کھیلو" "نہیں میں تو نہیں جاؤں گی۔ آپ نے اس روز کہانی سنانے کو کہا تھا۔ اب سنادو" میں نے کہا "رضیہ اس وقت تو تم جاؤ اور مجھے پڑھنے دو۔ رات کو بہت اچھی کہانی سناؤں گا۔ ایسی کہ تم بھی تعریف کرنے لگو" "نہیں میں تو نہیں جاؤں گی" اپنی ضد پر اڑی رہی۔ مجبوراً میں نے کہا لو سنو!

بہت دن ہوئے اس محلے میں ایک لڑکی رہتی تھی اس کا نام رضیہ تھا۔ عمر تو اس کی بہت کم تھی لیکن باتیں بہت کرتی تھی۔ اتنی کہ تمام گھر اس سے پریشان تھا۔ رضیہ "کیا مجھ سے بھی زیادہ" "ہاں" بہت زیادہ مگر ہاں اس میں ایک نئی بات تھی۔ وہ کھانا کھاتی اور پانی پیتی تھی" اس پر رضیہ بہت ہنسی۔ دن بھر کھیلتی

ور رات بھر سوتی تھی ۔ اس کے بھی ایک ماموں تھے جو اسے روز چاکلیٹ دیا کرتے تھے ۔لیکن جب وہ کہتے رضیہ جاؤ" تو وہ فوراً چلی جاتی ،بس اب تم بھی جاؤ ۔"

"رضیہ اوں ،اوں ، اوں ، اوں یہ تو میں ہی ہوں یہ سب کام تو میں بھی کرتی ہوں روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی اچھی کہانی سناؤ ۔ ورنہ .... یہ کہا اور دونوں ہاتھوں سے میری کتاب پکڑ لی ۔ گویا پھاڑ ناہی چاہتی ہے ۔میں نے فوراً کہانی شروع کر دی ۔ اس نے کتاب چھوڑ دی ۔ اور بغور سننے لگی

کسی زمانے میں ایک شخص رہتا تھا اس کے پاس ایک گھوڑے کا بچہ تھا ۔جس سے وہ بہت زیادہ محبت کرتا تھا ۔جوں جوں وہ بچہ بڑا ہوتا گیا اس کی محبت پختہ ہوتی گئی ایک رات گھوڑا اصطبل سے بھاگ گیا آدمی کو اس کے گم ہوجانے کا بہت صدمہ ہوا ۔ اور وہ گھر سے یہ کہہ کر نکلا " اے خدا ! اگر گھوڑا مجھے مل جائے تو تیری قسم کھا کر کہتا ہوں اسے ایک روپے میں بیچ ڈالوں" رضیہ "ماموں جان کیوں ؟" ۔ میں ۔" نہ معلوم رضیہ اس سے اس کا کیا مقصد تھا ۔ بے چارہ دن بھر بھوکا پیاسا گھوڑے کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتا رہا ۔ آخرکار بڑی مشکل سے اسے ایک تالاب کے کنارے پایا اور خوشی خوشی لے کر گھر پہنچا ۔ مگر جوں ہی قسم کا خیال آیا سب خوشی ختم ہوگئی ۔ غریب بڑی مشکل میں تھا اس گھوڑے کو جسے اس نے بچے کی طرح پالا تھا اور اب اتنی تکلیف کے بعد پایا ۔بیچنا نہیں چاہتا تھا اور وہ بھی صرف ایک روپے میں ۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی قسم بھی پوری کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ خدا کے سامنے جھوٹا نہ ہو ۔ اسی خیال میں اس نے رات گذاری ۔

صبح ہوتے ہی وہ خوشی خوشی گھوڑا لے کر بازار پہنچا ۔لیکن گھوڑے کی گردن سے کوئی چیز کپڑے سے بندھی ہوئی تھی اور بلند آواز سے کہنے لگا ۔ "اس گھوڑے کی قیمت ایک روپیہ" تھوڑی دیر میں اس کے گرد اچھا خاصہ مجمع ہوگیا ۔ لوگ حیران تھے کہ ایسا اچھا گھوڑا ایک روپیہ میں کیسے بیچ رہا ہے ۔ پہلے تو خیال کیا شاید پاگل ہو ۔ پھر سوچا کہ شاید گھوڑے میں کوئی زبردست عیب ہو ۔ ہر عضو کو بغور دیکھا لیکن کوئی عیب نہ پایا جب گردن سے کپڑا ہٹایا گیا تو ایک بلی کا بچہ بندھا ہوا تھا اسے دیکھ کر لوگوں کو کچھ تعجب سا ہوا ، اور وجہ پوچھنے لگے ۔قبل اس کے کہ وہ جواب دے ایک شخص نے اس کے ہاتھ میں روپیہ رکھ دیا اور گھوڑے کی لگام پکڑ لی ۔ اس نے کہا جناب گھوڑے کی قیمت تو واقعی ایک روپیہ ہے ۔لیکن اس بلی کے بچے کی قیمت ۱۰۰ روپے ہیں اور شرط یہ ہے کہ دونوں ایک ساتھ ہی بیچے جائیں ۔ ایک سو ایک روپیہ لائیے اور گھوڑا لے جائیے ۔ لوگوں نے کہا اس بچے میں کون سی ایسی خوبی ہے کہ اس کی قیمت سو روپے ہیں ۔ اس نے کہا ۔ جناب عالی اس گھوڑے میں کون سا ایسا عیب ہے کہ اس کی قیمت ایک روپیہ رکھی جائے ۔

بس گاہک ایک طرف اور یہ حضرت گھوڑے سمیت ایک طرف چلتے بنے اور خوش و خرم گھر پہنچ گئے ، قسم بھی پوری ہوگئی اور گھوڑا بھی جدا

نہ ہوا ۔

رضیہ :- واہ ماموں جان کہانی تو بہت اچھی ہے کل بھی ایسی کہانی سنانا ۔

میں :- ہاں مگر پھر چاکلٹ نہیں ملیں گے، چاکلٹ لے لو ۔ یا پھر کہانی سن لو ۔

رضیہ :- اوں ہوں ، مجھے تو چاکلٹ ہی چاہئے کہانی مت سنانا

"ہاں رضیہ اب جاؤ"۔ بہت اچھا ماموں جان ۔ لیکن کل چاکلٹ ضرور لانا ۔

آداب عرض

لطیفے

دو دوست ٹیلیفون پر باتیں کر رہے تھے

فضل :- آپ کون ہیں ؟

حامد :- ہم پٹھان ہیں ۔

فضل :- آپ کہاں سے بولتے ہیں ؟

حامد :- منہ سے ۔

فضل : آپ کون صاحب ہیں ؟

حامد :- ہم صاحب نہیں مسلمان آدمی ہیں ۔

ایک چچا صاحب اپنے بھتیجے کو کرامات اور شعبدے کے معنی بتا رہے تھے ۔ اچھی طرح سمجھانے کے بعد انھوں نے امتحاناً پوچھا ۔ ہاں میاں اسلم ایک شخص بہت اونچی عمارت سے کودے اور نیچے ہو پتھر کا فرش اور وہ زمین پر گرنے کے بعد سلامت رہے تو تم اسے کیا کہو گے ۔

اسلم :- "شعبدہ"

چچا :- "لیکن فرض کرو وہ دوبارہ یہی کرے"

اسلم :- "اب بھی شعبدہ"

چچا :- "اور اگر وہ تیسری بار یہی کرے"

اسلم :- "عادت"



از جناب مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی مصنف سرکار کا دربار وغیرہ :-

حیدرآباد، دکن، ہمارے دیس کی سب سے بڑی، شان دار اور نامی گرامی ریاست ہے۔ جس کا رقبہ (۸۲) ہزار مربع میل، آبادی کوئی ڈیڑھ کروڑ اور آمدنی کا اندازہ (۸) کروڑ کا ہے۔

بلدۂ حیدرآباد، ریاست کی راج دھانی ہے جہاں دکن کے موجودہ بادشاہ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نظام الملک آصف جاہ ہفتم میر محمد عثمان علی خاں بہادر رہتے ہیں۔ خدا اُن کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے اور اُن کی نیک نام اولاد کی عمر و اقبال میں ترقی ہو۔

اب جو اعلیٰ حضرت کی مبارک جوبلی کا مبارک جشن منایا جا رہا ہے اور ہمارے دیس میں جگہ جگہ اس کا چرچا ہے تو ہم تمھاری معلومات کے لئے حیدرآباد کا مختصر حال بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اب سے پچیس برس پہلے یعنی ۸۔ رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۹۔ اگست ۱۹۱۱ء کو دکن کی راج گدی کے مالک و مختار ہوئے اور تب ہی سے حیدرآباد کی قسمت ایسی جاگی کہ آج بڑوں بڑوں کی نظریں حیدرآباد پر پڑتی ہیں۔

خدا نظرِ بد سے بچائے حیدرآباد اس زمانے میں جیسی شان دار ترقی کر رہا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت جلد وہ دنیا کے سب سے زیادہ خوب صورت اور شان دار شہروں میں گنا جائے گا۔

موسیٰ ندی کے سیلاب نے بلدۂ حیدرآباد کو جس طرح تباہ کیا اسے دیکھ دیکھ کے اعلیٰ حضرت دل ہی دل میں کڑھا کرتے اور جب آپ تخت پر بیٹھے تو سب سے پہلے آپ نے شہر کے سدھارنے اور اُسے گلزار بنانے کی ٹھانی۔

موسیٰ ندی کے سیلاب کی روک تھام کے لئے یہ طے پایا تھا کہ ندی کی دونوں شاخوں پر پانی کے دو خزانے ایسے بنا دیئے جائیں جہاں پانی روک دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے سب سے پہلے اس جانب توجہ کی، حمایت ساگر اور عثمان ساگر ناموں سے دو بہت بڑے بڑے تالاب تیار ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کی تیاری پر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ یہ تالاب اتنے بڑے بڑے ہیں کہ دور تک نظر ڈالو تو اور چھور نہیں ملتا، پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور خشکی کا نشان نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں۔ پانی کی روک کے لئے ایسے زبردست اور عالی شان بند باندھے گئے ہیں کہ نئی

انجینیری کے کرشمے معلوم ہوتے ہیں۔ باہر کے لوگ جب حیدرآباد کی نئی پرانی عمارتیں اور عجیب عجیب چیزیں دیکھتے ہیں تو ان تالابوں کو بھی دیکھنے جاتے ہیں، اور ان شاندار کاموں کو دیکھ دیکھ کے دانتوں تلے انگلی دباتے ہیں

خاص موسی ندی پر اتر جانب پل کی دونوں طرف چھوٹے چھوٹے چمن بنائے گئے ہیں جو دور تک چلے گئے ہیں۔ وہ شہر بھر میں بہت ہی دلچسپ تفریح گاہیں ہیں۔ پل پر سے دیکھو تو ان چمنوں کا سلسلہ ایسا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے بس وہیں سے کود پڑو۔

اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ایک محکمہ آرائش بلدہ کے نام سے قائم ہے۔ اس محکمے نے شہر کی رونق اور شان بڑھانے میں وہ زبردست کام کیا ہے کہ جواب نہیں۔ تمام شہر میں ڈرینج کا انتظام ہے اور گندا پانی زمین کے اندر اندر نلوں کے ذریعہ سے نکل جاتا ہے جس سے آب و ہوا خراب ہونے کا اندیشہ نہیں۔

اسی محکمے نے بے کار پڑی ہوئی زمینوں پر بہت خوشنما مکان ہزاروں سے اوپر بنوا دئیے ہیں۔ ان نئے محلوں کی آب و ہوا بھی بہت اچھی رہتی ہے۔ یہ عموماً چھوٹی چھوٹی تنخواہ والے سرکاری ملازموں کو دئیے جاتے ہیں مگر آب و ہوا کی صفائی کو دیکھتے ہوئے پرانے شہر کے لوگ بھی کوشش کر کے یہ مکانات حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ ایسا کام ہے کہ سب کے دل سے اعلیٰ حضرت کے لئے دعا نکلتی ہے۔

آرائش بلدیہ کا ایک کام بہت شاندار ہے کہ چارمینار سے افضل گنج کے پل تک سڑک کی دونوں طرف بڑی عالی شان دو منزلی عمارتیں بہت تیزی سے بن رہی ہیں یہ سلسلہ نواب سالار جنگ بہادر کی ڈیوڑھی تک پہنچ گیا ہے۔ ان عمارتوں میں بہت اونچی اونچی دکانیں، کارخانے اور ہوٹل کھل گئے ہیں اور اس طرح بازار کی رونق اور شان اتنی بڑھ گئی ہے کہ بس دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے مبارک زمانے میں زیادہ تر بس عام رعایا کے فائدے یا شہر کی رونق کے لئے بہت سی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جن پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوا۔ افضل گنج کے مشہور پل کے قریب پچھم کی طرف موسیٰ ندی کے دونوں کناروں یعنی دکھن جانب عدالت عالیہ اور اتر جانب دواخانہ عثمانیہ کی وہ زبردست اور شاندار عمارتیں کھڑی ہیں جن کے دیکھنے سے اعلیٰ حضرت کے خیالات کی بلندی کا پتہ چلتا ہے۔ عدالت عالیہ پر (۲۲) لاکھ اور دواخانہ کی عمارت پر (۲۵) لاکھ روپے صرف ہوئے۔ عدالت عالیہ کے پاس ہی سٹی کالج کی شاندار عمارت پر نو لاکھ سے اوپر خرچ ہوا۔ پل سے پورب کی طرف اور ندی کی اتر جانب کتب خانہ آصفیہ کے لئے ۱۰-۱۲ لاکھ کی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔

باغ عام میں دو تین عمارتیں اپنی خوبصورتی اور شان میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ٹاؤن ہال بہت عالی شان عمارت ہے اور دوسری میں آثار قدیمہ کا دفتر وغیرہ ہے جہاں بہت سی عجیب چیزیں دور دور سے اکٹھا کر کے بہت سلیقے سے رکھی گئی ہیں۔ تیسری عمارت "خانہ خدا" نامی مسجد کی ہے، جب سے یہ مسجد بنی ہے اعلیٰ حضرت جمعہ

کی نماز اکثر یہیں ادا کرتے ہیں۔ باہر کے لوگ جو اعلیٰ حضرت کو قریب سے دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی جمعہ کی نماز اسی مسجد میں پڑھنے جاتے ہیں اور اس طرح وہاں خاصا مجمع ہو جاتا ہے۔ یہ مسجد بہت ہی خوب صورت ہے کہ پہروں تماشا دیکھا کرو اور جی نہ بھرے۔

یوں تو چھوٹے بڑے بیسیوں محکمے قائم ہیں اور اُن سب سے رعایا کو طرح طرح کے فائدے پہنچتے ہیں مگر سبھی حیدرآباد کے دو محکمے ہیں بہت بھاتے ہیں۔ ایک محکمۂ طبابت اور دوسرا محکمۂ تعلیمات۔

تمام ریاست میں جگہ جگہ اچھے اچھے شفاخانے کھلے ہوئے ہیں جہاں لائق لائق ڈاکٹر اور حکیم رکھے گئے ہیں۔ خاص راج دھانی میں عثمانیہ دوا خانے میں جرحی اور بجلی کے ذریعہ علاج ہوتا ہے اور لاکھوں روپے کے آلات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں عورتوں کے علاج کا بھی بہت اچھا انتظام ہے۔

حیدرآباد میں وبائی امراض کا بہت زور رہتا ہے، اس کی روک تھام کے لئے لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور طرح طرح سے آب و ہوا کی صفائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ چیچک کے مریضوں کے لئے شہر سے باہر ایک علیحدہ اور بہت بڑا ہسپتال ہے۔

محکمۂ تعلیمات کا سالانہ خرچ ڈیڑھ کرور ہے۔

حیدرآباد پر اعلیٰ حضرت کا یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کا مقابلہ خود انگریزی حکومت نہیں کر سکتی یعنی ۲۳ کرور انگریزی رعایا کے لئے ہماری سرکار بس (۷) کرور خرچ کرتی ہے اور اعلیٰ حضرت کی سرکار اپنی ایک کرور رعایا کی تعلیم کے لئے ڈیڑھ کرور خوشی خوشی خرچ کرتی ہے۔

دیکھو بھئی اور تو سب کام اپنی اپنی جگہ ہی ہیں مگر تعلیم کے سلسلے میں سب سے بڑھ کے جو کام اعلیٰ حضرت نے کیا ہے اُس کا تو جواب ہی نہیں وہ کام اُردو یونی ورسٹی کا قیام ہے۔ تم شاید اردو یونی ورسٹی نہ سمجھے ہو، اس یونی ورسٹی میں ایم اے بلکہ اس سے بھی بڑھ کے اونچے درجوں کی تعلیم کا انتظام ہے اور دنیا کا ہر علم ہماری پیاری زبان اُردو میں سکھایا پڑھایا جاتا ہے۔ اِس یونیورسٹی کا نام اعلیٰ حضرت کے مبارک نام پر عثمانیہ یونی ورسٹی رکھا گیا ہے۔

اس یونی ورسٹی کے سلسلے میں ایک محکمۂ تالیف و ترجمہ قائم ہے جس میں بڑے بڑے عالم فاضل کام کرتے ہیں اور دنیا بھر کی زبانوں کی اچھی اچھی کتابیں اُردو میں ترجمہ کر رہے ہیں اور وہ کتابیں سرکاری چھاپہ خانے میں بہت خوب صورتی سے چھپ چھپ کے آتی ہیں اور آج اُن سے بڑے بڑے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اسی سے ہماری زبان اُردو، اب ہندوستان کی ہر زبان سے زیادہ شان دار بنتی جاتی ہے۔

عثمانیہ یونی ورسٹی کی عمارت کے لئے ایک کرور روپیہ کی منظوری ہوئی ہے جس کی تعمیر شہر سے دور بہت تیزی سے جاری ہے یہ جو نہی بن کے تیار ہو جائے تو تو بھئی اعلیٰ حضرت کا نام قیامت تک روشن رہے گا اور ہمارے دیس پر یہ اتنا بڑا احسان ہے جو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا ہے۔

تعلیمات کی نگرانی میں ایک اور کام بہت شان دار ہو رہا ہے وہ عثمانیہ اُردو لغت کا کام ہے جو ہمارے دیس کے مشہور ادیب مولوی عبدالحق صاحب بڑی محنت سے کر رہے ہیں۔ یہ اُردو زبان کی مضبوطی کے لئے ایسے شان دار کام ہیں کہ جب یہ سب پورے ہو جائیں گے تو لوگ اعلیٰ حضرت کو اُردو کا بادشاہ کہہ کے پکاریں گے۔

دوسرے ملکوں کے بچے

چھوٹا رڈہارس

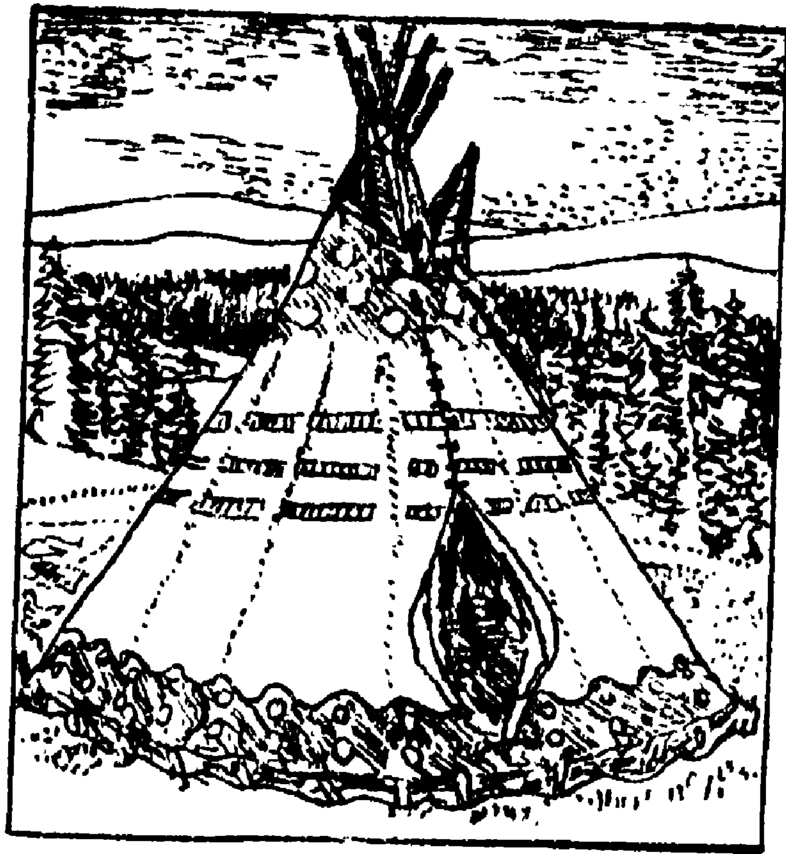
(محمد حسین حسّان)

اب سے بہت پہلے کی بات ہے رڈہارس کی طرح بہت سے ریڈ انڈین امریکہ کے بڑے بڑے میدانوں میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن اب یہ مٹتے جارہے ہیں اور بہت ہی کم تعداد میں باقی رہ گئے ہیں ہمارا ننھا رڈ ہارس بھی ان ہی بچے کھچے لوگوں میں سے ہے۔

رڈہارس شمالی امریکہ کے شمالی حصے میں رہتا ہے۔ تم نے کولمبس کا نام ضرور سنا ہوگا اسی نے نئی دنیا (امریکہ) کو دریافت کیا ہے، جب وہ اس نئی دنیا میں آیا ہے تو یہاں بہت سے رڈ انڈین رہتے تھے۔

رڈہارس اور اس کے خاندان کی گذر شکار اور مچھلی پر ہے وہ بندوق یا داؤں گھات سے جنگلی جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور ان کی کھال اور پشم (بال یا اون) سوداگروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں، اور سوداگر ان چیزوں کے بدلے میں بندوقیں، برتن، اور ضرورت کی دوسری چیزوں کا ان سے لین دین کرتے ہیں۔

رڈہارس کے رہنے کے لئے کوئی کچا یا پکا مکان تو ہے نہیں بس خیمے میں رہتا ہے یہ خیمے چمڑے کے ہوتے ہیں اور بڑے سلیقے سے بنائے جاتے ہیں خوبصورتی کے لئے چمڑے کی کھال کو نرم اور ہموار کر لیتے ہیں پھر اُسے سفید رنگتے اور اُسے طرح طرح سے آراستہ کرتے ہیں



ننھے رڈ ہارس اور اس کی بہن کی شکل صورت تمھاری اور دوسرے ملکوں کے بچوں سے بہت مختلف ہے، رنگ تانبے کا سا چہرہ دیکھنے میں بہت خوب صورت رخساروں کی ہڈیاں اُبھری اُبھری ناک اونچی، سیاہ چمکدار آنکھیں، کالے کالے بال پیچھے کندھوں پر لٹکے ہوئے۔

رڈ ہارس کا لباس بھی عجیب وغریب ہے تم جانو ان لوگوں میں کپڑے کا رواج تو تھا نہیں، نہ اس قوم کے لوگ کاتنا اور بننا جانتے تھے، اس کام کے لئے وہ ہرن کی کھال استعمال کرتے تھے۔ رڈ ہارس کا لباس بھی ہرن کی کھال کا ہے پاجامہ پرندوں کے پروں سے آراستہ۔ جوتے بھی ہرن کی کھال کے جن پر تسبیح دانوں جیسی کوئی چیز ٹکی ہوئی، ٹوپی عقاب کے پروں کی جیسی پرانے زمانے کے بہادر فوجیوں کی ہوتی تھی لیکن یہ لباس وہ ہر وقت نہیں پہنتا، کوئی مہمان یا ملاقاتی آجاتا ہے تب وہ اسے نکالتا ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ رڈ ہارس اور

اس کی قوم کی خوراک، مچھلی اور شکار ہے۔
یہ تو ظاہر ہے کہ اُن کی خوراک کا سامان افراط
سے نہیں مل سکتا تاہم اُن کی گزر بسر کے لئے
کافی ہے۔ وہ ہرن اور خرگوش کا گوشت
کھاتے ہیں مچھلی انھیں ندیوں اور دریاؤں
سے مل جاتی ہے، ان کے علاوہ خشک میوے
بیر، اور بعض پودوں کی جڑیں بھی کھاتے
ہیں۔ کبھی کبھی آٹا اور گوشت بھی مل جاتا ہے
یہ چیزیں وہ تاجروں سے خریدتے ہیں۔

کھانا عام طور پر خیمہ کے باہر پکتا ہے۔
بارش کے موسم میں رڈہارس کی ماں خیمے
کے بیچوں بیچ گڑھا کر کے آگ جلاتی ہے
دھواں اُس سوراخ سے نکلتا ہے جو خیمہ کے
اوپر کے حصّے میں ہوتا ہے۔

لیکن اب اس زمانے میں بہت کم
ریڈ انڈین شکار پر گزر کر سکتے ہیں، اس لئے
کہ ہرن، ریچھ، بھینسے اور دوسرے جنگلی
جانور قریب قریب ختم ہو چکے ہیں۔

اکثر ریڈ انڈین اب اپنے فارم کے
گھروں میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے
گھر تو ہمارے گھروں کی طرح ہیں امریکہ کی
حکومت نے اُن کے بچوں کے لئے اسکول
بھی قائم کر دیئے ہیں ان میں وہ تمھاری طرح
پڑھنا لکھنا سیکھتے ہیں۔

لطیفہ

ایک شخص نے دوسرے کو شرمندہ کرنے کے لئے کہا۔ دوست تم اپنے کان چھوٹے کراؤ آدمیوں کے کان اتنے بڑے نہیں ہوتے ؛

دوسرے نے جواب دیا۔ اور تم اپنے کان ذرا بڑے کرالو۔ گدھے کے کان اتنے چھوٹے نہیں ہوتے ؛

آبی نشان

سید نسیم صاحب جامعی

پیام تعلیم میں ٹکٹوں پر مضمون کا سلسلہ جنوری ۳۲ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اب اس کو ایک سال ہو گیا۔ اس ایک سال کے عرصے میں ہماری جماعت میں کافی ترقی ہو گئی۔ پیام تعلیم میں جو خط شائع ہوتے رہتے ہیں اس سے آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لڑکوں کے لئے یہ شغل بہت دلچسپ ثابت ہوا

آبی نشان کا ذکر ہم پچھلے کسی نمبر میں کر چکے ہیں۔ آج ذرا تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہیں۔

جس کاغذ پر ٹکٹ چھپتے ہیں وہ خاص طور پر اسی مقصد کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ پیام تعلیم کے کسی پرچے میں تم نے کاغذ کی تیاری پر مضمون پڑھا ہوگا۔ اس لئے ہمیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جس کاغذ پر ہندوستان کے ٹکٹ چھپتے ہیں، اس کاغذ کو تیار کرنے سے پہلے ایک ایسی مشین سے گزارتے ہیں کہ ان میں تارے بن جاتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جہاں پر تارہ بنتا ہے وہاں پر کاغذ دب کر ذرا پتلا ہو جاتا ہے اور اس کے چاروں طرف کاغذ موٹا ہوتا ہے۔ پتلے کاغذ سے موٹے کاغذ کی بہ نسبت روشنی زیادہ آسانی سے گزرتی ہے کاغذ کو روشنی کے سامنے رکھنے سے یہ نشان نظر آتے ہیں۔ ایسے نشان جو کاغذ کی تیاری کے دوران میں بنائے جاتے ہیں۔ ان کو آبی نشان کہتے ہیں ہر ملک کے ٹکٹوں میں مختلف آبی نشان ہوتے ہیں۔

آبی نشان کو دیکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ٹکٹ کو آنکھ اور روشنی کے درمیان اس طرح رکھو کہ ٹکٹ کی پشت آنکھ کی طرف ہو۔ تمھیں سفید تصویر۔ یا صرف نشان نظر آئے گا۔ ہندوستان کے ٹکٹوں میں ستارہ ہوتا ہے۔ انگلستان کے ٹکٹوں میں تاج ہوتا ہے۔ اور اس کے نیچے R . Y ہوتا ہے۔ برطانیہ کے مقبوضات میں عموماً تاج اور اس کے نیچے C.C یا C . A ہوتا ہے۔

اگر اس آسانی سے آبی نشان نظر نہ آئیں تو ٹکٹوں کو ایک سیاہ سطح پر اس طرح رکھو کہ پشت اوپر ہو۔ غور سے دیکھنے سے نشان نظر آئے گا۔ اگر اب بھی نظر نہ آئے تو ایک دو قطرہ خالص بنزین BENZENE ڈال دو اب یقینی طور پر نشان نظر آئے گا۔ یہ بنزین دوا فروشوں کے یہاں نہیں ملتا ہے۔ بلکہ ٹکٹ فروشوں کے یہاں عہ، یا عہر فی اونس کے حساب سے ملتا ہے۔ ایک خاص قسم کی سیاہ طشتری بھی فروخت ہوتی ہے جس کو "واٹر مارک ڈیٹکٹر ٹرے"

WATERMARK DETECTOR TRAY.

کہتے ہیں۔

اب ہم تمھیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان آبی نشانوں کی اہمیت کیا ہے۔ تم نے جعلی نوٹوں کے بارے میں سنا ہوگا۔ ٹکٹوں میں بھی جعل سازی ہوتی ہے۔ جب چھوٹے چھوٹے ٹکٹوں کی قیمت دوسو اور چار سو روپے ہونے لگی تو بعض لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور ناواقف لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے قیمتی ٹکٹوں کی نقل اتارنے لگے۔ ان لوگوں نے کسی طرح نقلی ٹکٹ تو چھاپ لئے لیکن اس میں آبی نشان نہ بنا سکے۔ اس لئے آبی نشان اصلی اور نقلی ٹکٹوں میں فرق معلوم کرنے کے لئے بہت اہم چیز ہے۔

آبی نشان کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ٹکٹوں کے جاری ہونے کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنے میں کہ فلاں قسم کے ٹکٹ کب جاری ہوئے تھے آبی نشان بہت مدد کرتے ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے ٹکٹوں میں ۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۲ء تک آبی نشان ہاتھی کا سر تھا۔ ۱۸۸۲ء سے ۱۹۲۶ء تک ایک ستارہ تھا۔ پھر ایک سے زائد ستارے ہو گئے۔ اب ہمیں کوئی ایسا ٹکٹ مل جائے جس میں آبی نشان ہاتھی کا سر ہو تو ہم آسانی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ٹکٹ ۱۸۸۲ء سے پہلے کا ہے۔

ٹکٹ کے رنگ اور تصویر کی طرح آبی نشان بھی اکثر بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لئے آبی نشان کی باریکیاں اور اختلافات بھی خاص طور سے مطالعہ کئے جاتے ہیں۔

آبی نشان کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف اصطلاحیں بنائی گئی ہیں۔ لیکن ابھی اس قدر تفصیل کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ آبی نشان کے ردو بدل سے ٹکٹ کی قیمت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جو آبی نشان غلط ہوتا ہے۔ یا کم مدت کے لئے ہوتا ہے۔ تو ٹکٹ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اس وجہ سے ٹکٹ کو البم میں رکھنے سے پہلے اس کا آبی نشان معلوم کر لینا ضروری ہے۔

لطیفے

فخرالدین:۔ میاں لدھا اگر تمھارے نام پر دو کشش لگا دیں تو کیا لفظ بنے ؟

لدھا:۔ جو آپ کے نام سے ف اڑانے سے بنتا ہے۔

بیٹی:۔ آپ نے اتنی روٹی کے لئے کافی سالن نہیں دیا۔

اماں:۔ تو بیٹی روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے لوٹا دو۔



بچہ اور اُستاد

ٹیگور ہندوستان کے بہت مشہور شاعر ہیں اُن کی شہرت ہندوستان سے بھی بہت دور تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ اپنے شعر اُردو میں نہیں کہتے بنگالی میں کہتے ہیں یا انگریزی میں۔ اب اُن کی بہت اچھی اچھی نظموں کا ترجمہ جناب پروفیسر ضیاء الدین صاحب نے اُردو میں کیا ہے اور ایک خوبصورت سی کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ ان میں سے کئی نظمیں ایسی ہیں جو ٹیگور نے بچوں کے لئے ان ہی کی زبان میں لکھی ہیں۔ بہت ہی مزے کی اور بہت دلچسپ۔ ان میں سے ایک آج ہم اس پرچے میں نقل کرتے ہیں اُمید ہے کہ تم اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھو گے۔

اماں! مجھ سے بھول ہوئی۔ اور میں نے کہہ
دیا سات اٹھے ستائیس۔ بس ماسٹر صاحب بگڑ گئے!
اماں! اس میلے پر جو پانچ پیسے کا رنگین کھلونا
تم نے مجھے لے دیا تھا،
میں نے اپنی کتاب کے نیچے چھپا رکھا تھا!
کسی لڑکے نے ماسٹر صاحب سے کہہ دیا اور وہ سخت
بگڑ گئے، میرا وہ کھلونا لے کر توڑ پھوڑ دور پھینک دیا!
اور کہنے لگے "بس دن رات تیرا دھیان کھیل کود میں ہے
شریر! پڑھنے لکھنے میں ذرا تیرا جی نہیں لگتا"!
اماں! اب میں کس سے جا کر کہوں؟
ماسٹر صاحب کا کوئی اُستاد نہیں؟
میں ابھی اُس سے جا کر شکایت کردوں!
اماں! کیا ماسٹر صاحب کے گھر میں کوئی کھلونا نہیں؟
کیا وہ کبھی کسی کھلونے سے کھیلتے ہی نہیں؟
نہ دن کو نہ رات کو؟
کبھی کھیلتے ہی نہیں؟
کبھی کسی گلی کوچے میں اپنے کسی کھلونے سے کھیل کر
وقت نہیں ضائع کرتے؟
اگر ان کا وہ کھلونا کوئی غصے میں آ کر زمین پر دے
مارے، تو اماں کہو کیسا ہو؟
ماسٹر صاحب کے دل پر کیا ہی گزرے؟

(کلام ٹیگور)

بھاگ نگر

محمد حسین حسان

شہر حیدرآباد کا پرانا نام بھاگ نگر ہے۔ یہ ایسی بھاگوان گھڑی میں بسایا گیا تھا کہ شروع سے اب تک برابر ترقی ہی کر رہا ہے اور اب تو اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔ اونچی اونچی شان دار عمارتیں سیمنٹ اور تارکول کی چوڑی چوڑی سڑکیں خوب صورت باغ، سبزہ زاروں کے میدان، شاہی عمارتیں پھر اسکول، کالج، یونیورسٹی، ہائی کورٹ، شفاخانے غرض ان سب چیزوں نے مل جل کر اس شہر کو ایسا بارونق اور شان دار بنا دیا ہے کہ ہندوستان کے بہت کم شہر اس کی ٹکر کے نکلیں گے۔ اس نے حیدرآباد پر اسی پرچے میں تم بہت اچھا مضمون پڑھو گے ہم یہاں اس کے کچھ پرانے حالات بیان کریں گے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اس وقت اس کی کیا حالت تھی جب یہ بھاگ نگر کے نام سے مشہور تھا۔ پہلے ہم تمہیں یہ بتا دیں کہ مغلیہ سلطنت کے حملوں سے پہلے اس علاقے کی حکومت قطب شاہیوں کے خاندان میں تھی۔ مغلوں نے جب اسے فتح کر لیا تو اس کے کچھ عرصے کے بعد محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں حضرت غفران مآب نواب میر قمرالدین خان نظام الملک فتح جنگ آصف جاہ اول نے آصف جاہی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

بھاگ نگر یا حیدرآباد قطب شاہیوں کے عہد میں بسا ہے اسی خاندان کے پانچویں بادشاہ قطب قلی شاہ نے آج سے کوئی چار سو ستر سال پہلے اسے بسایا تھا

بات یہ ہوئی کہ سلطان کا دارالحکومت گول کنڈہ چھوٹا سا شہر تھا۔ اور آبادی دن بدن بڑھتی ہی جاتی تھی۔ بڑی دقت یہ تھی کہ شہر کے چاروں طرف فصیل تھی جس کی وجہ سے آبادی بڑھانے کی گنجائش نہ تھی اس لئے سلطان قلی اس فکر میں تھا کہ کوئی ایسا شہر بسایا جائے جو اس کے حوصلے اور شان کے مطابق ہو ایک روز وہ شکار کی غرض سے نکلا اور گھومتے گھامتے موسیٰ ندی کے قریب آ نکلا۔ یہ جگہ سرسبزی و شادابی کی وجہ سے اسے کچھ ایسی بھائی کہ اس نے اُسے آباد کرنے کا پکا ارادہ کر لیا یوں سمجھو کہ اس زمین کے نصیب جاگ اٹھے۔

نیک ساعت اور شبھ گھڑی میں شہر کی بنیاد رکھی گئی[1] بادشاہ نے چار بڑے بڑے بازار بنوائے۔ چودہ ہزار دکانیں تعمیر کرائیں۔ سڑکوں کے کنارے نہریں جاری کیں۔ ان کے کنارے درخت لگوائے۔ ان کے علاوہ حمام، خانقاہیں، مدرسے، لنگر خانے، مہمان، سرائیں، یہ سب عمارتیں بھی بارہ ہزار کے قریب تھیں۔ شمال کی طرف اپنے رہنے کے لئے شان دار محل اور دوسری عمارتیں بنوائیں۔ شہر کے چاروں طرف باغ لگوائے، اور تفریح گاہیں، غرض بھاگ نگر کو اسی زمانے میں ایسے بھاگ لگ گئے تھے اور اس میں ایسی رونق اور چہل پہل پیدا ہو گئی تھی،

---

[1] اس شہر کے بنیاد رکھنے کی تاریخ "یا حافظ" ہے

کو دنیا کے بہترین شہروں میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس بادشاہ کے جانشینوں نے بھی اس شہر کی رونق بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، نئی نئی شان دار عمارتیں تعمیر کرائیں، بازار بنوائے اور باغ لگوائے۔ آبادی بھی دن بدن بڑھتی گئی۔ یہ بتانا ہم بھول گئے کہ اس شہر کا نام بھاگ نگر صرف سترہ برس تک رہا اور خود اسی بادشاہ نے لوگوں کے مشورے سے اس کا نام حیدر آباد رکھ دیا تھا۔ لیکن یہ نام اس کے بعد بھی بہت دنوں تک زبانوں پر رہا۔

تمھیں یہ معلوم کرنے کا شوق تو ضرور ہوگا کہ اس زمانے میں حیدر آباد میں کیسی کیسی عمارتیں تھیں۔ لیکن یہ سن کر افسوس بھی ہوگا اُن میں سے بہت سی عمارتوں کا تو اب نام و نشان بھی نہیں ہے۔ صرف چند عمارتیں رہ گئی ہیں اُن کا مختصر سا حال بیان کرتے ہیں۔

چار مینار تم نے حضور نظام کے سکوں پر ایک طرف ایک خوب صورت عمارت کی تصویر دیکھی ہوگی یہی چار مینار ہے۔ یہ شہر کے بیچوں بیچ چوکور اور چومنزلہ عمارت ہے چاروں کونوں پر بلند مینار ہیں۔ نہایت شان دار عمارت ہے۔ اور اتنی اونچی کہ بہت دور سے نظر آتی ہے اور اس پر چڑھنے سے دور دور تک کا منظر سامنے ہوتا ہے۔ یہ عمارت محمد قلی قطب شاہ کی بنوائی ہوئی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سارے شہر کی ناک ہے۔

مکہ مسجد مکہ مسجد چار مینار سے اُتر کی جانب کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ یہ بھی بہت بڑی عمارت ہے۔ اور پوری کی پوری پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد میں بعض بہت بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ اتنے بڑے بڑے پتھر کس طرح بغیر کلوں کے اوپر پہنچائے گئے۔ خصوصاً محراب جہاں امام نماز پڑھاتا ہے ایک ہی پتھر کی ہے۔ اور سنتے ہیں کہ اسے کان سے نکالنے اور یہاں تک لانے میں بے شمار مزدوروں کی ضرورت پڑی تھی۔

اس مسجد کے بننے کا سلسلہ سلطان محمد قطب شاہ کے زمانے میں شروع ہوا تھا۔ لیکن اس کے مکمل ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا۔ اور کچھ ایسی صورتیں پیش آئیں کہ اس خاندان کی تباہی کے بعد اورنگ زیب نے اسے مکمل کیا۔ یہ بھی اس عہد کی بہت عظیم الشان عمارت ہے۔ اور اب تک حیدر آباد میں یہی سب سے بڑی مسجد ہے۔

جامع مسجد یہ بھی چار مینار سے قریب شمال کی طرف ہے یہ کوئی بہت بڑی عمارت تو نہیں ہے لیکن اسے اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ حیدر آباد میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔ اور سلطان قطب علی شاہ نے اسے سنہ ۱۰۰۶ھ میں تیار کرایا۔ یہاں ایک رومی وضع کا حمام بھی تھا۔ اور جو لوگ یہاں نہانے آتے تھے انھیں لنگیاں مفت ملتی تھیں۔

چار کمان اور حوض یہ چاروں کمانیں، چار مینار سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اُتر دکھن پورب، پچھم ایک دوسرے کے مقابلے میں بنی ہوئی ہیں۔ انھیں سلطان قطب علی شاہ نے سنہ ۱۰۰۰ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ان کمانوں کے بیچ میں ایک حوض اور اس کے پاس ایک بنگلہ تھا۔ بادشاہ یہاں فوج کا جائزہ لیتا تھا۔

عاشور خانہ یہ عمارت دہلی دروازے کے قریب ہے۔ اور یہ سلطان قلی قطب شاہ کے حکم سے ۶۶ ہزار روپے کے خرچ سے بنی تھی یہ ۴۰ گز لمبی، ۳۰ گز چوڑی اور ۱۲ گز اونچی عمارت ہے۔ اس کے صحن میں ہزار طاق بنے ہوئے

ہیں۔ محرم کے عشرے میں ان میں چراغ جلا کرتے تھے۔ خیرات خانہ بھی قائم تھا۔ بعد کے بادشاہوں نے اسے اور بھی آراستہ کیا۔ اورنگ زیب کی فتح کے بعد اسے تباہ کر دیا گیا تھا لیکن آصف جاہ کے عہد میں اس کی دوبارہ مرمت کرائی گئی۔

دارالشفا یہ بہت ہی شاندار عمارت ہے اسے سلطان محمد قلی قطب نے سنہ ۱۰۰۰ھ میں تعمیر کرایا تھا اس میں بہت ماہر اور قابل حکیم نوکر تھے۔ مریضوں کو دوائیں مفت ملتی تھیں۔ طالب علموں کو طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی یہ عمارت اب اچھی حالت میں نہیں ہے۔

پل قدیم یہ پل حیدرآباد کے آباد ہونے سے ۱۴ سال پہلے بنا تھا۔ سلطان قلی کے باپ نے سنہ ۹۸۱ھ میں بنوایا پتھر کی بنی ہوئی بہت پکی عمارت ہے

باغ لنگم پلی شہر سے شمال کی طرف دو میل کے فاصلے پر بہت بڑا باغ ہے۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی چار دیواری ہے جو اب خراب حالت میں ہے سلطان قلی نے اس میں بڑے بڑے محل بنوائے تھے۔ اس کے بعد سلطان عبداللہ شاہ نے اسے اور بھی ترقی دی۔ اب یہ معمولی حالت میں ہے۔

سلطان نگر حیدرآباد سے پورب رخ دو کوس کے فاصلے پر سلطان محمد قلی قطب یہ عظیم الشان قلعہ بنوا رہا تھا۔ ابھی نامکمل تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد پھر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اب کھنڈر پڑا ہے

گوشہ محل شہر سے پچھم کی طرف کوئی آدھے میل کے فاصلے پر سلطان قلی نے کئی لاکھ روپے کے صرف سے یہ شاندار محل تیار کرایا تھا عالمگیر کے حملے کے وقت اصل عمارت تباہ ہو گئی۔ صرف ایک حوض رہ گیا ہے۔ اس کا احاطہ ایک میل کے قریب ہے۔ اب یہاں عمارتیں بن رہی ہیں۔

دائرہ میر محمد مومن یہ قبرستان شہر سے مشرق جنوب رخ کو ہے۔ شہر بسنے کے بعد سلطان قلی کے عہد میں ایک بزرگ نواب میر محمد مومن نے بنوایا ہے۔ اس قبرستان میں ہزارہا قبریں ہیں لیکن قطب شاہی زمانے کی قبریں نہایت شاندار ہیں ان پر نہایت خوش خط کتبے بھی لگے ہوئے ہیں ۔

لطیفے

ماں :- (بیٹے سے) میں ہزار دفعہ منع کر چکی ہوں کہ شریر لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلا کر۔
بیٹا :- اور نیک بچوں کی مائیں انھیں میرے ساتھ کھیلنے سے منع کرتی ہیں۔

ایک فقیر نے ایک قاضی صاحب سے کہا۔ مجھے کچھ کھانے کو دیجئے۔
قاضی صاحب نے کہا :- اچھا قسم کھاؤ اور چلے جاؤ۔

بمبئی سے لندن تک

از جناب عبد الغفار صاحب

ابھی پچھلے نمبر میں تم بمبئی سے لندن تک کے سفر کے حالات پڑھ چکے ہو۔ یہ مضمون ہمارے عزیز دوست امتیاز حسین خاں صاحب نے لکھ کر بھیجا تھا۔ اب محترمہ بیگم عبد الغنی صاحب نے اسی قسم کا ایک اور مضمون ہمارے پاس بھیجا ہے۔ یہ ان کے بھائی عبد الغفار صاحب کا خط ہے جو آج کل یورپ میں تعلیم پا رہے ہیں۔ چونکہ اس خط میں بعض نئی باتیں بھی ہیں اس لئے تمھاری دلچسپی کے لئے ہم اس خط کو محترمہ بیگم صاحبہ کے شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

آپ کے دونوں خط مل گئے۔ شکریہ۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ اور دن پر دن موٹا ہوتا جاتا ہوں۔ معلوم نہیں واپسی تک کتنا موٹا ہو جاؤں۔ آپ کی دلچسپی کے لئے سفر کا کچھ حال لکھتا ہوں۔ ہمارا جہاز بمبئی سے وینس تک جاتا ہے۔ میں راستے میں ایک دن ٹھہرا تھا۔ یہ ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔ اصل میں یہ شہر کئی جزیروں پر آباد ہے اور بیچ میں سمندر تنگ راستوں سے گذرتا ہے ان میں سے پانی کاٹ کر شہر میں جابجا نہروں کا جال بچھا دیا ہے۔ کل کاروبار کشتیوں اور اسٹیمروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ بازاروں کی سڑکیں تنگ لیکن نہایت صاف ہیں۔ اور گاڑیوں موٹروں کا استعمال سوائے شہر کے ایک طرف کے بیرونی حصے کے بالکل نہیں اس لئے یہ نہایت خاموش شہر ہے اور چلنے پھرنے میں موٹر وغیرہ کا خوف بالکل نہیں۔ یہ بڑا پرانا تاریخی شہر ہے۔ اور اس میں کئی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں

وینس سے بولون تک ریل سے جاتے ہیں۔ بولون فرانس کا بندرگاہ ہے۔ جہاں سے اسٹیمر کے ذریعے انگلینڈ پہنچ جاتے ہیں۔ اسٹیمر کا یہ راستہ صرف ۷۵ منٹ کا ہے۔

وینس سے ٹرین اٹلی کے مشہور شہر میلان سے ہوکر سوئٹزرلینڈ ہوتی ہوئی فرانس جاتی ہے۔ میلان بہت بڑا شہر ہے۔ لیکن تجارتی شہر ہونے کی وجہ سے بڑے شہروں کی طرح بہت شور وغل ہے۔ اور موٹروں گاڑیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

اٹلی میں مسولینی کے وقت سے بہت ترقی ہوئی ہے اور لوگ مسولینی کا نام ایسی عزت سے لیتے ہیں۔ جیسے کسی مذہبی پیشوا کا۔ اتنی کم مدت میں لوگ خوش حال ہو گئے ہیں۔ صفائی کا انتظام بے حد عمدہ ہے۔ زراعت کو بھی بہت ترقی ہوئی

ہے غرض مسولینی نے اٹلی کی کایا پلٹ دی ہے

اٹلی کے لوگ شکل وشباہت اور رنگ میں گورے رنگ کے ہندوستانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ لین دین میں ویسے ہی ہیں۔ بازار میں اکثر دکاندار چیزوں کی قیمتیں اصل سے بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ اور جھگڑا کرنے پر کم کر دیتے ہیں۔ غرض اس معاملے میں انگریزوں سے بہت پیچھے ہیں۔

سوئٹزرلینڈ میں مقام لوسرن (LOCERN) میں ہم لوگ تقریباً ایک دن رہے یہاں ایک جھیل ہے جو ہر طرف سے سبزہ زار پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور نہایت پرلطف منظر ہے یہاں کے لوگ نہایت صفائی پسند اور لین دین کے کھرے ہیں ہوٹل بہت اچھے اور مقابلۃً سستے ہیں۔ کھانا بھی اچھا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر ہر سال ہزاروں لوگ سیر کے لئے آتے ہیں

سارا سوئٹزرلینڈ نہایت سرسبز اور دیکھنے کے قابل ملک ہے۔ گو یہ علاقہ پہاڑی ہے۔ لیکن ریل بڑی پٹڑی کی دوہری لائن کی چلتی ہے۔ ریلوے لائن کی بعض سرنگیں آٹھ اور نو میل تک بھی ہیں۔

پیرس میں گاڑی بدلنے کے لئے ہم لوگ کوئی آٹھ گھنٹے ٹھہرے۔ پیرس نہایت خوب صورت شہر ہے۔ ہاں یہاں کی تاریخی عمارتیں، نپولین کا مقبرہ اور عجائب گھر اور نادر جہاں مشہور تصویروں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے واقعی قابل دید ہیں۔ یہاں کے لوگ بھی بہت دھوکے باز اور عیار ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک جانے کے لئے ایک موٹر کرایہ پر لیا۔ ڈرائیور ہمیں تین میل کا چکر دے کر وہاں لے گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ فاصلہ صرف آدھے میل کا تھا۔

اٹلی اور فرانس میں شراب بالکل پانی کی طرح پی جاتی ہے اور اگر کوئی کھانے کے ساتھ پانی مانگے تو بڑے تعجب سے دیکھتے ہیں۔ اسٹیشنوں پر کھانے کے پیکٹ ملتے ہیں۔ جن میں گوشت ڈبل روٹی، پنیر اور بسکٹ وغیرہ ہوتے ہیں۔ اس پیکٹ میں بھی شراب کی ایک بوتل ہوتی ہے۔ اسٹیشنوں پر پانی کا انتظام مطلق نہیں۔ ہاں کھاری پانی سوڈے کی قسم کا ملتا ہے اور لطف یہ کہ اگر شراب کی بوتل کی قیمت دو آنے ہے تو سوڈے کی چھ آنے ہوگی لہذا سستی ہونے کی وجہ سے لوگ شراب ہی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

انگلینڈ میں نسبتاً شراب کا استعمال بہت کم ہے ہوٹلوں میں کھانے کے ساتھ چائے دیتے ہیں اور پانی پینے والے کو تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

لندن بہت ہی بڑا شہر ہے۔ لیکن اس کے سوائے اور کوئی بات خاص خوبی کی نہیں ہے۔ ایک حد تک ایک بدصورت شہر ہے، ہاں تجارت، درسگاہوں اور عجائب خانوں وغیرہ کے لحاظ سے بہت کچھ ہے۔

اڈنبرا دنیا کے خوب صورت ترین شہروں میں سے ہے۔ آبادی تھوڑی ہی ہے۔ لاہور سے کچھ زیادہ۔ لیکن یہ آبادی لاہور سے پانچ گنا رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ سبزہ زار ہیں یہ شہر سات پہاڑیوں پر واقع ہے۔ اور اس کے اردگرد نہایت پرفضا پہاڑ اور جھیلیں ہیں۔ یہ کوئی بڑا تجارتی شہر نہیں۔ صرف تعلیم گاہوں کی وجہ سے مشہور ہے تجارت گاہ نہ ہونے کی وجہ سے غلاظت بہت کم ہے

یہاں مکانوں کی تعمیر کارپوریشن کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر سڑک پر دونوں طرف مکان ایک ہی طرز کے

تم کیا بنو گے؟

(از جناب ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی متعلم درجہ سوم ندوۃ العلما)

میں کیا بنوں؟ بننے پر آؤں تو سب کچھ بن سکتا ہوں۔ لیکن مجھے کام وہی کرنا چاہئے جس سے میں، میرا خدا اور اس کے بندے خوش رہیں اس لئے میں بادشاہ نہیں بننا چاہتا۔ اگر کوئی کام خراب ہو جائے یا انصاف نہ کر سکوں تو خدا بھی ناراض ہوتا ہے اور اس کی مخلوق بھی، کسی بڑے سرکاری عہدے کو بھی قبول نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ ایک ایسا پیشہ ہے کہ لوگوں کو گالی دینا رشوت دے کر مقدمہ بازی کرانا اور اسی قسم کے دوسرے ناجائز کام کرنے پڑتے ہیں اس کے قبول کرنے سے لوگوں کا مقصود روپیہ کمانا ہوتا ہے اور میں روپیہ جمع کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ خدا کی مخلوق کو آرام پہنچانا چاہتا ہوں

میں ایک روز سید ڈاکٹر عبد العلی صاحب ندوی بی ایس سی ایم بی بی ایس ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ کے یہاں گیا تو دیکھا کہ باہر تانگے اور موٹر کھڑے ہوئے ہیں، مکان نہایت شاندار ہے، اور اچھے اچھے سامانوں سے آراستہ ہے ڈاکٹر صاحب ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ارد گرد مریضوں کی بھیڑ ہے ان کی میز پر دوائیں اور بہت سے آلے رکھے ہیں اور دائیں جانب الماریوں میں کتابوں کا ڈھیر ہے کوئی کہتا ہے ڈاکٹر صاحب مجھے دق کی بیماری ہے۔ کوئی کہتا ہے ڈاکٹر صاحب جلدی خبر لیجئے۔ آہ درد جگر نے مار ڈالا۔ گھر میں سے نوکرانی آتی ہے کہ چلئے کھانا تیار ہے۔ لیکن آپ اس طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور مریضوں کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے ہیں دیکھو ڈاکٹری کتنا اچھا پیشہ ہے کہ یہ غریب جو اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکے ہوتے ہیں

جن کے لئے دنیا بالکل تاریک ہو جاتی ہے ۔ یہ لوگ اُن کا علاج کرتے ہیں اور ہر طرح انھیں آرام پہنچاتے ہیں۔

بھائیو! آؤ ہم تم بھی ڈاکٹر بنیں۔ دیکھو ہندوستان میں بیماروں کی کتنی کثرت اور ڈاکٹروں کی کتنی کمی ہے ۔ ہم کو کوشش کرنا چاہیئے کہ تمام جگہ پھیل کر غریبوں کا علاج کریں ، اگر ہم ایسا کریں گے تو خدا خوش ہوگا اس کی مخلوق خوش ہوگی اور ہم بھی مخلوق کی خدمت کرکے خوش ہوں گے اور ہم تم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی طرح ایک دن بڑے آدمی ہو جائیں گے ، ساتھ مریضوں کی بہت بڑی جماعت ہوگی لوگ ادب سے نام لیں گے ۔ تم ابھی تو اسکول میں پڑھتے ہو لیکن جب بڑے ہو جاؤ گے تو مجھے امید ہے کہ تم بھی ڈاکٹر بننے کی کوشش کروگے اگرچہ اس میں کچھ مشکل ہوگی اگر تم سے ہر ایک خوش رہے تو تم کو چاہیئے کہ تم انسانوں کی مدد کرکے اُن کو آرام پہنچاؤ ، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ اس سے نہ صرف تم ڈاکٹر بنوگے بلکہ باعزت اور نامور ہو جاؤ گے ۔

یادرکھو جو کچھ بننے کی تم کوشش کروگے وہی بنوگے ۔ اسی طرح ڈاکٹری بھی ہے ۔ اس کے لئے تندرستی اچھی ہونی چاہیئے ۔ دل مضبوط ہونا چاہیئے ۔ مہلک بیماریوں کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اطمینان اور صبر سے علاج کرنا چاہیئے ۔

تم خود سوچو کہ جب مریض مرنے کے قریب ہو یا کوئی فوری بیماری ہو جائے تو اس کا علاج کتنا مشکل ہوتا ہے ۔ سب سے زیادہ ہمدردی کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے ۔ جب کوئی دکھ میں ہو ۔ سکھ کے ساتھی دنیا میں بہتیرے ہوتے ہیں مگر دکھ کا ساتھی سوائے ڈاکٹر کے کوئی نظر نہیں آتا ۔ ان کا ایک لفظ مایوس مریضوں کے دل میں جان ڈال دیتا ہے جب تمام چیزیں زہر معلوم ہوتی ہیں تو اس وقت ڈاکٹروں کی دوائیں تریاق کا کام دیتی ہیں ایسے ایسے زخم جن کو لوگ دیکھ کر گھن کھاتے ہیں ڈاکٹر اُن کی مرہم پٹی کرتا ہے ۔

تو بھائیو میں تو یہی کوشش کروں گا کہ ڈاکٹر بنوں ۔ یہ ایسا پیشہ ہے جس میں ہم خود بھی خوش ہوں گے اور مخلوق بھی خوش ہوگی کیوں کہ وہ اس کی اس وقت مدد کرتا ہے جب وہ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں اور جب مخلوق خوش رہے گی تو ظاہر ہے خدا بھی خوش رہے گا

اورنگ آباد (دکن)

(معین الدین صاحب حیدرآبادی)

ریاست حیدرآباد میں اورنگ آباد ایک تاریخی شہر ہے۔ الورہ کے غار جو پرانے ہندوؤں کے تمدن کی یادگار ہیں اسی شہر کے دیہات میں ہیں۔ خود شہر کا چپہ چپہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے حال ہی میں اس کے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں پر میں نے جو کچھ دیکھا یا اس کے متعلق کتابوں میں پڑھا وہ پیامی بھائیوں کی دلچسپی کے لئے نیچے لکھتا ہوں

شہر اورنگ آباد کھام ندی پر جو گوداوری کا معاون ہے بسایا گیا ہے اس کے شمال میں خاندیس، جنوب میں گوداوری مشرق میں پربھنی، مغرب میں احمد نگر اور علاقہ بمبئی واقع ہے۔ ملک عنبر حبشی نے اس شہر کو ۱۶۰۹ء میں کھڑکی کے نام سے آباد کیا تھا۔ مغلیہ دور میں شاہ جہاں نے اس کو فتح کرکے اپنے بیٹے اورنگ زیب کے نام پر اس کا نام رکھا۔

اٹھارھویں صدی سے جب کہ دکن کا پایہ تخت اورنگ آباد کے بجائے حیدرآباد قرار دیا گیا۔ یہاں کی آبادی گھٹ گئی ہے مگر پھر بھی مغربی صوبہ کا صدر مقام اور تجارتی مرکز ہونے کے باعث ممالک محروسہ سرکار عالی کا ایک بارونق شہر ہے

ہندوستان کی صنعت جب ترقی پر تھی اس وقت ڈھاکے کی ململ کی طرح یہاں کے ہمرو، کمخواب اور مشروع شہرۂ آفاق تھے۔ مگر ہندوستان کے صنعتی زوال اور اہل وطن کی بے توجہی کے سبب ان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب تو صرف شادی بیاہ کے موقعوں پر بہت ہی تھوڑی مقدار میں یہ استعمال کیا جاتا ہے سنا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب مدظلہٗ سکریٹری انجمن ترقی اردو اس صنعت کو ترقی دینے کی بہت کوشش کر رہے ہیں۔

یہاں پانی کا انتظام جو ملک عنبر کی یادگار ہے سائنٹفک طریقے پر کیا گیا تھا۔ جملہ شہری ضرورتوں کے لئے صحت بخش تازہ پانی گچ کے بنے ہوئے نلوں کے ذریعے بہم پہنچایا جاتا تھا (مگر اب وبائی امراض کے پھیلنے کے اندیشے سے ان نلوں کو بند کر دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے نل جالنہ میں بھی زمین کے اندر پائے گئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کو وہاں تک وسعت دینے کا خیال تھا

تعلیم کے لئے یہاں ایک انٹرمیڈیٹ کالج موجود ہے۔

یہاں کی تاریخی چیزوں میں قلعہ ارک آصف جاہ کا نو کھنڈہ (محل)، اورنگ زیب کا، محل رابعہ دورانی کا مقبرہ دیکھنے کے قابل ہیں۔

رابعہ دورانی عالمگیر کی چہیتی ملکہ اور شہزادہ عظیم الشان کی ماں تھی۔ عمارت تاج محل کے نمونے پر [illegible] میں نہایت خوبصورتی سے تعمیر ہوئی ہے۔ باغیچہ چمن اور حوضوں سے اس کی

رونق دوبالا ہوگئی ہے۔ گلاب کے پھولوں کا لاجواب تختہ بہت ہی تعرفریب ہے نیچے کی منزل میں شاہی زمانے کے قرآن مجید کا بیان کا شانی پردے، قالین، قنالیں نا بتے اور سونے کے برتن، ایرانی وضع کی تمام چینی کی سلفیاں عجوبہ روزگار ہیں، آئینہ محل بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

دولت آباد (دیوگڑھی)

حیدرآباد سے ہم موٹر کے ذریعے دولت آباد، خلد آباد، الورہ جو اورنگ آباد کے ضلع میں واقع ہیں، دیکھنے روانہ ہوئے

دولت آباد بھی تاریخی شہر ہے۔ یہ اورنگ آباد کے نو میل کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ پہلے دیوگڑھی کے نام سے مشہور اور یادو خاندان کا پایہ تخت تھا

یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں علاء الدین خلجی نے دکن کی صوبہ داری کے زمانے میں دولت کی کہانیاں سن کر ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء میں رام دیو سے جنگ کی تھی اور راجہ نے بہت سا سامان زر و جواہر دے کر صلح کی تھی۔

محمد تغلق نے ۷۳۸ھ ۱۳۳۸ء میں اس خیال سے کہ دکن پر بار بار چڑھائی کی ضرورت نہ پڑے اس مقام کو دوبارہ آباد کر ایا اور اس کو حکومت ہند کا مستقر قرار دیا گذشتہ زمانے میں اس شہر کی جو رونق تھی اس کا اندازہ ابو العباس دمشقی مورخ کے بیان سے ہوسکتا ہے۔ اس شہر کے بہت سے حصے ہیں اور ہر حصے میں بہت سی مسجدیں، بازار، کنوئیں وغیرہ ہیں اور مختلف قسم کے کاریگر وہاں رہتے ہیں گویا ہر ایک حصہ ایک آزاد ریاست ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اس کو دہلی کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

بادشاہ نے سرکاری اہتمام سے دولت آباد تک دکانیں بنوائی تھیں، یہاں ضرورت کی سب چیزیں ملتی تھیں یہ بازار اس کی زندگی تک آباد رہے، اورنگ زیب نے شاہان گولکنڈہ و بیجاپور کو یہیں کے قلعے میں بند کیا تھا۔ آب و ہوا کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ گرمیوں میں عالمگیر اور شاہ جہاں اپنی ولیعہدی کے زمانے میں یہیں قیام کرتے تھے۔

یہاں کی مشہور عمارتوں میں قلعہ ہے جس کے اندر چاند مینار، چینی محل، جامع مسجد دیکھنے کے قابل ہیں۔

قلعہ اس کی شکل کچھ گاؤدم سی ہے۔ ایک پہاڑی پر بنایا گیا ہے جس کی بلندی ۱۵۰ فیٹ ہے۔ اور یہ بالکل سیدھا کٹا ہوا ہے۔ یہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ دشمن کی فوج کے حملوں کو آسانی سے روک سکے۔ پرانے طرز کی عمارتوں کا یہ عجیب وغریب نمونہ ہے۔ علاء الدین کے حملے کے وقت رام دیو نے اسی کے اندر پناہ لی تھی۔ اس کے گرد ایک خندق ہے جو پہاڑی کو کاٹ کر بنائی گئی ہے۔

شاہی عمارتیں پہاڑی کی چوٹی پر ہیں جن میں آمد و رفت کے واسطے راستے پہاڑ کاٹ کر سرنگ کے طور پر تیار کئے گئے ہیں تھوڑی دور تو بالکل اندھیرا رہتا ہے اس کو "اندھیر نگری" کہتے ہیں۔ اور اس میں سے گذرنے کے لئے لالٹینیں وغیرہ روشن کرنا پڑتی ہیں۔ یہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ ہے۔ دربار اور بارہ دری اب بالکل ویران حالت میں ہیں۔

بارہ دری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے، جہاں تانا شاہ کو قید کیا گیا تھا۔ قلعے کے اندر چند بڑی بڑی توپیں بھی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی توپ "مینڈھا توپ" کہلاتی ہے یہ عالمگیر کے عہد کی ہے اس کا بنانے والا محمد حسین عرب ہے اور اس پر نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا

کندہ ہے۔

توپوں کے علاوہ پرانے ہتھیار بھی موجود ہیں جو تاریخ میں کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ چینی محل ، مسجد عالی شان عمارتیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہ بھی ویران ہیں۔ یہاں ایک بڑا حوض ہے جو اس وقت خشک حالت میں ہے، چاند مینار پر چڑھنے سے بہت دور تک کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

خلد آباد

یہ اورنگ سے ۱۳ اور دولت آباد سے ۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مقام نہ صرف تاریخی بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں پر بڑے بڑے بزرگوں کے مزار اور مشہور بادشاہوں کے مقبرے ہیں۔

ملک عنبر ابوالحسن تاناشاہ مغل اعظم (عالمگیر) آصف جاہ اول ناصر جنگ شہید یہ سب یہاں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ اپنے زمانے میں یہ سب جلال و جبروت سے حکومت کیا کرتے تھے بڑے بڑے امیر و رئیس اُن کے نام سے تھراتے تھے لیکن آج یہ سب کئی من مٹی کے نیچے دبے ہوئے ہیں

تاناشاہ کا نام تو تم نے سنا ہوگا اس کی نازک دماغی اور نفاست پسندی مشہور ہے مگر آج خاک میں مل کر وہ خاک ہو چکا ہے اور اس کی نازک دماغی کے صرف قصے باقی رہ گئے ہیں۔ عالمگیر کی قبر حضرت شاہ منتخب الدینؒ کے روضے کے احاطے میں ہے وصیت کے موافق مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ اب اعلیٰ حضرت حضور نظام کے حکم سے سنگ مرمر کی مسہری بنوا دی گئی ہے۔ گذشتہ سلاطین کے عہد میں مردوں کی عزت و احترام کے باقی رکھنے کے لئے جو سامان کئے جاتے تھے اس کا زندہ نمونہ آج خلد آباد میں نظر آئے گا۔ عالمگیر کی قبر کے قریب ایک تسبیح خانہ ہے جہاں حافظوں کی ایک جماعت صبح کو قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہے۔ ایک لنگر خانہ بھی ہے جہاں شام کے وقت غریبوں کو کھانا مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

ان قبروں کے انتظام کے لئے مملکت آصفیہ سرکار عالی نے بڑی بڑی جائدادیں اور جاگیریں وقف کی ہیں۔

بزرگوں میں شاہ منتخب الدینؒ اور ان کے بھائی حضرت شیخ اولیاؒ برہان الدینؒ ہیں جن کی وفات ۱۳۴۳ء میں ہوئی یہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ بن کر دکن تشریف لائے تھے آپ دونوں کے مزاروں پر زیارت کرنے والوں کی کثرت رہتی ہے

یہاں سے تھوڑی دور پر حضرت زرزری بخشؒ کا مزار ہے کہتے ہیں کہ اُن کے دروازے پر سنگ مرمر کے فرش پر چاندی اُگتی ہے۔ پہلے مجاور اس کو کاٹ کر فروخت کرتے تھے۔ اب اس کی ممانعت ہوگئی ہے۔ جب سے اس کی بار کم ہوگئی ہے۔ مگر خوش اعتقاد مسلمان اس عجیب و غریب بات کو آج بھی دیکھنے کے لئے آتے ہیں اور فرش پر چاندی اُگتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بھی یہاں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر سال یہ بڑھتے ہیں۔

الورہ کے غار

خلد آباد سے ایک میل اور اورنگ آباد سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر بدھ اور ہندو جین مت کے ۳۴ مندر ہیں جو غار ہائے الورہ کے نام سے مشہور ہیں بستی کے قریب ہی سُرخ پتھر کا دیول ہے جس کو اندور کی مہارانی اہلیہ بائی نے تعمیر کرایا تھا اور جو آج کل ہندوؤں کے پرانے زمانے کے عمارت بنانے کے فن کا عمدہ نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔ ان غاروں کی قطاریں شمالاً و جنوباً سوا میل لانبی ہوں گی ان میں سے بعض دو منزلہ ، بعض ایک منزلہ ، دیواریں اونچی اور چھتیں کشادہ ہیں ان پر مختلف قسم کے دیوتاؤں کی تصویریں

اور طرح طرح کے نقش و نگار علم ہندسہ و مساحت کے اصول سے بڑی خوبی کے ساتھ تراشے ہیں ان کو دیکھ کر لوگ سچ مچ مبہوت ہو جاتے ہیں اور اس زمانے کے بڑے بڑے انجینئروں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے پرانے زمانے کے معماروں کو عمارتیں بنانے میں کس قدر مہارت اور کیسا کمال حاصل تھا۔

سب سے آخری مندر کو دیکھ کر سب سے زیادہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے۔ یہ ایک پہاڑی پر ۲۰۰ فٹ کی بلندی پر پچاس فٹ چوڑا صحن تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس کے مقابل دو بڑے ہاتھی تراشے گئے ہیں اوپر کے حصے میں ہاتھیوں، شیروں وغیرہ کی تصویریں تراشی گئی ہیں۔ یہ کیلاش کا مندر کہلاتا ہے۔

بعض تصویروں میں رنگ بھی بھرا گیا ہے یہ کوشش غالباً بہت بعد کے زمانے میں کی گئی تھی یہ کام پورے طور پر مکمل بھی نہیں ہے۔ بس یہ ہے ہماری سیر کی ایک مختصر داستان

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے بہت سی تاریخی جگہوں پر نہ جا سکا۔ ان مندروں کو بھی تفصیل سے نہ دیکھ سکا۔ نہ اجنٹا جا سکا۔ جہاں الورہ کی طرح مندر اور غار ہیں اور ان میں بہترین سنگ تراشی کے ساتھ ساتھ رنگ کاری بھی کی گئی ہے[۱]۔

ان سب کی حفاظت کے لئے سرکار عالی حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ (خدا اُن کی حکومت کو ہمیشہ قائم رکھے) کی طرف سے ایک محکمہ قائم ہے جسے ایک محکمہ آثار قدیمہ کہتے ہیں، ہندوستان کے پرانے تمدن کی یادگاریں باقی رکھنے کے لئے جو کوشش حکومت نظام کر رہی ہے۔ وہ گویا تاریخ پر بہت بڑا احسان ہے۔ آؤ بچو! چلتے چلتے یہ نعرہ تو لگاتے جائیں:۔

زندہ باد شاہ عثمان خلد اللہ ملکہٗ پائندہ باد مملکت دکن

لطیفہ

استاد:۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ سورج کے گرد زمین گھومتی ہے۔ اس کے بعد؟

طالب علم:۔ اس کے بعد یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ دوڑ کر دیکھ آؤں کہ زمین کہاں جاتی ہے۔

---

[۱] پچھلے سال گرہ نمبر میں ہمارے رسالہ میں اجنٹا اور ایلورہ کے غاروں کا حال زیادہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اگر تمھیں شوق ہو تو وہ مضمون دیکھو۔ اس میں اور بھی اچھی اچھی عمارتوں کا حال ہے:۔



[illegible] ۶۳۵ء میں [illegible]

[illegible]

کی دعوت دی۔

شاہ انکا اتا ہوالپا



آج تمہیں اتا ہوالپا کا واقعہ سنائیں۔ اسے سن کر تمھیں بہت تعجب ہوگا۔ جنوبی امریکہ میں ایک علاقہ ہے پیرو۔ اتا ہوالپا اس علاقے کا بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ ہسپانیہ کا مشہور لٹیرا سیاح پیزارو یہاں پہنچا۔ پیرو کے لوگ ہسپانیہ والوں کو بہت اچھی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے پیزارو کی بھی خوب آؤبھگت ہوئی لیکن پیزارو نے اس کا بدلہ یوں دیا کہ وہاں کے بادشاہ یعنی اِن کا اتا ہوالپا کو قید کر لیا۔

اتا ہوالپا پیزارو کے دلی مقصد کو پہلے ہی تاڑ گیا تھا کہ وہ اس طرح سونا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ سونا پیرو میں

کثرت سے تھا۔
اس قیدی بادشاہ نے پزارو سے کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو تو میں یہ کمرہ سونے سے بھر دوں گا اتنا کہ کرو ہ پنجوں پر کھڑا ہوگیا اور دیوار پر انگلی رکھ کر بتایا کہ "یہاں تک"۔ اس کمرے کی لمبائی ۲۲ چوڑائی ۱۷ فٹ اور جہاں بادشاہ نے انگلی رکھی تھی وہاں تک اونچائی نو فٹ تھی پزارو نے اس جگہ ایک لمبی لکیر کھینچ دی اور کہا "ہاں میں راضی ہوں"۔
شہر کزکو کے تمام محلوں اور مندروں سے جتنا سونا ملا۔ اس کمرے میں ڈھیر کر دیا گیا اور ایک مہینے سے بھی کم مدت میں پورا کمرہ سونے سے بھر گیا اس کی قیمت کا اندازہ دو کروڑ ڈالر یعنی چھ کروڑ روپیے سے بھی زیادہ لگایا گیا ہے۔
تمہارا خیال ہوگا کہ پزارو نے یہ سونا لے کر انکا اتاہوالپا کو چھوڑ دیا ہوگا۔ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اس بدمعاش لٹیرے نے اس شریف اور مہمان نواز بادشاہ کو شہر کسا مکا کے ایک چوراہے پر زندہ جلا دیا۔

مصنوعی سپاہی

شہر بوڈاپسٹ میں بعض خطرناک چوراہوں پر پولیس کے مصنوعی سپاہی بنا کے کھڑے کردئے گئے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں بجلی کی ایک ایک ٹارچ دے دی گئی ہے اور بازوؤں پر گھنٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ پشت پر ٹیلیفون ہوتا ہے۔ جن کا تعلق قریب کے تھانے سے ہوتا ہے۔ اس مصنوعی سپاہی کی جیبوں میں سڑکوں وغیرہ کے نقشے بھی ڈال دئے جاتے ہیں کہ ایسے ویسے چور اچکے لوگ یہ سمجھیں کہ سچ مچ یہ پولیس کا سپاہی ہے۔

معلومات

نارتھمبرلینڈ میں ایک موٹر خانے کی ہوا خراب ہو جانے سے ایک شخص کی سانس بند ہو گئی۔ اور بظاہر وہ مر گیا، پولس کے ایک آدمی نے مصنوعی تنفس سے کام لیا اور مُردے میں کچھ کچھ زندگی کے آثار معلوم ہوئے لیکن پھر اس کی سانس بالکل بند ہو گئی۔ پھر مصنوعی تنفس سے کام لیا گیا تو اُس کی سانس چلنے لگی لیکن تھوڑی دیر کے لئے۔ اب وہ بالکل مُردہ معلوم ہونے لگا۔ اب آکسیجن کے آلے سے کام لیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔

ہیلی فیکس میں ایک ۱۳۔ سال کا لڑکا سوئیاں کھا جانا معمولی بات سمجھتا ہے۔ ایک دفعہ مدرسے میں اُس کے ساتھیوں نے اُس سے شرط لگائی تو اُس نے ۸ سیفٹی ریزر کے پھل نکالے اور کھا گیا اُس کے والدین کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے اُس کا ڈاکٹری امتحان کرایا ڈاکٹر نے بتایا کہ اس سے لڑکے کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا ہے۔

ادھیو (امریکہ) کے ایک ستر سال کے بوڑھے مارٹن شیر نے عجیب وغریب گھڑی ایجاد کی ہے۔ یہ دنیا کی سب سے زیادہ عجیب گھڑی سمجھی جاتی ہے۔ اس کی تیاری میں دس برس لگے۔ یہ ارگن باجہ بجاتی ہے۔ گاتی ہے، بات کرتی ہے اور پڑھتی بھی ہے، اس میں لکڑی کے پانچ ہزار ٹکڑے لگے گئے ہیں۔ اور کئی میل کے بجلی کے تار ہیں۔ اس کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کے ۲۷۔ بڑے بڑے شہروں کا وقت بتاتی ہے۔

جرمنی کے ایک پروفیسر نے بہت تحقیقات کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ لوگ سب سے زیادہ بدھ کے دن اور سب سے کم پیر کے دن کام کرتے ہیں۔

جرمنی کا ایک شخص ڈھائی سو گز تک ایک ایسے ہوائی جہاز پر اُڑا جسے وہ خود اپنے پیروں سے چلا رہا تھا۔

ایک پونڈ سونے سے نو سو میل لمبا تار کھینچا جا سکتا ہے۔

ایک امریکن عالم نے برسوں کے تجربے کے بعد شہد کی ایک ایسی مکھی پرورش کی ہے جس کے ڈنک نہیں ہوتا۔ یہ شہد کی عام مکھیوں سے قدوقامت میں بڑی ہے۔ اس سے زیادہ دور اُڑ سکتی ہے۔ بڑا بھاری چھتہ بناتی ہے اور شہد بھی بہت زیادہ مقدار میں جمع کر سکتی ہے۔

نیویارک کا اسٹیشن بنانے میں چون کروڑ روپیہ

صرف ہوتے تھے۔ مزدوروں کے ایک بہت بڑے لشکر نے اسے دس سال میں تیار کیا تھا۔ اسٹیشن کے حدود میں ریلوے لائن کی مجموعی لمبائی تیئیس میل ہے ۴۹ علیحدہ پٹریاں ہیں اور ۲۸ پلیٹ فارم۔ روزانہ آٹھ سو گاڑیاں اسٹیشن پر آتی ہیں۔ ایک لاکھ مسافر بہت آسانی کے ساتھ پلیٹ فارم پر ٹھہر سکتے ہیں۔

اس اسٹیشن پر دھوئیں یا گرد وغبار کا نام نشان نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی گاڑی اسٹیشن سے دو میل دور ہوتی ہے کہ انجن گاڑی سے الگ کر لئے جاتے ہیں اور گاڑی بجلی کے ذریعے اسٹیشن تک لائی جاتی ہے اور اسی طرح اسٹیشن سے لے جائی جاتی ہے۔ اسٹیشن کی چھت آسمان کے نمونے کی ہے اس پر پچیس ہزار ستارے لگے ہوئے ہیں اور ضرورت کے وقت بجلی سے روشن کئے جاتے ہیں۔

زمین میں آہستہ آہستہ تبدیلی ہو رہی ہے اور سائنس کے عالموں کا خیال ہے کہ دو کروڑ برس کے بعد زمین چپٹی ہو جائے گی، اگول نہ رہے گی۔

جرمنی میں اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ صابن کی تیاری میں چربی کی جگہ آلو استعمال کئے جائیں۔

ایک کل کا آدمی تیار کیا گیا ہے جو بجلی کی مدد سے کام کرتا ہے اور بچے کا جھولا اس طرح جھلاتا ہے جیسے کوئی زندہ آدمی جھلاتا ہو اس کے علاوہ یہ چودہ مختلف قسم کی حرکتیں کر سکتا ہے۔ صرف بجلی کا بٹن دبانا پڑتا ہے۔

روس کے سائنس دانوں نے ایک ایسا غبارہ ایجاد کیا ہے جو غبارے کا غبارہ ہے اور چھتری کی چھتری۔ اسے اڑا کر امتحان کیا گیا تو وہ بالکل ٹھیک نکلا۔ اس میں بیٹھ کر لوگ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے۔ وہاں اس کی گیس خارج کر دی تو اس نے ایک چھاتے کی شکل اختیار کر لی۔ اور وہ لوگ نہایت آسانی کے ساتھ نیچے اتر آئے۔

شہر پیرا ز کی ایک عورت کے جسم سے روشنی نکلتی ہے یہ روشنی اکثر سوتے وقت دل کی جگہ نکلتی ہے اور تین چار منٹ تک رہتی ہے، اس کے نکلنے کا وقت رات کا پہلا حصہ ہے جبکہ وہ خوب گہری نیند سوئی ہوتی ہے۔ روشنی کا رنگ بدلتا رہتا ہے کبھی سبز، کبھی سرخ۔

بہت سے تجربوں کے بعد اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ بغیر طبیب کے مشورے کے اسپرین کا استعمال نہایت خطرناک ہے۔ اس کا اثر دل پر نہایت خراب پڑتا ہے، اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی۔ کسی ڈاکٹر کو یہ دوا مریض کو اچھی طرح دیکھے بھالے بغیر تجویز نہ کرنا چاہیے۔

امریکہ کے لشکر کے لئے نئے مصنوعی کان بنائے گئے ہیں یہ بارہ میل کے فاصلے سے ہوائی جہاز کے اڑنے کی آواز سن سکتے ہیں، اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے بعد اسی کان سے نہایت قوی شعاعیں نکل کر ان ہوائی جہازوں پر خود بخود جا پڑیں گی۔ اور لشکر کے لوگ اس ہوائی جہاز کا مقابلہ کر سکیں گے۔ (سائنس)

خط کتابت

ایڈیٹر صاحب! تسلیم

آپ کا رسالہ دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی خصوصیت سے میرے زمرد دوست اس پر بھوکے بنگالیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ میں نہیں جانتا کہ کس کس چیز کی تعریف کروں۔ اس لئے میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے۔ والسلام

ابوطاہر داؤد

مکرمی۔ تسلیم۔ تاسیس نمبر وصول ہوا اس شاندار کامیابی پر مبارک باد عرض کرتا ہوں۔ والسلام

نیازمند، پیارے لال شاکر میرٹھی (ایڈیٹر بچوں کی دنیا الہ آباد)

مکرمی۔ تسلیم۔ تاسیس نمبر ملا۔ تعریف کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ جب سے میں خریدار ہوا ہوں۔ پیام تعلیم کی ترتیب و تہذیب برابر اچھی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔

نیازمند۔ یوسف علی خاں اسد پربھنی دکن

مکرمی۔ تسلیم۔ پیام تعلیم تاسیس نمبر نظر سے گزرا پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ ہر مضمون دو دو دفعہ پڑھا پھر بھی طبیعت چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ واقعی آپ نے بہت محنت اور جاں فشانی سے رسالہ مرتب کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پیام تعلیم کی ترقی کا باعث آپ کی محنت اور جاں فشانی ہے اگر آپ کی کوششیں اسی طرح جاری رہیں تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ ہندوستان کے بچوں کے رسالوں میں یہ سب سے بڑھ جائے گا۔ خدا ہماری (پیام بھائیوں کی) امیدوں کو پورا کرے اور ہمارے رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب ہو۔ حافظ محمد سعید

جناب ایڈیٹر صاحب۔ آپ کے تاسیس نمبر سے نہ صرف ہم ہی خوش ہوئے بلکہ چھوٹے بچے بھی۔ اس میں بچوں اور بڑوں دونوں کے مطلب کی باتیں اور چیزیں موجود ہیں۔ تصویریں بچوں کا اچھا مشغلہ ہیں۔ چنانچہ ننھی آصفہ نے جب سے اسے دیکھا ہے گرویدہ ہے۔ جب اس کے دماغ میں اس کا خیال آتا ہے تو اسی وقت اسے لینے کی فکر کرتی ہے۔ آج صبح سب اپنے کام میں لگے ہوئے تھے اسے کہیں سے رسالے کا خیال آگیا فوراً بھاگی بھاگی کمرے میں آئی۔ پہلے ذرا جھجکی پھر ایک دم رسالہ میز پر سے اٹھا کر لے بیٹھی اور تصویریں دیکھنے لگی۔ ابا میاں کی جو نظر پڑی تو وہ کہنے لگے۔ ہیں ہیں بیٹی! دیکھو یہ پھٹ جائے گا۔ اس وقت اس کے سامنے چمن لال صاحب سیاح کی تصویر تھی۔ کہنے لگی میاں میاں اکا۔ کا نام ہے۔ وہ کہنے لگے تم ہی بتاؤ تو کہنے لگی ماموں ہیں ماموں۔ ابا نے کہا ایسے نہیں پڑھ کر بتاؤ تو وہ کہنے لگی ا ب ت۔ فقط

صالحہ خاتون ہمشیرہ عمر کامل دہلی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔ تاسیس نمبر کے انتظار میں میری عجیب کیفیت تھی۔ ہر وقت آنکھیں دروازے پر لگی رہتی تھیں۔ جس وقت ڈاکیہ سامنے گزرتا تھا بس یہی خیال ہوتا تھا کہ پیام تعلیم لاتا ہوگا۔ ایک دن کا واقعہ آپ کو سناؤں ہنسیے گا نہیں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں چارپائی پر لیٹا

تو کچھ غنودگی آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ تاسیس نمبر ڈاکیہ دے گیا ہے اور کوئی اس کا طبلق بجا رہا ہے۔ میں جلدی سے ہڑبڑا کر اُٹھا اور بڑی زور سے کہا اہا پیام تعلیم آگیا۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ میرے دوست ایک کا غذ پھاڑ رہے تھے۔ بڑی شرمندگی ہوئی۔ اور خیریت اسی میں سمجھی کہ پھر آنکھیں بند کرکے سوتے بن جائیں۔ آخر خدا خدا کرکے تاسیس نمبر آیا اور جیسی اُمید تھی اُس سے بڑھ کر پایا۔ ایک صاحب کو خریدار بنایا ہے اُن کے نام وی پی کر دیجئے۔

والسلام محمد احمد سبزواری

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم۔ پیام تعلیم کا تاسیس نمبر ملا جب تک شروع سے آخر تک پڑھ نہیں لیا ہاتھ سے نہیں رکھا۔ مضمون سب کے سب دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ نظمیں بھی بہت خوب ہیں تصویریں بھی مجھے بے حد پسند آئیں۔ اسلام کی کہانی ہندوستان کی کہانی نئی دنیا اور کامیابی کی راہیں میرے خیال میں بہت اچھے مضمون تھے۔ جاپانی بچوں کا حال پڑھ کر ہندوستانی بچوں کا خیال آگیا کاش ہمارے یہاں کے بچے بھی ایسے ہی ہوتے۔ ہندوستان کی کہانی والی تصویر تو بس آپ کے رسالے کا شاہکار ہے غرض رسالہ شروع سے آخر تک خوب ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں بچوں کے لئے آج تک ایسا پرچہ شائع نہیں ہوا۔ میں آپ کو ایسا اچھا رسالہ نکالنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ والسلام سید نصیر احمد (بی اے)

مکرمی۔ تسلیم۔ آپ کا سالنامہ پہنچا۔ آپ نے بچوں سے باتوں میں لکھا ہے کہ اپنے اس خاص نمبر کے بارے میں بہت دنوں سے نہ جانے کیا کیا خیالات تم اپنے دل میں پکاتے ہوگے خدا کرے تمھاری سب اُمیدیں پوری ہوں۔ اور رسالہ تمھاری توقع سے بھی بڑھ کر مفید اور دلچسپ ہو، تو آپ ہی کے الفاظ میں عرض ہے کہ اس خاص نمبر کے بارے میں نہ جانے کیا کیا خیالات ہم اپنے دل میں پکا رہے تھے خدا نے کیا کہ ہماری سب اُمیدیں پوری ہوئیں اور رسالہ ہماری توقع سے بھی بڑھ کر مفید ثابت ہوا" یہ کامیابی مبارک ہو۔ جیوا د میرٹھی

مکرمی۔ تسلیم۔ تاسیس نمبر ملا۔ جلدی جلدی شوق سے پڑھا اور اس خیال سے کہ کہیں خراب نہ ہو جائے فوراً جلد بندھوانے بھجوا دیا اب جلد بندھ کر آ جائے گی تو اطمینان سے پڑھونگا۔

(دوسرا خط) عید مبارک۔ ابا جان (علامہ راشد الخیری) کی علالت کی وجہ سے خط نہ لکھ سکا تھا مگر اب پیام تعلیم کی محبت نے مجبور کر دیا۔ جمبوں سے ایک بچوں کا رسالہ رتن نکلتا ہے۔ اس میں ابھی ایک صاحب مسمیٰ الفت انوری صاحب نے پیام تعلیم ۱۹۳۳ء کا ایک مضمون اُڑا یا ہے۔ یہ مضمون ابوطاہر داؤد صاحب بی ایس سی کا ہے۔ ہم نے اسے پیام تعلیم والے مضمون سے ملا کر دیکھا تو لفظ بلفظ وہی نکلا یہ کتنے شرم کی بات ہے۔ ہندوستان میں ایسے مضمون نگار بھی بستے ہیں۔ آپ نے مجھے ٹکٹ نہیں بھیجے امتیاز صاحب۔ سعید صاحب اور بدرالدین صاحب کو خط لکھے معلوم ہوتا ہے آپ ان لوگوں کو خط ہی نہیں لکھتے۔ خاکسار سعید الخیری

(الفت انوری صاحب پرانے گنہگار ہیں اس سے پہلے بھی وہ برابر اس قسم کی حرکتیں کرتے رہے ہیں۔ تمھاری اس محبت کا شکریہ۔ ان تینوں حضرات کو ہم نے خط لکھا ہے ابھی جواب نہیں آیا ہے ایڈیٹر)۔

مکرمی تسلیم سب پیام بھائیوں کو عید اور نیا سال مبارک۔ میں نے ٹکٹوں کے متعلق مضامین بہت دلچسپی سے پڑھے اور تقریباً ڈھائی سو ٹکٹ جمع کر چکا ہوں۔ مبادلہ بھی کر سکتا ہوں اگر کوئی صاحب جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، فرانس اور بلجیم کے ٹکٹ مبادلے میں بھیجیں تو بھیج سکتے ہیں میں غیر ممالک کے ٹکٹ فروخت بھی کرتا ہوں۔ ٹکٹوں کی قیمتیں یہ ہیں ابی سینا کے غیر استعمال شدہ ٹکٹ ۳-۳-۴، سلطانی ڈاک کے ٹکٹ ۳-۳-۴، غیر ممالک کے ٹکٹ ۴۰-۵۰ ہر ۱۰۰-۹/ ۱۲۵-۱۰/ میرا پتہ سلطان احمد معرفت حاجی اعزاز علی صاحب بیگم باغ میرٹھ

بچوں کا چڑیا گھر

مس گرٹروڈ فلپس لورن

کبھی چڑیا گھر بھی دیکھا ہے؟ بہت عجیب و غریب جگہ ہے۔ ملکوں ملکوں کے جنگلوں کے عجیب و غریب جانور، ہیبت ناک درندے، قسم قسم کے جنگلی چوپائے اور رنگ برنگ کے خوب صورت پرند۔ غرض اس عجائب خانے میں انسان کو خدا کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان میں گنتی کے چند ہی چڑیا گھر ہیں، بمبئی، کلکتہ، مدراس، کراچی، لاہور، حیدرآباد، پشاور اور لکھنؤ میں اچھے چڑیا گھر ہیں۔ اور بس۔ تم ان جگہوں سے دور رہتے ہو تو بھلا کیسے وہاں تک پہنچ پاؤ گے۔ اچھا تو تم اپنے گھر ہی میں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر کیوں نہ بنا ڈالو، تمھارے لئے یہ چڑیا گھر اصلی چڑیا گھر سے شاید زیادہ دلچسپ ہوگا۔ اسی پرچے میں ہم نے اس چڑیا گھر کی چند تصویریں بھی دی ہیں۔ دیکھو کیسے دلچسپ جانور ہیں۔ یہ تصویریں اور ان کے علاوہ اور بہت سی تصویریں اور ان کے بنانے کے قاعدے ہیں مس فلپس لورن صاحبہ نے مرحمت فرمائے ہیں۔ ان کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ان جانوروں کی تصویریں بنانے میں تمھیں کچھ زیادہ چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی۔

بس ایک قینچی چاہئے۔ ایک اچھی بنی ہوئی پنسل جو نہ بہت سخت ہو اور نہ بہت نرم۔ ایک لکیریں کھینچنے کا رولر۔ کچھ موٹے ڈرائنگ کے کاغذ یا پتلے گتے کے ٹکڑے، تھوڑا سا گوند یا لیہی، اور ایک کاربن (عکس اتارنے کا کاغذ) اگر کاربن نہ ملے تو معمولی پتلے کاغذ کو ایک طرف اپنی پنسل سے خوب کالا کرلو۔ اس سے بھی وہی کام نکل سکتا ہے جو کاربن سے نکلتا ہے۔

ان کے علاوہ تمھیں کچھ آل پنوں کی ضرورت ہوگی۔ ایک موٹی سوئی چاہیے اور ہاتھ صاف کرنے کے لئے تھوڑا سا پرانا کپڑا۔ اور بس۔ ہاتھوں کا صاف ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ جانور سب میلے اور گندے معلوم ہوں گے اور ان کی ساری خوب صورتی جاتی رہے گی۔ کوئی انھیں پسند نہ کرے گا

اچھا اب ان جانوروں کے بنانے کی ترکیب سنو

اس مرتبہ ہم تین جانوروں کے نقشے دے رہے ہیں۔ ان میں سے جو تم پہلے بنانا چاہتے ہو وہ طے کرلو پھر کسی سخت چیز پر اپنا سادہ ڈرائنگ پیپر یا پتلا گتا رکھو۔ اس پر کاربن یا پنسل سے سیاہ کیا ہوا کاغذ رکھو۔ اس کا لحاظ رکھنا کہ کاربن کا وہ رخ نیچے رہے گا جو زیادہ چمک دار ہوتا ہے۔ یا اگر سیاہ کیا ہوا کاغذ استعمال کرو تو اس کا سیاہ رخ نیچے رہے گا۔ اس کے اوپر نقشہ رکھو اور چاروں کونوں پر آل پن لگا دو تاکہ کاغذ کھسکنے نہ پائے اب پنسل اور رولر لے کر بڑی احتیاط سے لکیروں کا عکس اتار لو۔ مگر اس کا خیال رکھنا کہ پوری کھنچی ہوئی لکیروں، نقطوں کی لکیروں اور ٹکڑوں کی لکیروں میں گڑبڑ نہ ہو جائے یعنی جیسا نقشہ بنا ہو بالکل ویسا ہی عکس اترے، کیوں کہ ان میں سے ہر قسم کی لکیر کا ایک خاص

مطلب ہے اور اس سے ایک خاص کام لینا ہے جو تمھیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ سیدھی لکیروں کے کھینچنے کے بعد گولائی کی لکیریں اور آنکھ منہ وغیرہ رولر کی مدد کے بغیر کھینچ لو۔

اس کے بعد نیچے والی آل پنیں نکال لو اور نقشہ اور کاربن ذرا اٹھا کر جھانک کر دیکھ لو کہ کہیں سے ڈرائنگ کے کاغذ پر نقشہ بالکل صحیح اتر آیا ہے۔ یا نہیں۔ اگر کچھ کسر رہ گئی ہو تو اسے پورا کر لو۔ اس کے بعد سب آل پنیں، کاربن اور اوپر کا نقشہ علیحدہ کر کے عکس والا کاغذ لے لو۔ اب اصل نقشے پر جہاں جہاں سیاہ رنگ بھرا ہے مثلاً آنکھ، ناک وغیرہ وہاں تم بھی سیاہ یا کوئی رنگ بھر سکتے ہو۔ جب یہ سوکھ جائے تو قینچی سے باہر باہر کی لکیروں پر چاروں طرف کاٹ لو تاکہ جانور کا ڈھانچہ نکل آئے۔

اب جانور کے تیار ہونے میں بس ذرا سی دیر باقی ہے جہاں جہاں نقطوں یا ٹکڑوں کی لکیریں ہیں۔ ان پر رولر رکھ کر موٹی سوئی سے اس طرح کھرچ دو کہ کاغذ کٹنے نہ پائے صرف اتنا گہرا نشان بن جائے کہ کاغذ آسانی سے مڑ سکے۔ اس کے بعد جو حصے چپکانے کے لئے لکھے گئے ہوں انھیں چپکانا ہوگا۔ لیکن اپنی انگلیوں کی صفائی کا ہمیشہ خیال رکھنا ورنہ جانور میلا ہو جائے گا۔ اور برا لگے گا۔

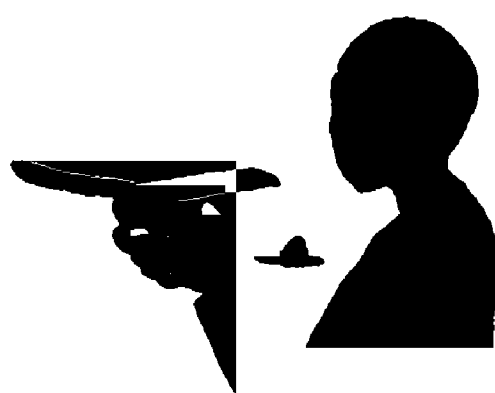
اس کے بعد دم اور گردن کی گولائی کا نمبر ہے اس کی ترکیب بھی بہت آسان ہے ایک پنسل لو اسے مٹھی میں پکڑ کر اس پر اپنا انگوٹھا رکھ لو پھر گردن یا دم جو کچھ گول کرنا ہو اسے انگوٹھے اور پنسل کے بیچ میں رکھ کر آہستہ آہستہ کھینچو کئی دفعہ اس طرح کرنے سے گولائی آجائے گی ہاں اگر دم یا گردن کی گولائی نیچے کو کرنی ہے تو پنسل کاغذ کے اوپر رہے گی اور انگوٹھا نیچے

نقشے کے ساتھ کئی تصویریں بھی دی ہیں۔ جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اگر ٹھیک ٹھیک بنایا جائے تو بننے کے بعد جانور کی کیا شکل ہوگی۔

اچھا اب بسم اللہ کرو۔ یقین ہے کہ اس کھیل میں تمھیں بڑا مزا آئے گا۔

اگلے نمبر میں اللہ نے چاہا تو بہت اچھی اچھی کہانیاں اور دلچسپ مضمون ہوں گے۔ اس پرچے میں جو مضمون تمھیں پسند یا ناپسند ہو ہمیں تم اس کی اطلاع ضرور دینا۔ تمھارا خط ہم پیام تعلیم میں چھاپ دیں گے۔

پیامِ تعلیم





کہانیاں

مکتبہ جامعہ نے بچوں کے لئے مزے مزے کی دلچسپ کہانیوں کا سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے ۔ یہ کہانیاں پیام تعلیم میں چھپ چکی ہیں اور بچوں نے انھیں بے حد پسند کیا ہے ان کی تعریف میں بے شمار خط ۔ ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس آچکے ہیں اسی لئے اب مکتبہ جامعہ نے انھیں علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں نہایت اچھے کاغذ پر

بہت خوشنما چھپوایا ہے

اس بات کا خیال رکھو کہ جب ایک روپیہ سے کم کی کتابیں منگانا ہوں تو بجائے وی پی سے منگانے کے ٹکٹ بھیج دو اس کے ساتھ دو آنے محصول بھی ضرور بھیجنا ۔ ایک روپیہ سے زیادہ کی کتابیں بھی تم منی آرڈر بھیج کر منگا سکتے ہو وی پی سے خرچ زیادہ پڑ جاتا ہے پیام تعلیم کے خریداروں سے محصول ڈاک معاف لیکن خط میں نمبر خریداری اور اس اعلان کا حوالہ ضروری ہے



مرزا غالب کا نام تم نے بہت سنا ہوگا۔ یہ اردو زبان کے مشہور شاعر تھے ۱۷۹٦ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے مگر زیادہ حصہ دہلی میں گزارا اس لئے دہلوی کہلائے۔ ۱۵ فروری ۱۸۹٦ء کو دہلی ہی میں انتقال کیا۔ پچھلی فروری کی ۱۵ اور ۱٦ کو انجمن یادگار غالب کی طرف سے ان کی سترھویں برسی منائی گئی۔ مرزا غالب پر اچھے اچھے مضمون پڑھے گئے، جلسے منائے گئے اور شاندار مشاعرہ ہوا۔ دہلی کے ریڈیو اسٹیشن پر بھی حضرت خواجہ حسن نظامی علامہ کیفی اور مسٹر آصف علی نے مرزا غالب پر تقریریں کیں اور گانے والوں نے ان کی اچھی غزلیں گائیں۔



امتیاز حسین خاں صاحب بی۔ اے۔ جامعہ۔ آپ جب سے لندن گئے ہیں پیام تعلیم کے لئے برابر اچھے اچھے مضمون بھیج رہے ہیں۔ اس پرچے میں بھی ایک دلچسپ مضمون شائع ہو رہا ہے۔



مس شفیع [illegible] صاحبہ ہندوستان کی مشہور آرٹسٹ ہیں۔ بچوں کی تعلیم سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ مضمون لکھتی ہیں تصویریں بناتی ہیں اور بچوں کی تعلیم کی ترقی کے سلسلہ میں طرح طرح کے مفید مشورے دیتی ہیں۔ اس پرچے کا ٹائٹل [illegible] بھی ان کا بنایا ہے۔ بہت سی اچھی اچھی تصویریں بھی ان ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور ٹائٹل پر ایک دلچسپ مضمون بھی ہے۔

پیامِ تعلیم

"پیام بھائیوں کو عید مبارک!"

جلد ۱۹ | مارچ سنہ ۳۶ء | نمبر ۳

فہرستِ مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی جامعہ پریس دہلی

قیمت سالانہ عہ

پیام تعلیم کے نئے خریدار

قیمت فی پرچہ ہر

ہیڈ ماسٹر صاحب ٹریننگ اسکول ۔ فرید نگر
جناب اختر حسن صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ۔ مونگھیر
جناب عبدالخالق صاحب ۔ دھلی ۔
اینگلو اردو اسکول ۔ الوت محل
محمد جعفر صاحب ۔ حیدرآباد
حمید عمر صاحب ۔ چکراتا
منشی فتح الدین صاحب منشی فاضل ۔ گوجرہ وال
ہیڈ ماسٹر صاحب ہائی اسکول ۔ محمود آباد
ہیڈ ماسٹر صاحب عربک ہائی اسکول ۔ دھلی
مس قمر جہاں صاحبہ بنارس ۔
جناب سکریٹری صاحب میونسپل کمیٹی ۔ برہانپور

جناب سکریٹری صاحب اسکول کمیٹی آفس ۔ بمبئی
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ اسکول بسداسیو ٹیٹھ
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ مڈل اسکول ۔ امباد
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب اینگلو اردو ہائی اسکول ۔ پونا
جناب محمد شریف صاحب حاجی چک مغلانی
جناب محمد رحمت اللہ صاحب عباسی وکیل ۔ بھرتی پور
جناب شکور حسن صاحب ۔ جے پور
جناب مدرس اول صاحب مدرسہ عربی ۔ کارا
جناب اودے پرتاب سنگھ صاحب ۔ بنارس ۔
جناب احمد بخش، چاند بخش صاحبان ۔ کپاسن
جناب درشن سنگھ صاحب شرما ۔ کدرکوٹ

جناب خواجہ رفعت اللہ صاحب سینیٹری انسپکٹر بنارس
محمد رکن الدین صاحب ۔ محبوب نگر
انوار محمد خاں صاحب ۔ الوت محل
مرزا حفیظ اللہ بیگ صاحب ۔ کالی
ہیڈ ماسٹر صاحب میونسپل اسکول ۔ نگینہ

جناب ابو محمد صاحب جامعی شاہ آباد
جناب نہال احسن صاحب ۔ کلکتہ ۔
جناب لکھی پربھو دیال صاحب ۔ علی پور
جناب محمود الظفر صاحب اورنگ آباد
سید ابوالفضل صاحب ۔ حیدرآباد دکن

جناب سید صبغۃ اللہ صاحب کاظمی ۔ شملہ
جناب محمد احسن مرزا صاحب ۔ الور
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول بارہ بنکی
جناب ملا محمد صاحب
جناب آنریری سکریٹری صاحب ایم اے سوسائٹی ۔ رنگون

بچوں سے باتیں

پچھلی جنوری اور فروری کے مہینوں میں بہت بڑے بڑے لوگ اس دنیا سے چل بسے ۔ ہزمجسٹی جارج پنجم، رڈیارڈ کپلنگ لارڈ ریڈنگ، مسٹر سکلتوالا، یہ سب دنیا کے نامی گرامی لوگ تھے ہزمجسٹی جارج پنجم دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ تھے رڈیارڈ کپلنگ انگریزی کے بہت بڑے شاعر، یہ ہندوستان کے مشہور شہر کانپور میں پیدا ہوئے تھے۔ لاہور کے انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کی میز اور کرسی اس اخبار کے دفتر میں اب تک محفوظ ہے ۔ لارڈ ریڈنگ ہندوستان کے وائسرائے رہ چکے ہیں۔ مسٹر سکلتوالا بمبئی کے مشہور پارسی خاندان سے تھے اور بہت بڑے لیڈر تھے۔ آج کل اپنے کاروبار کی وجہ سے لندن ہی تھے ۔ وہیں اُن کا انتقال ہوا۔

مسلمانوں میں حافظ ہدایت حسین خاں صاحب اور علامہ راشد الخیری کی موت نے سب کو دلی صدمہ پہنچایا۔ حافظ صاحب بہت پرانے قومی کام کرنے والے تھے ۔ دلی میں کسی قومی کام ہی کے سلسلے میں تشریف لائے تھے یکایک دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔ علامہ راشد الخیری خاص دلی کے رہنے والے تھے ساری عمر مسلمان عورتوں کی اصلاح کی کوشش میں گذاری اس کے لئے انھوں نے بہت سی درد بھری کتابیں لکھیں۔ اپنا مشہور رسالہ عصمت جاری کیا اور چھوٹی لڑکیوں کے لئے "بنات" اور سینا، پرونا، کاڑھنے کا کام سکھانے کے لئے "جوہر نسواں" نکالا۔ مسلمانوں کی چھوٹی بچیوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا، غرض مرحوم کو ہمیشہ دھن رہی کہ کسی طرح مسلمان عورتیں ترقی کریں اور اچھی مائیں اور اچھی بہنیں بنیں

ہمیں مولینا کے انتقال سے دلی صدمہ ہے اور اپنی اور تمھاری طرف سے اُن کے عزیزوں خاص کر عزیزی سعد الخیری کے پاس دلی ہمدردی کا پیام پہنچاتے ہیں۔ ہم چاہتے کہ تم بھی مرحوم کے بڑے بیٹے جناب رازق الخیری صاحب یا سعد الخیری صاحب کے پاس تعزیت کے خط بھیجو۔

پتہ :۔ دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی ۔ کافی ہوگا۔

ہمارا ارادہ ہے کہ اگلے پرچے میں مرحوم کے مفصل حالات شائع کئے جائیں ہم نے ان کے چھوٹے صاحبزادے سعد الخیری صاحب کو لکھا بھی ہے اگر انھیں موقع نہ ملا تو ہم خود لکھنے کی کوشش کریں گے

پچھلے مہینے پیام تعلیم کی بہت پرانی مضمون نگار محترمہ غ، س نے انتقال کیا۔ گھر کی مصروفیتوں کی وجہ سے اب انھیں مضمون لکھنے کا موقع کم ملتا تھا۔ تاہم انھیں پیام تعلیم کی موجودہ ترقی سے بہت دلچسپی تھی ۔ ہمیں اس حادثے میں ان کے عزیزوں خصوصاً اپنے دوست جناب اختر حسن صاحب فاروقی استاد جامعہ سے دلی ہمدردی ہے

دو مہینے سے ہم نے پیام تعلیم کا خط ذرا باریک کر دیا ہے مقصد یہ تھا کہ پرچے میں مضمون زیادہ آ جائیں اور بچوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ ویسے ہمیں یہ خیال ضرور تھا کہ کہیں بچوں کو اتنا باریک خط ناپسند نہ ہو اور ہم اُن کی رائے کا انتظار کر رہے ہیں لیکن اب تک سوائے عقیدہ خاتون کے اس باریک خط کے بارے میں ہمارے پاس کوئی شکایت نہیں پہنچی ہے۔ البتہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے چھوٹے بچوں نے اس خط کو ناپسند کیا ہے اس لئے اس پرچے میں ہم نے زیادہ تر موٹے خط میں مضمون لکھوائے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ بچے اس بارے میں اپنی رائے لکھ کر بھیجیں۔ ان ہی کی رائے کے مطابق ہم کام کریں گے

دو مہینے سے ہم نے انعامی مقابلے کے سلسلے میں کوئی چیز شائع نہیں کی ہے۔ اب کے ایک بہت عمدہ تجویز ہمارے ذہن میں آئی ہے اور وہ یہ کہ تم اپنی پسند کی ایک بہترین نظم انتخاب کرکے ہمیں بھیج دو۔ یہ بھی لکھو کہ نظم میں کیا خاص خوبی ہے جس کی وجہ سے تم اسے پسند کرتے ہو جس کی نظم سب سے بہتر ہوگی اسے ایک اچھا سا انعام دیا جائے گا

تم اپنی معلومات بڑھانے یا تمہارے دل میں کوئی سوال پیدا ہوتا ہو اس کے حل کرنے یا اپنے کسی شک کو دور کرنے کے لئے ہمیں بے تکلف خط لکھ دیا کرو۔ ہم فوراً جواب دینے کی کوشش کریں گے اگر یہ سوال و جواب دوسرے بچوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہوئے تو ہم انہیں پیام تعلیم میں بھی شائع کر دیں گے

بچے اور بعض بڑے بھی اپنے مستقل مقام سے کہیں جانے کے بعد پتے کی تبدیلی کی نہ تو ہمیں اطلاع دیتے ہیں نہ "ڈاکخانے" کو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پرچے یا تو ضائع ہو جاتے ہیں یا واپس آجاتے ہیں۔ اس مرتبہ اس طرح کے کئی پرچے ہمارے پاس واپس آگئے ہیں ان کے نام کی دوسری جگہ لکھ دیئے گئے ہیں امید ہے کہ آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا

پرچے میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ایک کئی اچھے اچھے مضمون شائع ہونے سے رہ گئے ہیں ان میں کشن کی کہانی "سلیم لاسکی" "لندن میں" وغیرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں یہ اپریل کے پرچے میں شائع ہوں گے۔

فروری نمبر کے ضمیمے کو بچوں نے بہت پسند کیا اور ہمارے پاس اس کی تعریف میں بچوں کے بہت سے خط آئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس سلسلے کو بہت دنوں تک جاری رکھیں اس پرچے میں بھی ایک ضمیمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ان جانوروں کے بنانے میں کچھ دقت ہو یا کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، تو ہمیں یا آپا جان (مس فلپس بورن صاحبہ) کو خط لکھو تمہیں فوراً جواب دیا جائے گا

بعض بچے اپنے خطوں میں پورا پتہ نہیں لکھتے خریداری کا نمبر لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ان کا پتہ دریافت کرنے کے لئے دفتر میں رجسٹر دیکھنا پڑتے ہیں اس سے ہمیں بھی دقت ہوتی ہے اور مینیجر صاحب کو بھی اور بعض وقت غیر ضروری طور پر کام بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے بچے اپنے خطوں میں خاص کر ایسے خطوں میں جن کا وہ جواب چاہتے ہوں اپنا پورا پتہ لکھیں۔ اور ہماری پریشانی کا خیال رکھیں۔



امتیاز حسین صاحب (از لندن)

ہمارے عزیز وظیفہ یافتہ امتیاز حسین صاحب بی اے جامعہ کا ایک مضمون جنوری کے پرچے میں چھپ چکا ہے آج ہم اُن کا دوسرا مضمون شائع کرتے ہیں مقصد یاد ہو گا کہ امتیاز صاحب نے لندن شہر اور وہاں کی مختلف چیزوں کے بارے میں مضمونوں کا ایک سلسلہ لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ مضمون اس سلسلے کا نہیں ہے جامعہ میں کالج کے لڑکوں کا ایک قلمی رسالہ جوہر نکلتا ہے۔ یہ مضمون امتیاز صاحب نے اسی کے لئے بھیجا تھا۔ اور تمہاری دلچسپی کی خاطر ایڈیٹر صاحب "جوہر" سے اجازت لے کر ہم اُسے یہاں شائع کر رہے ہیں۔

لندن اور ایک لندن کیا یورپ کے سبھی شہر ہر لحاظ سے ہندوستانی شہروں سے بہت آگے ہیں اسی لئے بعض ہندوستانی طالب علم وہاں جا کر کچھ ایسے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر ہوتا ہے کہ بڑی تیزی سے اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ اس مضمون سے تمہیں اندازہ ہو گا کہ امتیاز صاحب نے اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھا ہے اور یہ نتیجہ ہے جامعہ کی اچھی تربیت اور تعلیم کا (ایڈیٹر)

نو سال تک برابر جامعہ میں منانے کے بعد یہ پہلی عید تھی جو میں نے جامعہ سے باہر رہ کر منائی اور وہ بھی کتنی دور۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں اس وقت جامعہ اور جامعہ والے کتنے یاد آتے ہوں گے۔ جامعہ میں چھٹی ہونے کی وجہ سے عید کچھ بہت زیادہ زوردار تو نہیں رہی ہو گی۔ آپ میں سے اکثر حضرات نے اپنے اپنے گھر پر رشتہ داروں میں خوشی منائی ہو گی، میں نے نہ جامعہ میں نہ رشتہ داروں میں بلکہ ایک نئے ملک اور نئے لوگوں میں۔ اس کا حال ممکن ہے تھوڑی دیر کے لئے آپ کی دلچسپی کا باعث ہو۔

۲۷ دسمبر کو عید تھی۔ اس سے دو تین روز پہلے سے موسم بڑا اچھا ہو گیا تھا۔ سردی بالکل نہیں رہی تھی ۲۵ اور ۲۶ کو یہاں کے لوگوں کا کرسمس یعنی بڑا دن تھا۔ ۲۵ کو کرسمس اور ۲۶ کو بوکسنگ ڈے BOXING DAY کہلاتا ہے۔ بس ایسا ہی سمجھئے جیسے ہمارے یہاں عید کے بعد بڑا دن۔ کرسمس ان لوگوں کا سب سے بڑا تہوار ہے جیسے ہماری عید۔ ان دو دنوں میں میں قصداً یہاں کے بڑے بڑے بازاروں میں پھرا تاکہ دیکھوں یہ لوگ اپنے تہوار کو کس طرح مناتے ہیں۔ تمام دکانیں اور ریسٹورنٹ بند تھے سڑکوں پر اکا دکا آدمی نظر آتا تھا۔ ایسے چوراہوں پر جہاں ایک طرف سے دوسری طرف جانا بڑا مشکل ہوتا ہے اور اکثر سرنگ کے ذریعے سے جانا پڑتا ہے۔ صرف چند موٹریں نظر آتی تھیں ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ ہماری عید سے ان کا تہوار کتنا مختلف ہے۔ ہمارے یہاں عید کے دن عجب شان نظر آتی ہے کرسمس کے دن یہاں لندن بالکل اجاڑ معلوم ہوتا تھا۔ یہ لوگ کرسمس گھروں کے اندر مناتے ہیں۔ ان کا تہوار صرف خاندانی ہے۔ اور ہمارا خاندانی اور جماعتی دونوں۔

عید سے پہلے والی رات کو تنہا کمرے میں بیٹھ کر اقبال کی نظم غرۂ شوال کئی دفعہ پڑھی۔ اور اپنی سمجھ میں لگائی

بھی۔ مگر یہ گانا اپنی طبیعت کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ اس قابل نہ تھا کہ کوئی دوسرا سنتا اور نہ کوئی سننے والا تھا۔ اس روز جو لطف اس نظم کے پڑھنے میں آیا پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

ووکنگ مسجد کے امام صاحب نے جمعہ کے دن عید منانے کے لئے دعوت نامے بھیجے تھے انھوں نے اس میں ساڑھے گیارہ بجے نماز کا وقت دیا تھا۔ حمید صاحب اگر ان کا پورا نام لکھا جائے تو ڈاکٹر قاضی عبدالحمید بی اے (جامعہ) پی ایچ ڈی ہے کے ساتھ چاپلٹ پایا تھا انھوں نے مجھ سے نو بجے اپنے یہاں آنے کے لئے کہا تھا۔ اس دن مجھے خوشی اور رنج دونوں تھے۔ رنج اس کا تھا کہ گھر اور جامعہ سے دور ہوں خوشی عید کی تھی۔ صبح ہی آنکھ کھل گئی دہلی میں چھ بجے اٹھنا بہت معمول تھی۔ لیکن یہاں بالکل رات ہوتی ہے۔ سردی نہ ہونے کی وجہ سے دن اچھا تھا۔ اتنے صبح اٹھتے ہوئے بڑا اچھا معلوم ہوا۔ خود بخود طبیعت نماز پڑھنے کو چاہی۔ سب سے پہلے وضو کرکے فجر کی نماز پڑھی اس کے بعد حجامت بنائی کپڑے بدلے شروانی پہنی۔ سردی کی وجہ سے کھدر کا پاجامہ پہننا مشکل تھا، گاندھی ٹوپی پہنی اس ٹوپی کی وجہ سے بڑی دلچسپی رہی، جس کو دیکھو بڑے غور سے دیکھتا تھا۔ خاص طور پر عورتیں، یہاں کی عورتیں دنیا میں جتنی قسم کی ٹوپیاں ہیں، سب پہنتی ہیں۔ گاندھی ٹوپی بھی ان میں آجاتی ہے۔ ایک صاحب کا تو خیال ہے۔ کہ یورپ میں جتنی عورتیں ہیں اتنی ہی مختلف ٹوپیاں ہیں، انور ترکی، گاندھی، امان اللہ ٹوپی مجھے تو بہت سوں کے نام بھی نہیں آتے پھر ان میں نئی نئی ایجاد کرکے پہنی جاتی ہیں یہ شاید سمجھتی ہوں گی کہ میں کسی عورت سے مانگ کر پہن آیا ہوں

خیر یہ لوگ تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے تو کوئی بات نہ تھی۔ لطف تو یہ ہے کہ میرے ایک ہندوستانی مسلمان دوست جنھیں ابھی مشکل سے تین مہینے آئے ہوئے ہیں اور جن کے خیالات اسلام اور ہندوستان کے متعلق اتنے قلیل عرصے میں بہت کچھ بدل گئے ہیں، کو بھی پسند نہیں آئی۔ میں اور وہ شام کا کھانا کھاکر باہر ٹہلنے کے لئے نکلے تو انھوں نے مجھ سے ٹوپی اتارنے کو کہا۔ میں نے کہا پہنے رہنے میں ہرج بھی کیا ہے کہنے لگے کہ دوسرے لوگ دیکھ کر ہنس رہے ہیں میں نے کسی کو ہنستے نہیں دیکھا۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا کہ انھیں ایسی صورت میں جب کہ میں یہ ٹوپی پہنے ہوئے ہوں میرے ساتھ چلنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ خیر اپنے پر جبر کرکے ان کی خاطر سے ٹوپی اتاری۔ ٹوپی کی کہانی بہت طویل ہوگئی

کپڑے بدل کر بغیر ناشتہ کئے ہوئے کوئی پونے نو بجے حمید صاحب کے یہاں پہنچا۔ وہ ابھی اٹھے بھی نہیں تھے انھیں جلدی سے اٹھایا۔ انھیں تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی، تھوڑا سا ناشتہ انھیں کے یہاں کیا اور جلدی سے ہم لوگ اسٹیشن پر آگئے۔ ووکنگ مسجد لندن سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک گاڑی ہمارے سامنے چھوٹ گئی دوسری گاڑی اس کے آدھ گھنٹے کے بعد جاتی تھی اور یہ آخری گاڑی تھی۔ زیادہ تر لوگ پہلی گاڑیوں سے جاچکے تھے۔ اس آخری گاڑی سے ہم صرف آٹھ دس آدمی تھے۔ چالیس منٹ میں ووکنگ پہنچے اسٹیشن سے کوئی چار فرلانگ کے فاصلے پر مسجد ہے۔ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ جلدی جلدی چلنا شروع کیا۔ ہم جب پہنچے ہیں تو نماز شروع ہوچکی تھی جلدی سے جوتے اتار کر جماعت میں شریک ہوگئے۔ حافظ وہبہ سعودی حکومت

کے نمائندے نے نماز پڑھائی۔ خطبہ انگریزی میں پڑھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد عید خوب ملی گئی مگر زیادہ لوگ جان پہچان کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ لطف نہیں آیا مختلف اسلامی ممالک کے لوگ موجود تھے۔ بہت سے طالب علم نماز پڑھنے کے لئے مختلف یونیورسٹیوں سے آئے تھے چھٹیاں ہونے کی وجہ سے ان کے لئے آنا آسان تھا۔ رفعت صاحب آکسفورڈ سے آئے تھے ان سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی کل تعداد ڈھائی تین سو کے قریب تھی۔ زیادہ ہندوستانی تھے ترکی ٹوپی اور شیروانی زیادہ نظر آتی تھی۔ چار چھ آدمی عربی لباس میں تھے۔ کچھ پگڑیاں بھی تھیں۔ ایک صاحب شلوار پہنے ہوئے تھے۔ گاندھی ٹوپی بے چاری اکیلی تھی۔ کچھ غیر مسلم تماشا دیکھنے آئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے پیچھے کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ نماز ختم ہونے پر تصویر لی گئی۔ چار وغیرہ کا انتظام تھا۔ اس وقت سویاں بہت یاد آئیں۔ ووکنگ

مسجد چھوٹی سی ہے۔ جس میں مشکل سے پچاس ساٹھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے عید کی نماز کے لئے علیحدہ خیمے میں انتظام کیا گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ جمعہ کی نماز مسجد کے اندر ہوئی۔ یہ نماز مولوی آفتاب الدین احمد نے پڑھائی۔

ڈھائی بجے وہاں سے چل دئے۔ ساڑھے تین بجے کانگریس کی جوبلی ۔۔ کی تقریب میں شریک ہونا تھا۔ ٹھیک وقت پر پہنچ گئے۔ کانگریس کی تاریخ پر بہت سی تقریریں ہوئیں کھانے پینے کو بھی ملا۔ چھ بجے یہاں سے فرصت ملی۔ شام کا کھانا انڈین اسٹوڈنٹ یونین INDIAN STUDENT UNION ہی میں کھایا۔ اس طرح سے یہ دن خوب لطف سے کٹا۔ اور شاید چار مہینے میں جب سے آپ لوگ چھوٹے ہیں۔ بہترین دن تھا۔





سبز دیو



از سید نصیر احمد صاحب جامعی

ہمارے گاؤں میں ایک لڑکا تھا ظہیر بہت شریر اور نٹ کھٹ ۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا ۔ پڑھنے لکھنے سے اسے سخت نفرت تھی ۔ اس کے ماں باپ نے اسے مدرسے میں داخل کرا دیا تھا ۔ مگر وہ وہاں سے اکثر بھاگ جاتا اور سارا سارا دن کھیلتا رہتا ۔ نہ باپ کا کہنا مانتا نہ استاد کا سب اس سے تنگ تھے

ایک دن وہ باغ میں کھیل رہا تھا کہ ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی ٹانگیں ٹیڑھی تھیں اور ایک لانبی سی ٹوپی اوڑھے تھا ۔

جب وہ قریب آیا تو ظہیر نے شرارت اور بدتمیزی سے کہا "او ٹیڑھی ٹانگوں والے تمھارے سر پر جو ٹوپی ہے اس کے دام کیا ہیں "

"تم بڑے بدتمیز ہو جی بات کرنا بھی نہیں جانتے

بوڑھے آدمی نے جواب دیا "یہ ٹوپی میرے پردادا کی ہے ، تم میری ٹیڑھی ٹانگوں کا مذاق اڑاتے ہو مگر میں ان سے تم سے زیادہ دوڑ سکتا ہوں "

ظہیر کھلکھلا کر ہنس دیا اور کہا "واہ بھئی واہ میں ایک ٹانگ سے بھی دوڑوں تو تم میری گرد کو نہیں پہنچ سکتے

اچھا میں دوڑتا ہوں ۔ تم مجھے پکڑو ۔ یہ کہہ کر اس نے دوڑنا شروع کیا اور ظہیر اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ کسی طرح ہاتھ ہی نہیں آتا تھا ظہیر نے بہت تیز دوڑنا شروع کیا مگر اسے نہیں پکڑ سکا ۔

"دیکھا میری ٹیڑھی ٹانگوں کو" بوڑھے نے کہا ۔

"ابھی رہنے دو" ظہیر نے جواب دیا ۔ تم تھوڑی دیر میں تھک جاؤگے ۔ اور پھر میں تمھاری گردن ۔

پکڑ لوں گا۔"

وہ دونوں دوڑتے رہے بہت دیر تک دوڑتے رہے باغ ختم ہوگیا۔ گاؤں کے کھیت گذر گئے۔ جنگل پیچھے رہ گیا۔ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ اس کے دوسری طرف اُتر گئے۔ مگر بوڑھا آدمی ٹیڑھی ٹانگوں سے ایسا دوڑ رہا تھا جیسے ہرن ہو یا خرگوش۔ آخر ظہیر تھک گیا اور اس نے چلا کر کہا۔ "ٹھہرو بڑے میاں ٹھہرو۔"

یہ سن کر بوڑھا ٹھہر گیا۔ ظہیر نے دیکھا کہ اتنا دوڑنے کے بعد بھی وہ بالکل تازہ دم ہے۔ ہاں اس کی ناک ذرا خشک ہوگئی تھی۔

ظہیر نے پوچھا۔ "بھلا ہم کتنے میل دوڑے ہوں گے۔"

"تیس میل دو فرلانگ، تین روپے چار آنے چھ پائی۔" بڑے میاں نے جواب دیا "تمھارا نام کیا ہے۔" ظہیر نے تعجب سے پوچھا۔

"میں سبز دیو ہوں۔"

ظہیر ڈر گیا اور چاہا کہ بھاگ جائے۔ مگر فوراً خیال آیا کہ وہ ایک ہی جست میں اُسے پکڑ لے گا۔ وہ سبز دیو کو دیکھنے لگا اور تم بتا سکتے ہو۔ اس نے کیا دیکھا! اس نے دیکھا کہ اس کا سر گھوم رہا ہے لٹو کی طرح۔ تھوڑی دیر میں وہ اور تیزی سے گھومنے لگا۔ آخرکار اس کی گردن سے الگ ہوگیا۔

"ارے توبہ" ظہیر مارے خوف کے چلا اٹھا۔

لیکن سبز دیو نے اپنا سر پھرتی سے پکڑ کر اسے پھر گردن میں لگا لیا اور وہ گھوم کر اپنی جگہ پر ٹھیک سے لگ گیا۔

"دیکھا تم نے" سبز دیو نے کہا مجھے اس سے بڑا آرام ملتا ہے جب چاہا سر الگ کر لیا جب چاہا لگا لیا۔ کیا تمھارا سر بھی الگ ہو سکتا ہے۔

"ہٹو جاؤ بھی" ظہیر نے کہا کیا مذاق بنا رکھا ہے میرا سر ایسا نہیں ہے۔"

ابھی اس نے مشکل سے یہ الفاظ ختم ہی کیے تھے کہ اس کا سر گھومنے لگا اور تھوڑی دیر میں گردن سے الگ ہو کر گھاس پر گر گیا۔

"ارے ارے" ظہیر کے منہ سے چیخ نکل گئی اس نے اپنا سر گھاس سے اُٹھایا اور اپنی گردن میں لگانے کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی طرح ٹھیک بیٹھتا ہی نہیں تھا۔

آخر اس نے سبز دیو سے کہا "آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ میرا سر لگادیں گے۔"

"تم اس قابل نہیں ہو" سبز دیو نے جواب دیا "اول تو تم بُرے بدتمیز ہو اور دوسرے اپنا کام خود کرنا چاہتے ہو۔"

اظہر میاں کی ساری شرارت رفو چکر ہوگئی اور اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا "میں بدتمیزی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سر لگا دیجئے۔"

سبز دیو رحم دل اور نیک تھا اس نے اس کا سر ہاتھ میں لے لیا۔ مگر دیکھتے ہی چلا اٹھا "ارے اس سر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بالکل خالی ہے۔ کیا تم مدرسے نہیں جاتے کچھ پڑھتے لکھتے نہیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ چار پنجے کتنے ہوتے ہیں؟"

ظہیر کو پہاڑے کہاں یاد تھے۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا "پندرہ"

"خوب اچھا ظاہر کے ہجے تو کرو۔"

"ذال الف زبر آح ...."

"بس رہنے دو، بالکل غلط، تم تو کچھ بھی نہیں جانتے خیر میں تمھارا سر لگائے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سبز دیو نے اس کا سر گردن سے لگادیا لیکن سر غلطی سے الٹا لگ گیا تھا یعنی منہ پیٹھ کی طرف تھا سبز دیو نے بہت کوشش کی کہ اس کا سر ٹھیک ہو جائے لیکن وہ کسی طرح ٹھیک ہی نہیں ہوتا تھا۔

"ظہیر نے رو کر کہا۔ اب میں گھر کیسے جاؤں گا؟"

"بس الٹے چلے جاؤ۔ تھوڑی سی مشق کافی ہوگی" سبز دیو نے کہا "اچھا خدا حافظ۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگیا۔

ظہیر نے الٹا چلنا شروع کیا اور کہیں دو روز کے بعد اپنے گھر پہنچا۔

اس کے ماں باپ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اگرچہ وہ شریر تھا لیکن تھا تو ان کا بیٹا لیکن جب اس کا الٹا سر دیکھا تو انھیں بہت تکلیف ہوئی فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کئی ڈاکٹر بڑے شہروں سے بلائے گئے انھوں نے بہت سی دوائیں دیں لیکن سر کسی طرح ٹھیک ہی نہیں ہوتا تھا۔

جب ڈاکٹروں کی دواؤں سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو لوگوں کے کہنے سے ایک جادوگرنی کو بلایا گیا۔ وہ

بڑی مشکلوں سے آئی اور کہا کہ اسے دو درجن چھپکلی کی آنکھیں اور تین درجن خرگوش کے گردے کھلائے جائیں تو اس کا سر ٹھیک ہو جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کا سر ٹھیک ہو گیا۔

وہ دن ہے اور آج کا دن ظہیر نے سب شرارتوں سے توبہ کر لی ہے۔ وہ اب مدرسے جاتا ہے اور معلوم کر چکا ہے کہ چار پنج کتنے ہوتے ہیں اور ظاہر کے ہجے کیا ہیں۔

اوکھلے میں بنک کا تفریحی جلسہ

(از ایڈیٹر)

پچھلے پرچے میں ہم جامعہ کے بچوں کے بنک کی تصویر شائع کر چکے ہیں اسی سلسلے میں اس تفریحی جلسے کا ذکر بھی کیا گیا تھا جو ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو اوکھلے میں ہوا تھا۔

یہ تو ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ یہ بنک جامعہ کے ابتدائی مدرسے تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے بچوں نے آج سے ۳ سال پہلے صرف ۲۵ روپے سے قائم کیا تھا مگر اچھے انتظام کی وجہ سے اس نے بہت جلد اپنا اعتماد قائم کر لیا اور ہوتے ہوتے اس ننھے سے بنک میں کوئی آٹھ سو روپے جمع ہو گئے پچھلی جنوری میں بنک کے ناظم صاحب نے اعلان کیا تھا کہ اگر پورے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہو جائیں تو اس خوشی میں بہت بڑا جلسہ کیا جائے گا اس اعلان کا ہونا تھا کہ ایک ہفتہ میں کوئی ۲۰۰ روپے جمع ہو گئے بہت سے استادوں اور ان لوگوں نے بھی جن کا تعلق جامعہ سے ہے روپے جمع کرائے۔

آخر اعلان کے مطابق اوکھلے میں یہ دلچسپ اور خوشی کی تقریب منائی گئی جمعرات کو ۹ بجے صبح خاکسار منزل کے سامنے سب طالب علم اور استاد جمع ہوئے لاریوں میں جگہیں پہلے سے محفوظ کر لی گئی تھیں اسی حساب سے سب لوگ ان میں بیٹھ کر ادھر روانہ ہوئے اور کوئی آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ پہلے جامعہ کی عمارت کی سیر کی جو ابھی بن رہی ہے پھر بنک کا جلسہ ہوا جس میں اگلے سال کے لئے بنک کے نئے عہدہ داروں کا انتخاب کیا گیا اور پچھلے سال کی رپورٹ سنائی گئی۔ پروفیسر مجیب صاحب اس جلسے کے صدر تھے جلسہ ختم ہونے پر جامعہ کے استادوں اور طالب علموں میں کرکٹ کا میچ ہوا جو بہت دلچسپ تھا اور برابر رہا اس عرصے میں ہمارے آرٹسٹ جناب ادیا ما صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ کی مکمل عمارت کی بہت خوبصورت تصویر بنا ڈالی۔ (یہ اگلے نمبر میں شائع ہو گی) کھیل کے بعد کھانا کھایا جو بہت مزے دار تھا پھر سب مل کر دریا کے کنارے گئے اور بچوں نے کبڈی کھیلی یہ کھیل بھی دلچسپ تھا اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی گئی اور پھر جادوگر کا تماشہ ہوا خوب مزے مزے کے دلچسپ اور حیرت میں ڈالنے والے کھیل دیکھے۔ ابھی تھوڑی دیر رہا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا نماز پڑھ کر قوالی شروع ہوئی اور اسی درمیان میں چائے کا دور چلنے لگا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور نماز پڑھ کر چلنے کی تیاری شروع ہوئی سب لاریوں میں بیٹھ کر قرول باغ سدھارے۔

یہ سارا دن کچھ ایسی دلچسپی میں گزرا کہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اتنا بڑا تفریحی جلسہ جس میں اتنی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ جامعہ میں کبھی نہیں ہوا یہ سب کچھ اس ننھے منے بنک، اور ماسٹر عبد الغفار صاحب مدھولوی کی بدولت ہوا اس جلسے کا سارا انتظام ان ہی کے ذمے تھا انھوں نے ہمیشہ کی طرح بہت خوش اسلوبی سے اسے انجام دیا آخر میں ہم ماسٹر صاحب کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اس بنک کو ایسی مسرتیں سال میں کئی بار نصیب ہوں۔

گلائڈر

کا

نمونہ

(از ادیابا صاحب)

1

پچھلے مہینے ، ہم نے گلائڈر کا حال بیان کیا تھا اور تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے پرچے میں اس کے بنانے کی ترکیب بھی بتائیں گے ، اڈیٹر صاحب سے یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے اس مضمون کو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا اس لئے ہم بھی وعدے کے مطابق اس پرچے میں گلائڈر بنانے کی ترکیب اور اس کا نقشہ شائع کر رہے ہیں ۔ ہم نے خود بھی نیچے کی ہدایتوں کے مطابق دو ہوائی جہاز بنائے ہیں دونوں بہت اچھے بنے ہیں امید ہے کہ تم بھی انھیں اسی دلچسپی سے بنانے کی کوشش کروگے ۔ ہم نے یہ ہدایتیں بہت آسان اور سہل زبان میں لکھی ہیں تاکہ تم انھیں اچھی طرح سمجھ سکو ۔ پھر بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اڈیٹر صاحب کو لکھ بھیجنا ۔ اُن کے ذریعے ہم تم کو بتا دیں گے

ہدایتیں :-

ٹریسنگ پیپر کے ذریعے نقشے کو موٹے ڈرائنگ پیپر پر اتارو ۔ اس نقشے کے چار حصے ہیں A ۔ B ۔ C ۔ D ان چاروں حصوں کو قینچی سے باہر باہر کاٹ لو ، کونوں اور اندر کے حصوں کو چاقو سے کاٹنا

A ۔ پہیوں سمیت گلائڈر کا اصلی حصہ ہے ۔

B ۔ جسم کے نیچے کا حصہ ہے ۔ اس میں دم اور سامنے کا حصہ بھی شامل ہے ۔

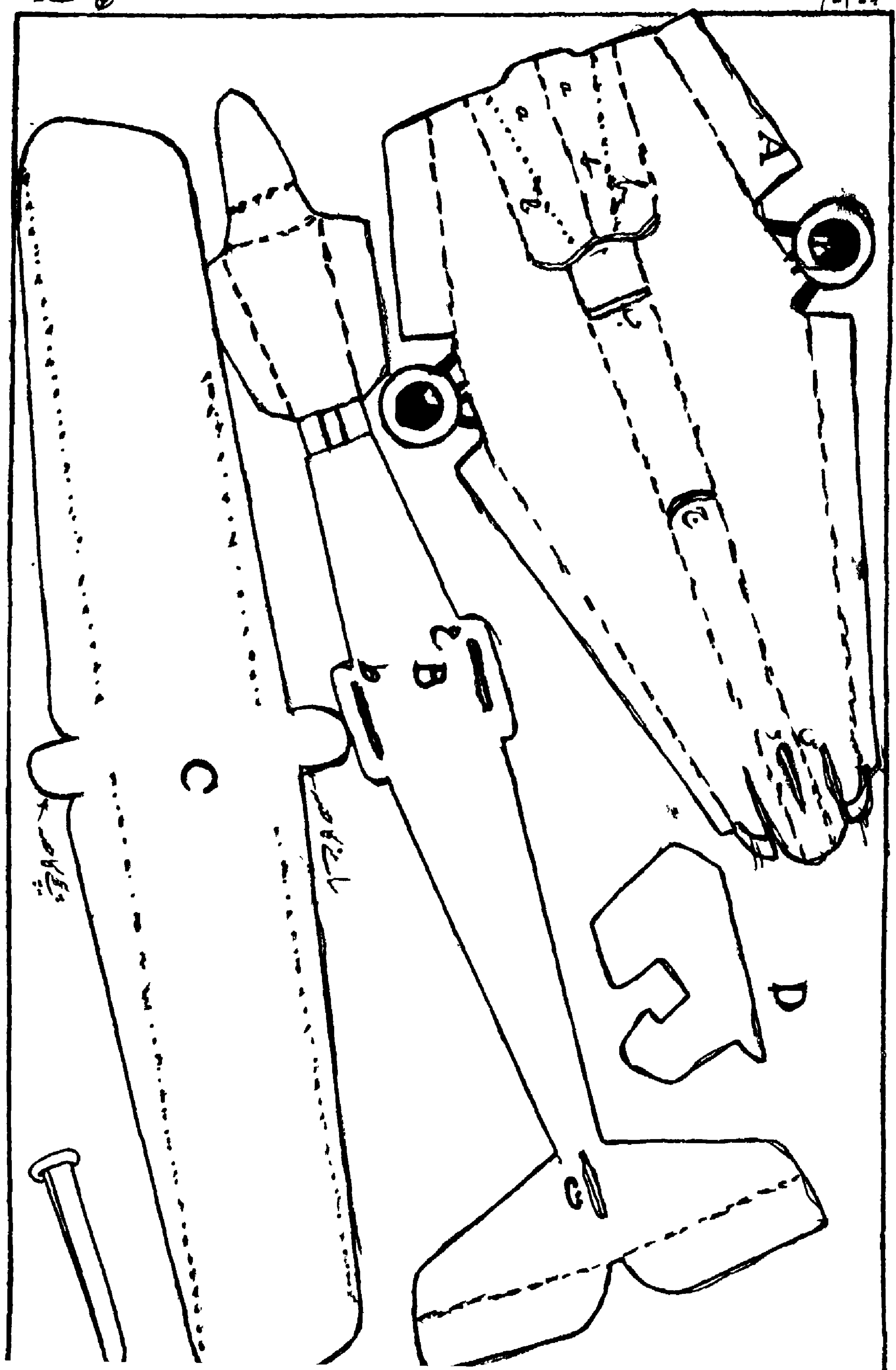
C ۔ اوپر کے بازو یا پر ہیں ۔

D ۔ پتوار ہے جو دم میں لگایا جاتا ہے ۔ اسی میں نیچے کا حصہ بھی ہے ۔ جو زمین سے لگا رہتا ہے ۔ ؟

اندرونی حصوں میں جہاں جہاں دوہری لائنیں ہیں انھیں بہت احتیاط سے تیز چاقو سے کاٹو ۔ اس کا خیال رکھو کہ لائن سے زیادہ نہ کٹنے پائیں ۔ ورنہ ان سب کو جوڑنے میں دقت ہوگی ۔ کل اندرونی حصے جنھیں کاٹنا ہے تعداد میں دس ہیں یعنی ا ، ب ، ج ، د ، س ، ش ، ص ، ط ، ع ، ف ۔

ا ایک جوڑ ہے W کی طرح ہے اور ج دائرے کا ایک حصہ ہے باقی سب سیدھے ہیں ۔

تم نے چاروں حصے کاٹ لئے ہیں تو A کے حصے کو


A
B
C
D

لے لو اور اس میں کٹی ہوئی لکیروں کو نیچے اور نقطے والی لکیروں کو اوپر کی طرف جھکا دو یا موڑ دو۔ کاغذ موڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ ایک پٹری رکھ کر ناخن یا قلم کے پیچھے کے نوک دار سرے سے نشان ڈال دو (زیادہ نوک دار نہ ہو) اس سے یہ ہوگا کہ کاغذ بھی نہ کٹے گا اور نشان بھی پڑ جائیں گے۔ اور تم آسانی سے موڑ سکو گے۔

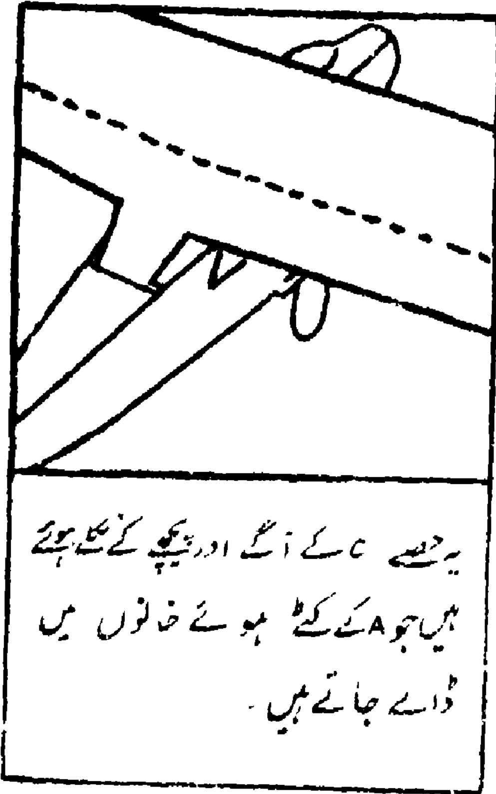
حصہ B تمھیں بہت احتیاط سے بنانا چاہیے لیکن اگر تم نقشے کو غور سے دیکھ لو گے تو کوئی دقت نہ ہوگی۔

حصہ A کا سامنے کا حصہ اس طرح تہ کیا جاتا ہے کہ a اور a آپس میں مل جاتے ہیں اور b اور b ایک سطح پر آجاتے ہیں۔ b b کو ہموار رکھنے کے لیے اس پر ایک پیپر کلپ لگا دو اس طرح وہ اپنی جگہ قائم رہے گا اب تم B کا سرا A کے الف میں ڈال سکتے ہو۔ B کے کٹے ہوئے حصے ط اور ع میں سے پہیے نیچے کی طرف نکلیں گے۔



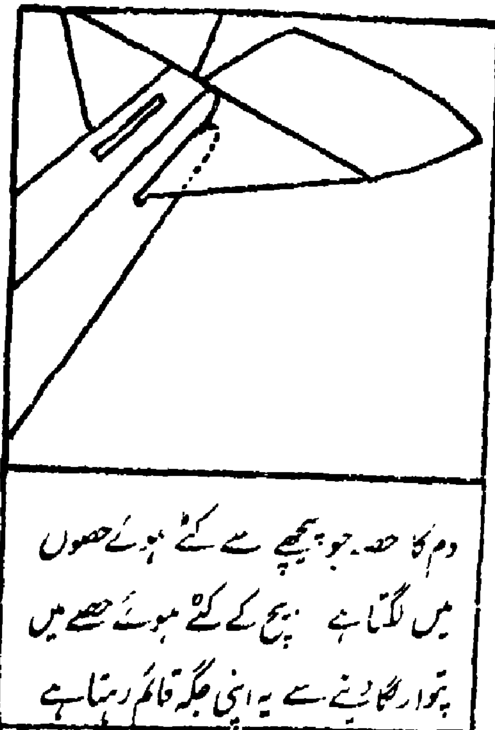
دیکھو حصہ A کس طرح موڑا جاتا ہے اور حصہ B نیچے سے پہیوں پر سے ہوتا ہوا کس طرح سے اوپر کو موڑا جاتا ہے۔

C کے سامنے کا حصہ A میں ڈال دو اور C کا پیچھے کا حصہ A کے بیچ میں ڈال دو



یہ حصے C کے آگے اور پیچھے کے نکلے ہوئے ہیں جو A کے کٹے ہوئے خانوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

B کا پیچھے کا حصہ A کے س اور س میں لگا دو۔ اس طرح کہ ف ، د کے نیچے آجائے



دم کا حصہ۔ جو پیچھے سے کٹے ہوئے حصوں میں لگتا ہے بیچ کے کٹے ہوئے حصے میں پتوار لگا دینے سے یہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے

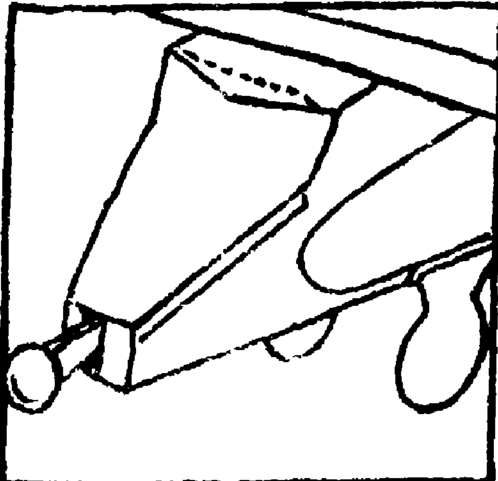
اب پہیئے ، ع ، اور ط کے اندر سے نیچے کی طرف نکال لو۔ پھر B کا سامنے کا حصہ اوپر کی طرف موڑ و اور A کے الف میں ڈال دو۔ (دیکھو شکل نمبر ۱۱)

اب وہی پیپر کلپ نکال کر پھر "ص" میں سے اندر لگا دو یا سوئی تاگے سے دونوں طرف ایک ٹانکہ لگا دو۔

اب D کو لو اور "ق" کو ح اور ف میں سے نکال کر کاغذ سیدھا کر دو کہ پھر نکلنے نہ پائے

اب تمھارا گلائڈر یا ہوائی جہاز تیار ہو گیا اسے اُڑانے کے لئے دم اور پر (c) کے بیچ سے اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھے سے نیچے کی طرف پکڑو اور اونچا کرکے آہستہ سے آگے کی طرف چھوڑ دو تمھارا گلائڈر بہت خوب صورتی سے آگے جاکر زمین پر اتر آئے گا بالکل اس طرح جیسے سچ مچ کا ہوائی جہاز اترتا ہے۔

اگر گلائڈر منہ کے بل زمین پر آجائے تو اس کے ٹائے کے دونوں سروں کو بہت ذرا سا اوپر کی طرف موڑ دو اگر اب بھی یہ ٹھیک طرح سے زمین پر نہ اترے تو اس کے منہ پر ہلکا سا وزن یعنی ایک چھوٹی سی آل پن لگا دو۔ اس کی کامیابی بہت کچھ بنانے والے پر بھی ہے۔



سامنے کا مکمل حصہ۔ دیکھو پیپر کلپ کہاں لگا ہے۔ پیپر کلپ کو تہ کئے ہوئے حصے کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے۔

مختلف ہلکے وزن لگا کر اور پروں کو اوپر نیچے موڑ کر تم تجربہ کر سکتے ہو۔ اور کھڑی پتوار کو اگر تم داہنے طرف موڑو گے تو یہ بائیں طرف مڑے گا۔ اور بائیں طرف موڑو گے تو داہنی طرف مڑے گا۔





بچّوں سے

محترمہ مس فلپس بورن معلمہ کنڈر گارٹن تعلیمی مرکز نمبر ا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

میں یہ چند سطریں پیامِ تعلیم میں اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے ایک ایسے کام کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جو تمہارے ہاتھ بٹائے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کام سے تمھیں اتنی ہی دلچسپی ہوگی جتنی مجھے ہے۔

اچھا اب سنو۔ میرا مطلب کیا ہے۔

مجھے یقین ہے تم اور تمہارے بھائی بہن اور دوست پیامِ تعلیم کو بلاناغہ پڑھتے ہوں گے۔ اور اچھی اچھی تصویریں بھی بناتے ہوں گے تصویروں سے میرا مطلب فوٹو سے نہیں ہے بلکہ ان تصویروں سے ہے جو کاغذ پر پنسل، سیاہی یا رنگ سے بنائی جاتی ہیں چاہے وہ کسی چیز کی تصویریں ہوں، مثلاً پھولوں کی، جانوروں کی، درختوں کی۔ پہاڑوں اور ندیوں کی، جہازوں اور کشتیوں کی، بازاروں کی جس میں خوب صورت دوکانیں ہوتی ہیں۔ اور سینکڑوں ہزاروں چراغ یا بجلیوں کے قمقمے جگمگ جگمگ کرتے ہیں۔ سڑکوں پر چلنے والے گھوڑوں کی تمہارے سکول کی، تہواروں اور میلوں کی، کھیل کود کی، سردی گرمی کی، دھوپ بارش کی، سیر تفریح کی، غرض کسی چیز کی تصویر ہو جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔ یا جو تم کو پسند ہو۔

ہاں تو اس قسم کی تمام تصویریں تم جمع کرو۔ اور ہر تصویر کے نیچے بنانے والے کا پورا نام اور پتہ لکھ دو یا علٰحدہ کاغذ پر لکھ کر چپکا دو۔ اس کے علاوہ بنانے والے کی عمر بھی لکھنا چاہئے۔ اور اگر وہ سکول میں پڑھتا ہے تو اپنے ڈرائنگ ماسٹر کا نام بھی لکھنا چاہئے۔ لیکن جو کچھ لکھا جائے نہایت خوش خط، اور بالکل صاف ہو، تاکہ مجھے پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ میری زبان تو جرمن ہے مجھے جب سے تمہارے بہت سے بھائیوں نے "آپا جان" بنایا ہے۔ اس وقت سے اردو سیکھنا شروع کی۔ اب کچھ سیکھ تو لی ہے۔ لیکن اگر تم صاف صاف اور

وش خط نہ لکھوگے تو میں کیسے پڑھ پاؤں گی۔ دوسرے وش خط لکھنا خود بھی اچھی بات ہے۔

تم یہ معلوم کرنے کے لئے ضرور بے چین ہوگے لآخر میں ان تصویروں کا کیا کروں گی۔ سنو، ہمارے مدرسہ جامعہ ملیہ میں روزانہ لڑکے بڑی اچھی اچھی تصویریں بناتے ہیں بعض لڑکوں کو تو ڈرائنگ کا بہت ہی شوق ہے ہم ان تصویروں میں سے اچھی اچھی چن لیتے ہیں اور انھیں اپنے نمائش کے کمرے میں رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ چھوٹے بچے اپنی ایک علیحدہ نمائش بھی کیا کرتے ہیں یہ نمائش بڑی دلچسپ ہوتی ہے۔ ہر لڑکا اپنے پچھلے مہینے کی تصویریں کاٹ کر انھیں گتے پر چپکاتا ہے۔ پھر ان میں خوب صورت رنگین ڈورے باندھتا ہے۔ تاکہ وہ دیوار میں لٹکائی جاسکیں۔ جب سب تصویریں اس طرح دیواروں پر آویزاں[1] ہوجاتی ہیں تو ہر لڑکا باری باری سے اس کمرے میں جاتا ہے۔ سب تصویروں کو نہایت غور سے دیکھتا ہے اور اپنے ماسٹر صاحب کو بتاتا ہے کہ کون سی تین تصویریں اسے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ (پہلی نمائش میں تو ایسا ہوا کہ بعض لڑکوں نے خود اپنی تصویریں پسند کیں اور بعد میں اس پر خوب ہنسے) اس طرح جو تین تصویریں سب سے زیادہ پسند کی جاتی ہیں ان کے بنانے والوں کو انعام دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی تصویریں واقعی بہت اچھی ہوتی ہیں تو ہم انھیں چوکھٹے میں جڑوا کر اسکول یا بورڈنگ ہاؤس میں لٹکا دیتے ہیں۔

اب تک تو ہم صرف جامعہ کے بچوں کی بنائی ہوئی تصویروں کی نمائش کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان کے دوسرے بچوں کی بنائی ہوئی تصویریں بھی نمائش میں رکھیں۔ اس لئے تم اپنی اچھی اچھی تصویریں ہمیں ضرور بھیجنا، ہم انھیں نمائش میں رکھیں گے اور جو اچھی ہوں گی ان کے بنانے والوں کو انعام دیں گے

ہماری اس تجویز کا ذکر تم اپنے ماسٹر صاحب سے بھی کرنا امید ہے کہ وہ اس معاملے میں تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کسی اور تصویر کی نقل کر کے نہ بھیجنا۔ صرف وہی تصویریں بھیجنا جو تم نے

[1] لٹکی ہوئی۔

اپنی طبیعت سے بنائی ہوں۔

اس طرح یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ ہم تم کون کون سی چیزیں پسند کرتے ہیں۔ گویا ہم ایک دوسرے کی طبیعت کو تصویروں کے ذریعے سے پہچان جائیں گے اور ہمارے تمہارے درمیان اس طرح محبت پیدا ہو جائے گی۔

ہاں اگر کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے لکھ کر پوچھ لینا میں ضرور اس کا جواب دوں گی۔ تمہاری آپا جان

ان سب ٹکڑوں کا عکس ایک موٹے کاغذ پر اتار لو پھر اس کاغذ کو قینچی سے کاٹ کر جوڑ لو پھر دیکھو یہ کون صاحب بنتے ہیں۔

مختلف ملکوں کے بچے

فرانس کی ننھی میری

(محمد حسین حسان)

ننھی میری فرانس کے ایک فارم میں رہتی ہے آج وہ صبح تڑکے سے اٹھ بیٹھی ہے۔ کوئی بات ضرور ہے بہت خوشی کی بات، ویسے بھی فرانس کے لوگوں کو منہ اندھیرے اٹھنے کی عادت ہے۔ بچوں کو بھی سویرے اٹھا دیتے ہیں انہیں سست اور کاہل بچوں کی طرح بستر پر اینڈنے نہیں دیتے

میری کی امی اور ابا جان پہلے ہی اٹھ گئے تھے ناشتہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ میری کا ناشتہ کیا تھا بس گرم دودھ کا ایک پیالہ اور پاؤ روٹی کا ایک توس۔ فرانس میں کئی قسم کی اچھی اچھی روٹیاں تیار ہوتی ہیں۔ گھر کی پکی ہوئی روٹی جو دیہات میں کھائی جاتی ہے کچھ کالی ہوتی ہے مگر بہت مزے دار

بات یہ تھی کہ آج میری کے چچا آرہے تھے اور میری کو انہیں لینے کے لئے اسٹیشن جانا تھا۔ یہ فرانس کے اکثر علاقوں کی سیر کر چکے تھے اور میری کو اچھے اچھے قصے سناتے تھے میری نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور بڑے شوق سے صبح کے کاموں میں لگ گئی۔ سب سے پہلے وہ خرگوشوں کو دانہ ڈالنے دوڑی۔ پھر دوسرے کام کئے

فرانس میں دیہات کے مکان آنگن کے چاروں طرف بنائے جاتے ہیں۔ میری کا مکان بھی اسی طرح بنا ہوا ہے۔ چاروں کونوں پر گول مینار بھی ہیں صحن کے ایک طرف بھینسال ہے یہاں گائیں بندھی رہتی ہیں۔ اور دودھ دوہا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہل جوتنے والے بڑے بڑے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ یہ گھوڑے بہت اچھی نسل کے ہیں۔ نہایت مضبوط اور خوب صورت۔ ان سے وہاں ہل جوتنے اور بوجھ اٹھانے کا کام لیا جاتا ہے۔ پاس ہی بطخوں اور مرغیوں کے تار سے گھرے ہوئے دربے ہیں۔ دوسرے کونے میں ایک چھوٹا سا حوض ہے ایک طرف نیچے سے سائبان ہیں دیہاتی گاڑیاں اور کھیتی باڑی کے اوزار ہیں۔ میری کا گھر کھپریل کا ہے، چھپر کا رواج بھی عام ہے۔ گھر کے سامنے بڑا سا باغ ہے اس کے چاروں طرف احاطے کی چار دیواری ہے۔ باغ میں آلو، ناشپاتی اور آلوچہ کے درخت ہیں ترکاریوں کی کیاریاں ہیں جن کے چاروں طرف خوب صورت پھولوں کے پودے ہیں یہیں ایک کونے میں تلے اوپر خرگوشوں کے پنجرے ہیں۔ ان میں خرگوشوں کے چھوٹے چھوٹے خوب صورت بچے بھی

کوئی کالا، کوئی سفید۔

میری سب کاموں سے فارغ ہو چکی تو اسٹیشن جانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ماں تو پہلے سے تیار ہو چکی تھی میری نے بھی جلدی جلدی کپڑے پہنے اور ماں کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ دونوں ماں بیٹیاں کھڑاؤں پہنے تھیں فرانس کے دیہات میں اس کا عام رواج ہے۔ سڑک پر جب وہ اپنی ماں کے پیچھے دوڑتی تھی تو اس کی کھڑاویں گٹ گٹ بولتی تھیں



جیسے ہی یہ دونوں اسٹیشن پر پہنچیں، گاڑی بھی آگئی چچا نے اترتے ہی ننھی میری کو گود میں لے لیا اور خوب پیار کیا پھر وہ دونوں کو پاس کے کیفے (فرانس میں ہوٹل یا رستوران کو کہتے ہیں) میں لے گیا اور پھلوں کا مزے دار شربت پلایا۔

جب گھر کی طرف چلنے لگے تو راستے میں چچا نے میری کو اپنے بچپن کے قصے سنائے۔ جب وہ ٹور کے خوبصورت قصبے میں رہتا تھا۔ بیچوں بیچ ایک شان دار خوب صورت گرجا تھا۔ آبادی کے چاروں طرف انگور کے سرسبز و شاداب باغ، بہار کے خوش گوار موسم میں کس طرح انگور کے تختے مزدوروں سے بھرے رہتے تھے۔ جو اپنی ٹوکریاں اودے اودے انگوروں سے بھر کر پیٹھ پر لاد لیتے تھے۔ رات کو بڑی بڑی گاڑیاں انگوروں سے بھری اور پھولوں سے سجی گھروں پر آتی تھیں اور خوشے چننے والے مزدور کیسے مزے مزے سے گاتے تھے۔ اس نے میری کو اپنی سفر کی باتیں بھی بتائیں۔

وہ لیون جیسے شان دار شہر بھی ہو آیا تھا جہاں دنیا کی بہترین مخمل اور ریشم کے کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ اس نے فرانس کے جنوبی ساحل کا بھی سفر کیا ہے جو بحر روم کے نیلگوں پانی سے گھرا ہوا ہے جہاں تاڑ اور سنتروں کے درخت اور قسم قسم کے خوب صورت پھل ہوتے ہیں

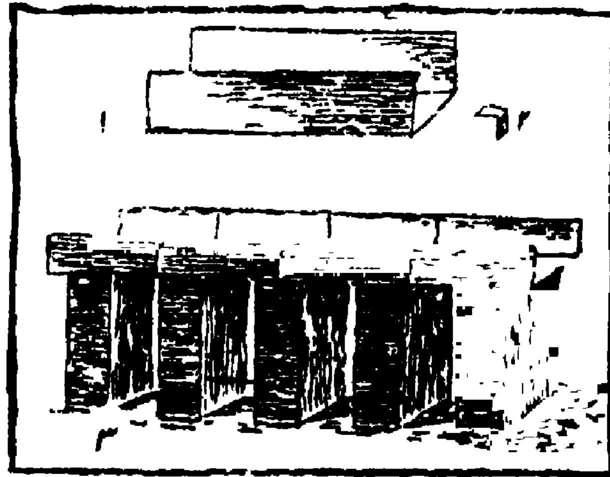
اس نے فرانس کے مشہور بندرگاہ مارسیلز کی بھی سیر کی ہے جہاں تمام دنیا کے جہاز نظر آتے ہیں وہ بورڈو جیسے مشہور شہر بھی ہو آیا ہے جہاں سے بہترین قسم کے انگور آتے ہیں۔

میری اپنے دل میں چچا کو بہت بڑا سیاح سمجھ رہی تھی اس کا جی چاہتا تھا کہ چچا میاں اس قسم کے قصے برابر سناتے رہیں۔ مگر افسوس کہ یہ وقت بھی بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور گھر آگیا۔

دیاسلائی کا پل

(چھوٹے بچوں کے لئے)

آج ہم تمھیں دیاسلائی کے خالی بکسوں سے ننھا منھا خوب صورت سا پل بنانے کی ترکیب بتائیں اس میں تمھیں کوئی دقت نہ ہوگی۔ بس ایک قینچی لے لو۔ تھوڑا سا گوند یا سریش اور سات دیاسلائی کے خالی بکس۔ دیاسلائی کے چار بکسوں میں سے خانے نکال لو اور ان کے دونوں سروں کی دیواریں قینچی سے کتر دو اب انھیں ایک دوسرے سے ملا کر گوندے اس طرح جوڑو کہ پل کی سڑک بن جائے۔ گویا یہ پل کا



ایک حصہ تیار ہو گیا۔ اب ستونوں کے لئے بھی پانچ بکس لے لو اور ان پر اوپر کے حصے یعنی سڑک کو چپکا دو۔ چپکانے کے لئے کونے بہت کار آمد ہوں گے (شکل نمبر ۲) ان بکسوں میں سے خانے نہ نکالو۔ اس لئے کہ اس سے سڑک کو ان بکسوں سے چپکانے میں آسانی رہے گی۔

شاہزادہ اس کی طرف بڑھا مگر وہاں کچھ نہ تھا اس کو خیال ہوا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے، دوسرے دن وہ پھر فوارے کے پاس آکر بیٹھا اور وہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اب اس کو کامل یقین ہوگیا کہ وہ لڑکی سچ مچ غمزدہ ہے۔ اب وہ سوچنے اور افسوس کرنے لگا کہ ہائے ہماری سلطنت میں ایسے بھی مصیبت زدہ ہیں۔

ایک دن وہ مصیبت زدوں اور دکھیوں کا حال معلوم کرنے نکلا۔ راستے میں چلا جا رہا تھا کہ ٹھٹکا گیا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی بے چارا مصیبت کا مارا بڈھا ہے۔ کئی دن کا بھوکا پیاسا اور بہت ہی پریشان۔

بڈھے نے رو کر کہا "افسوس راستے میں بھی چین نہیں"

ولی عہد نے محبت سے اُٹھاکر اسے بٹھا دیا اور کہا "بابا تم تو شاہی محل کے سامنے اکثر گھوما کرتے ہو۔ وہی فقیر ہو نا؟ مگر تم اس قدر رنجیدہ کیوں ہو؟ کچھ بتاؤ۔ شاید میں تمھاری مصیبت دور کرسکوں"

بڈھے نے جواب دیا۔ "نہیں بیٹا! میرا دکھ نہیں دور ہوسکتا۔ اور میری داستان۔ بہت دردناک اور لمبی ہے مگر تم اس ہمدردی سے پوچھتے ہو تو سنو،

میں اس سلطنت کے وزیر کا بدنصیب لڑکا ہوں۔ اپنے باپ کے ساتھ شاہی محل میں رہتا تھا۔ یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ راجہ اور رانی بڑے ظالم اور خونی تھے، جسے چاہتے تھے کھڑے کھڑے قتل کرادیتے تھے۔ اُن کے مرجانے پر رعیت بہت خوش ہوئی اور اس امید پر کہ تم عادل اور رحم دل راجا ہوگے تمھیں ولی عہد بنادیا"

شاہزادے نے کہا "یہ سب درست ہے لیکن وزیر کی اولاد ہوکر تمھاری یہ حالت کیوں کر بنی؟"۔

بڈھے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "یہی بتا رہا ہوں۔ یہ تو تم سن چکے ہو کہ میں شاہی محل کے ایک حصے میں رہتا تھا۔ میری شادی ہوگئی اور ایک بچی بھی پیدا ہوگئی۔ اس وقت تک میرے لئے دن عید اور رات شبِ برات تھی۔ مگر بدقسمتی

طلسمی فوارہ



از جناب اظہر علی صاحب فاروقی لیکچرر اودے پرتاپ کالج بنارس

(۱)

راجہ اور رانی کے مرجانے پر وہ ولی عہد بنا دیا گیا۔ راجہ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ ابھی چھوٹا تھا سنگ مرمر کے محل میں رہنا اور سونے کے پلنگ پر سونا۔ اچھے سے اچھا کھانا کھانا اس کا کام تھا۔ بھلا اس کے عیش و آرام کا کیا پوچھنا پھر بھی وہ خوش نہ تھا۔ کبھی کبھی اس کے جی میں آتا تھا کہ وہ محل سے بھاگ جائے اور بچوں کے ساتھ مل کر کھیلے۔ اور ان سے مزے مزے کی بھولی بھالی باتیں کرے۔

شاہی محل میں ایک پائیں باغ تھا جب اس کا دل بہت گھبراتا تو وہاں ٹہلنے چلا جاتا لیکن سوائے اس کے کہ منہ لٹکائے اِدھر اُدھر گھوما کرے اس کی کوئی دل بستگی نہ تھی۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک فوارہ تھا اور فوارے کے چاروں طرف ایک چبوترہ۔ ایک دن وہ اسی چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اور فوارے سے نکلتے ہوئے موتیوں کو دیکھنے لگا۔ فوارے سے سچ مچ کے موتی نکلتے تھے لیکن چھوتے ہی وہ پانی ہو جاتے تھے۔ اس وقت اس کے پاس ایک کتاب بھی تھی۔ اسے نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ مگر طبیعت نہ لگی اور پھر فوارے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے ایک لڑکی دیکھی جو بہت خوب صورت کپڑے پہنے تھی اور ولی عہد شہزادے کی طرف ہاتھ پھیلائے چلا رہی تھی "مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ!!"

وہ آنکھیں پھاڑ کر فوارے کی طرف دیکھنے لگا۔ ہزاروں موتی بن اور بگڑ رہے تھے۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ یہ موتی اس لڑکی کی آنکھوں کے آنسو تھے

دیکھو کہ ایک دن راجہ اور رانی کی غصے کی آگ
بھڑک اٹھی اور میں اس کے شعلوں میں جل گیا۔"
بڈھا اتنا کہہ کر رونے لگا۔ شاہزادے نے
پوچھا "اچھا بتاؤ! راجہ اور رانی کیوں غصہ ہوئے"
بڈھے نے ضبط کرکے جواب دیا۔ "میری بیوی
کی آواز بہت اچھی تھی گانے کے فن میں اسے کمال
حاصل تھا۔ اس کی الاپ میں درد اور آواز میں
رسیلا پن تھا۔ ایک اندھیری رات میں راجا
اور رانی سیر کرنے نکلے۔ میری بیوی اس وقت
بچی کو سلانے کے لئے لوری دے رہی تھی راجا
سے کسی نجومی نے کہہ دیا تھا کہ اس سال اگر وہ کسی
عورت کو گاتے سن لے گا تو اس پر کوئی آفت آئے
گی، رانی نے اس کی رسیلی آواز سنی اور اس مکان
پر کوئلے سے نشان بنا دیا۔
دوسرے دن مجھے بلا کر حکم دیا کہ دیکھو جس کے
مکان پر کوئلے سے نشان ہے اُسے پکڑ لاؤ۔
میں نے محل کے تمام کوارٹر دیکھ ڈالے کہیں
وہ نشان دکھائی نہ دیا۔ ٹہلتے ٹہلتے میری نظر
اپنے کمرے پر پڑی اور اس نشان کو پایا۔ بس
سر سے پیر تک کانپ گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ
کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ میں نے آکر عرض کیا
حضور! نشان تو میرے ہی مکان پر ہے۔"
رانی نے پوچھا۔ "کون گا رہا تھا۔ بڑی
مکروہ اور بھدی آواز تھی۔"
میں نے کہا "خدا حضور کو سلامت رکھے
میرے گھر میں ہوگی۔"
رانی نے گرج کر کہا "کیا تمھیں نہیں معلوم
کیوں گا رہی تھی اسے بچہ سمیت پکڑ لاؤ۔"
میں نے بہت منت سماجت کی۔ لیکن
رانی نے ایک نہ سنی اور حکم دیا کہ فوراً شاہی محل سے
نکل جاؤ۔ ہم لوگ نکال دئے گئے۔ میرے باپ
وزارت کے عہدے سے الگ کر دئے گئے۔ اتنے
ہی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ سب مروا دئے گئے۔
صرف میں مصیبت جھیلنے کے لئے بچ گیا۔"
اتنا کہہ کر بڈھا زار و قطار رونے لگا۔
شاہزادے نے پوچھا "اور تمھاری چھوٹی لڑکی کیا
ہوئی" بڈھے نے کہا "اسے شیروں نے کھا ڈالا
راجہ نے حکم دیا کہ اسے شیروں کے سامنے ڈال دو

شہزادہ " مگر شیر تو وہاں ہیں نہیں "۔

بڈھا " محل کے بائیں باغ میں آدھی رات کو شیروں کے گرجنے کی آواز سنائی دے گی اور شیر بھی دکھائی دیں گے"۔

یہ تمام ماجرا سن کر شاہزادہ محل میں لوٹ آیا اور تلوار لے کر باغ میں پہنچا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ رات کی تاریکی اور خاموشی نے عجیب خوفناک منظر پیدا کر دیا تھا۔ مگر شاہزادہ ہمت کر کے فوارے تک پہنچ گیا۔ موتی برابر نکل رہے تھے شیروں کی کہیں آہٹ تک نہ تھی۔ فوارے کے چبوترے پر چار شیر البتہ بنے تھے لیکن وہ پتھر کے تھے۔ شاہزادہ حیران تھا کہ خدایا یہ ماجرا کیا ہے"۔

آدھی رات ہوئی تو فوارہ ہلنے لگا۔ شاہزادہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کو ایسا معلوم ہوا کہ زلزلہ آ گیا ہے۔ وہ چبوترے سے کود کر الگ کھڑا ہو گیا اس کا ہٹنا تھا کہ چاروں شیر اس کی طرف لپکے شاہزادے نے تلوار کھینچی۔ مگر شیروں نے حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ شاہزادہ جان سے ہاتھ دھوئے کہ ایک غیبی آواز آئی " فوارے کے موتی ان پر ڈالو"۔

شاہزادے نے موتی اور پانی لے کر ان پر ڈالنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ شیر اپنی جگہ پر آ گئے اور پتھر ہو گئے۔ اب شاہزادے کی جان میں جان آئی۔ پیچھے مڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ حسین لڑکی کھڑی ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا" خدا کا شکر ہے کہ آپ وقت پر آ گئے اگر آج آپ نہ آتے تو میں ہمیشہ کے لئے اسی طلسمی فوارے کے پھندے میں قید رہتی"۔

اتنے میں وہ بڈھا بھی آ پہنچا اسے نجومیوں کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ آج کی رات وہ اپنی لڑکی سے ملے گا تینوں خوش خوش گھر واپس گئے۔

جب رعیت کو معلوم ہوا کہ ان کے ولی عہد شاہزادے کو حسین اور قبول صورت لڑکی مل گئی ہے تو انہوں نے اسی سے شاہزادے کی شادی کرا دی اور بڑا جشن کرایا بڈھا پھر وزیر ہو گیا اور سب شاہی محل میں آرام سے رہنے لگے

کتب بینی

(از محمد احمد صاحب سبزواری، جامعہ عثمانیہ)

مولینا شبلی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ناگہاں طوفان آگیا، تمام مسافر، حتیٰ کہ ناخدا بھی پریشان ہوگیا۔ ایک طرف کچھ لوگ خدا سے دعا مانگنے میں مصروف تھے دوسری طرف چیخنے اور چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ وہ کم زور دل انسان تھے جو پریشانی کے موقعوں پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ مولینا شبلی کو اس وقت ایک شخص مطالعے میں مصروف نظر آیا مولینا نے اس سے کہا کہ مطالعہ کا یہ کون سا وقت ہے" اس نے جواب دیا "اگر جہاز ڈوبنے والا ہے تو میں اس کو بچا نہیں سکتا پھر اس انتظار میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحے کیوں بے کار ضائع کروں" یہ علی گڑھ کالج کے پروفیسر مسٹر آرنلڈ تھے۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے آدمی مطالعے کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالتے ہیں۔ نپولین جب کبھی لڑائی میں جاتا تھا تو اس کے ساتھ کتابیں بھی جاتی تھیں، اتاترک کمال روزانہ کم از کم دو سو صفحے پڑھتے ہیں۔ ہٹلر کے پروگرام میں روزانہ دو گھنٹے مطالعے کے لئے وقف ہیں۔ مسولینی کہتا ہے کہ مجھے حیرت ہے کہ بعض تعلیم یافتہ لوگ بغیر روزانہ مطالعے کے کس طرح خوشگوار زندگی بسر کرتے ہیں۔"

"سب سے اچھا اور سب سے سچا دوست کتاب ہے" دیکھو یہ مقولہ کس قدر صحیح اور عمدہ ہے مگر ہم ہندوستانی اس پر عمل نہیں کرتے اور اپنے وقت کا بہت زیادہ وقت اپنے دوستوں سے بے کار باتوں اور فضول گپوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دوست صرف باتوں کے دوست ہیں مصیبت کے وقت کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ اگر ہم اس وقت کو کام میں لائیں اور کوئی عمدہ کتاب پڑھیں تو بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ مغربی ملکوں میں اس مقولے پر شدت سے عمل کیا جاتا ہے وہاں نہ صرف لوگوں کو مطالعے کا شوق ہے بلکہ ہر پڑھے لکھے آدمی کے پاس ایک چھوٹی سی لائبریری بھی ضرور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں جو کتابیں چھپتی ہیں وہ ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔ آج ہم تمھیں ایک معمولی سی کتاب کا حال سنائیں، اس سے تم کو اندازہ ہو سکے گا کہ ان ملکوں کے رہنے والے کتابوں کے کتنے شوقین ہیں۔

لندن میں ۱۸۸۹ء میں ایک صابن کا کارخانہ قائم ہوا جو "پیرس سوپ" صابن تیار کرتا ہے اس نے اپنے کارخانے کی شہرت بڑھانے کے لئے ایک کتاب شائع کرنا شروع کی جس کا نام "پیرس سائی کلو پیڈیا" ہے۔ سائی کلو پیڈیا ایسی

کتاب کو کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کی عام معلومات ہوں یہ کتاب ایک ہزار سے زیادہ صفحوں کی ہوتی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء تک اس کے ۴۹ اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس مرتبہ دو لاکھ چھپّن ہزار کی تعداد میں چھپی تھی۔ اگر اس تعداد کو برابر برابر الماریوں میں رکھا جائے تو لندن سے برائی ٹن تک پہنچ جائے اُن کا درمیانی فاصلہ پچاس میل سے زیادہ ہے سنہ ۱۹۳۱ء کی کتابوں کا وزن ۵۰۷ ٹن تھا۔ ایک ٹن ۲۷ من کے برابر ہوتا ہے یہ کتاب عموماً ہر سال شائع ہوتی ہے لیکن اگر مانگ ہو تو سال میں کئی مرتبہ بھی چھپ جاتی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء و سنہ ۱۹۳۱ء میں تین تین مرتبہ شائع ہوئی۔ اگر کسی اڈیشن میں کوئی غلطی رہ جائے یا کوئی نئی بات شائع نہ ہو اور دنیا کا کوئی آدمی اس کی اطلاع اڈیٹر کو دے دے تو اس کا مشورہ بڑی خوشی سے قبول کیا جاتا ہے یہ کتاب ہر شخص کے لئے مفید ہے۔ اس کے ۲۲ باب یا حصے ہیں ان ۲۲ بابوں میں ادب، تاریخ، جغرافیہ، لغت، طب، سائنس، باغبانی، زراعت، باورچی خانہ، پرندوں اور جانوروں کی تعلیم تربیت، تجارت، فوٹوگرافی، کھیل کود، بڑے لوگوں کی سوانح عمریاں، وائرلیس اور موٹر وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کر ان سب باتوں کے علاوہ اس میں عمدہ عمدہ تصویریں ہیں برطانیہ اور اس کے مقبوضات اور دوسرے ملکوں کے جھنڈوں کی تصویریں ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس ہے کاغذ بھی برا نہیں۔ پھر کتاب مجلد ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اشتہار بالکل نہیں ہوتے۔ پھر ہر باب کو اس خاص شعبے کا ماہر مرتب کرتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہندوستان کے ہر بڑے ریلوے اسٹیشن پر یہ کتاب ڈھائی روپے میں مل سکتی ہے ورنہ ویسے تو اس کی قیمت کچھ بھی نہیں اور صابن کے چند ڈبوں کے لیبل کے معاوضے میں یہ کتاب ملتی ہے۔ آخر اس کی قیمت اتنی کم کیوں ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ کثیر تعداد میں چھپتی ہے اور یہ قاعدہ ہے جو کہ چیز بڑی مقدار میں تیار ہوگی اس کی لاگت کم ہوگی، ہمارے یہاں جو کتابوں کی قیمت زیادہ نظر آتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی مانگ بہت کم ہے

اب بتاؤ کہ تم اپنے مذاق اور دلچسپی کی کتنی کتابیں پڑھ چکے ہو، اور کتنی تمھارے پاس موجود ہیں۔ پیام تعلیم میں ہر مہینے کتابوں کی جو فہرست شائع ہوتی ہے کیا تم ان سب کو پڑھ چکے ہو اور وہ سب تمھارے پاس موجود ہیں اگر ہیں تو واہ وا اپنی لائبریری بناؤ نہیں ہیں تو اگر ایک دم سے سب کتابیں نہیں منگوا سکتے تو آہستہ آہستہ ہر مہینے ایک کتاب منگوا لیا کرو۔ پھر دیکھو چند ہی روز میں تمھاری ننھی منی لائبریری کتنی شاندار ہو جائے گی۔

ضروری بات

ان حضرات کے پرچے یا تو اس وجہ سے واپس آ گئے ہیں کہ وہ کہیں دوسری جگہ چلے گئے ہیں یا اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنا پتہ پورا نہیں لکھا ہے مہربانی فرما کر یہ حضرات پورا پتہ لکھیں ورنہ ہم ذمہ دار نہیں۔

(۱) جناب اشفاق عظیم صاحب برلی - خریدار نمبر ۳۸۲
(۲) " سلطان احمد صاحب ہیڈ ماسٹر " " ۵۱۷
(۳) " میر محمد حسین صاحب بی اے " " ۱۹۶۱



ہوائی جہاز

از جناب شام کمار صاحب پشاور

ہم میں سے کون آسمان پر پرندوں کی طرح اڑنے کو پسند نہ کرے گا جب پرند اِدھر اُدھر پھدکتے پھرتے ہیں تو ہمارا دل بھی للچاتا ہے کہ کاش ہم بھی پرند ہوتے اور عقاب کی طرح آسمان میں بادلوں پر سیر کرتے۔ یہی خیال ہم سے ہزاروں برس پہلے کے بچوں اور بوڑھوں کے دلوں میں بھی موجود تھا معلوم نہیں اُن کی یہ خواہش کبھی پوری ہوئی یا نہیں۔

یونان کے قصے کہانیوں میں لکھا ہے۔ کہ جزیرہ کریٹ (CRETE) جو یونان کے جنوب میں ہے اور جسے کینڈیا بھی کہتے ہیں (یورپ کے نقشے میں تلاش کرو) میں ایک انجینیر ڈائڈیلس نامی رہتا تھا اس نے بادشاہ مائنوس کے لئے ایک عجیب وغریب بھول بھلیاں بنائی تھی۔ اسی میں اس بادشاہ نے مناٹور نامی دیو کا سر بھی رکھا تھا جسے اس کے ملک کے ایک بہادر تھیسیس نے بڑی بہادری سے قتل کیا تھا۔ مگر ظالم بادشاہ نے کسی بات سے ناراض ہو کر تھیس اور اس کے بیٹے آئی کارس کو وہاں قید کر دیا تھا۔ یہ بیچارے وہاں بہت دنوں تک قید رہے آخر اسی عقلمند انجینیر ڈائڈیلس نے اُن کو اس قید سے رہائی دینے کے لئے موم کے پر بنائے ان پروں کے ذریعے وہ اور اس کا بیٹا اوپر اُڑے باپ تو حفاظت کے ساتھ سسلی کے جزیرے میں اتر گیا۔ مگر بیٹا زیادہ اوپر اُڑ گیا۔ سورج کی گرمی سے اس کے موم کے پر پگھل گئے اور بے چارہ سمندر میں گر کر مر گیا۔ اسی طرح کا ایک قصہ رام چندر جی کے بارے میں ہے انھوں نے جب راون کو شکست دی تو اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کر گھر آئے تھے معلوم نہیں ان قصوں میں کچھ سچائی بھی ہے یا نہیں۔ مگر ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے لوگوں کو بھی اڑنے کا بہت

شوق تھا بہرحال یہ قصے کہانیاں ہوں یا افسانے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب سے کوئی ۱۵۲ برس پہلے سنہ ۱۷۸۳ء میں لوگوں نے صحیح معنوں میں ہوا میں اُڑنے کی کوشش شروع کردی تھی چنانچہ مونٹ گا فر نامی دو بھائیوں نے فرانس میں غباروں کے اڑنے پر غور کیا غباروں کو تو تم اچھی طرح جانتے ہوگے۔ شادی بیاہ یا کسی اور تقریب میں اکثر اُڑائے جاتے ہیں۔ اور رات کو اڑتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اُڑتے کیسے ہیں۔ بات یہ ہے کہ گرم ہوا ٹھنڈی ہوا سے ہلکی ہوتی ہے اس ہلکی ہوا کو کسی ہلکی پھلکی چیز میں بھر دیا جائے تو وہ اسے اوپر کو لے اُڑتی ہے۔ غبارے میں اسی اصول سے کام لیا جاتا ہے اس میں یا تو کپڑے کو تیل میں بھگو کر اس میں دیا سلائی دکھادی جاتی ہے یا پھر موم بتی جلائی جاتی ہے اس طرح جب ہوا گرم ہوجاتی ہے۔ تو ہلکی ہوکر غبارے کو بھی اوپر لے جاتی ہے۔ بس اس اصول کے مطابق ان دونوں بھائیوں نے بھی موٹے کپڑے کا غبارہ بنایا اور گھاس جلاکر اس کا دھواں اس میں بھرا، غبارہ پھولنا شروع ہوا۔ اور آخر ہوا میں اُڑ گیا۔ مگر ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جاکر نیچے گر پڑا اس لئے کہ دھواں ٹھنڈا ہوکر بھاری ہوگیا تھا۔ اس طرح پہلا غبارہ بنانے کا سہرا ان دونوں بھائیوں کے سر رہا۔

پھر ستمبر سنہ ۱۷۸۳ء میں پہلی جان دار چیز غبارے میں اُڑی۔ یہ کوئی آدمی یا عورت نہ تھی۔ بلکہ ایک بطخ ایک بھیڑ اور ایک مرغی تھی۔ مگر اس سال نومبر میں انسان نے بھی ہمت کی اور ڈی روز سیر (DERZ SIER) نامی اپنی جان ہتیلی پر رکھ کر غبارے میں سوار ہوا اور ۲۳ منٹ تک اُڑتا رہا، اس شخص نے وہ کام کیا جو اب تک کسی نے نہ کیا تھا اب سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی اور بھی ایسی گیس ہے جو ہوا سے بھی ہلکی ہو۔ بڑی کوششوں کے بعد معلوم ہوا کہ ہائڈروجن (HYDROGEN) گیس ہوا سے چودہ گنا ہلکی ہے۔ اس سے دو فائدے ہوئے ایک تو نئی گیس معلوم ہوئی، دوسرے ٹھنڈے اور گرم کا جھگڑا ختم ہوا اب یہ اُڑنے والے کی مرضی پر تھا کہ جب چاہے زمین پر اُترے۔ کیوں کہ غبارے کے لئے ٹھنڈا ہوکر گرنے کا خطرہ نہ تھا۔ مگر ان غباروں میں خرابی یہ تھی کہ یہ ہوا

کے غلام تھے جس طرح پہلے زمانے کے بادبانی جہاز یعنی جس طرف کی ہوا ہوتی یہ بھی اسی طرف جاتے آخر اس کے لئے غباروں کے سرے پر چپو لگائے گئے اور یہ بیلون ہوا میں اسی طرح چلائے جاتے تھے جیسے کشتی پانی میں۔

اس کے بعد لمبوتری شکل کے غبارے بنائے گئے جن کے منہ پر پنکھے (PROPELLER) لگائے گئے اور غبارے خاطر خواہ کام کرنے لگے ان کو دیکھ کر جرمنی کے کونٹ زیپلین (COUNT ZEPPELIN) کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جنگ میں بم گرانے کے لئے بہت مفید ہو سکتے ہیں اور اس طرح جرمنی نے غبارے تیار کرنے شروع کئے حتیٰ کہ وہ اس فن میں فرانس والوں سے بھی بڑھ گئے۔

زیپلین نے غبارے کی بناوٹ میں کئی اصلاحیں کیں اس کے نیچے انجن لگایا جس سے اس کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ ان ہی دنوں میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور جرمنوں نے ان ہوائی جہازوں سے بم گرائے اور اتحادیوں کو سخت نقصان پہنچایا مگر یہ ہوائی جہاز بھی زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے کیوں کہ ہائڈروجن کے نزدیک اگر ذرا سا شعلہ بھی لایا جائے تو وہ بھڑک اٹھتی ہے اس لئے بہت سے جہاز جل جاتے تھے آخر ۱۹۱۶ء میں ایک اور گیس ہیلیم (HELIE M) نامی معلوم ہوئی۔ یہ گیس بھی ہوا سے ہلکی ہوتی ہے مگر یہ جلتی نہیں۔ اس لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔

اسی اثنا میں لوگوں کو کرۂ ہوائی کے متعلق کافی واقفیت ہو گئی تھی اور ہوا کے دباؤ کا حال بھی معلوم ہو گیا تھا۔ چنانچہ امریکہ میں رائٹ (WRIGHT) نامی بھائیوں نے پتنگ کی شکل کے صندوق بنائے اور ان کو پہاڑیوں کی چوٹیوں سے پھینکا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اگر ان کے بیلنس (BALANCE) یا وزن کا اندازہ ٹھیک ہو تو وہ کچھ عرصے کے لئے ہوا میں رہ سکتے ہیں۔ آخر انھوں نے اس پتنگ کی اصلاح کر کے ایک طیارہ بنایا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک بھائی اس کے ساتھ دوڑتا رہا اور پھر اسے ہوا میں گرا دیا بجائے اس کے کہ وہ سیدھا زمین پر گرتا یہ آہستہ سے زمین پر آ گیا۔ چنانچہ اس طرح آدمی پہلی دفعہ پروں سے اڑا اب دوسرا کام اس کے ساتھ ایک انجن لگانا تھا جو اسے ہوا میں قائم رکھے۔ آخر

۱۸۹۶ء میں پروفیسر لینگلے (LANGLEY) نے ایک انجن بھی اس کے ساتھ لگا دیا جس سے طیارہ آدھ میل تک جا سکتا تھا۔ پروفیسر اس میں اور بھی اصلاحیں کرتا رہا اور آخرکار جب اس کی حالت بہت اچھی ہو گئی تو پروفیسر لینگلے اس میں خود بیٹھ کر اڑنے کو تیار ہوا۔ مگر جس وقت وہ ہوا میں تھا مشین میں کچھ خرابی ہو گئی اور وہ نیچے گر پڑا۔ پروفیسر کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی لوگوں نے اس کو پروفیسر کی بے وقوفی کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ پھر ان ہی دو رائٹ بھائیوں نے ایک طیارہ ایجاد کیا جو پٹرول کی مدد سے اڑتا تھا۔ یہ ایک گھنٹے تک آسمان میں اڑا اور ہوا میں اڑنے کی ناممکن بات اس طرح ہوئی ان بے شمار کوششوں کے بعد موجودہ ہوائی جہاز بنا ہے جس کے کرتب روزانہ نظر آتے ہیں۔ یہ ہوائی جہاز اصل میں ان ہی رائٹ بھائیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور تمام ہوائی جہاز چلانے والے اور حکومتیں ان کی شکرگزار ہیں۔

آج کل یہ اتنے رواج پا گئے ہیں کہ یورپ اور امریکا میں ہوائی جہاز گاڑیوں کی طرح چلتے ہیں اور ہزاروں مسافر آن کی آن میں سینکڑوں میل سے لائے ے جاتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کی دوڑیں بھی ہوتی ہیں۔ ابھی پچھلے سال کی بات ہے کہ لندن سے ملبورن تک جو کہ آسٹریلیا کے انتہائی جنوبی حصے میں واقع ہے ساڑھے گیارہ ہزار میل کی دوڑ ہوئی اور جیتنے والے کو بڑا انعام ملا[1]۔ اگرچہ ہوائی جہاز بہت ترقی کر گئے ہیں مگر یہ ابھی تک اپنے انتہائی معراج تک نہیں پہنچے۔ ایجادیں ہو رہی ہیں اور ان کی حالت بہتر سے بہترین کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے جب آدمی مشینری کی مدد سے خود پرندوں کی طرح اڑیں۔

ہندوستان میں بھی بہت دنوں سے اسے رواج دینے کی کوشش ہو رہی ہے ابھی ۱۵ فروری کو وائسرائے نے دلی میں ایک نئے کلب کا افتتاح کیا ہے۔ یہ ہندوستان کا بہت بڑا ہوائی کلب ہوگا

جہازوں میں کبھی آگ بھی لگ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ایک آدھ پرزہ بھی خراب ہو جاتا ہے زمین تو ہے نہیں کہ ٹھہر کر کچھ بندوبست کریں اس کے لئے ہوتا یہ ہے کہ جہاز گرنے لگتا ہے اس وقت کو رفع کرنے کے لئے ایک چیز پراشوٹ (PARACHUTE)

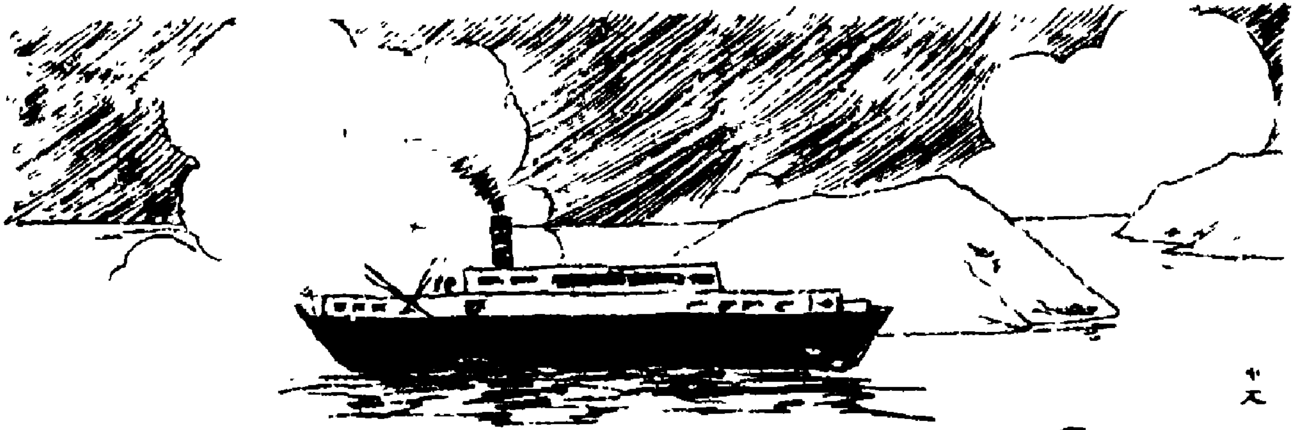
[1] سنہ ۱۹۳۷ء کے اکتوبر اور دسمبر کے پرچوں میں اس دوڑ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

نامی ایجاد کی گئی ہے۔ یہ ایک چھتری کی طرح کی ہوتی ہے جسے ہوائی جہاز پر چڑھنے والے کی پیٹھ پر باندھ دیتے ہیں جوں ہی کوئی خطرہ ہوتا ہے ہواباز جہاز پر سے کود پڑتا ہے۔ چھتری خود بخود کھل جاتی ہے اور وہ آدمی نہایت آسانی سے نیچے آجاتا ہے۔

ان خطروں کے باوجود۔ ہوائی جہاز ایک بہت مفید اور اہم ایجاد ہے۔ اس کی رفتار اتنی تیز ہے کہ جہاں ہم بادبانی جہازوں سے مہینوں میں پہنچ سکتے تھے۔ اور دخانی جہازوں سے دنوں میں وہاں ہوائی جہاز سے گھنٹوں میں پہنچ سکتے ہیں اس طرح ہوائی جہاز نے فاصلے اور وقت کو بچایا ہے۔ امید ہے کہ کچھ ہی دنوں میں تمام ہندوستان میں گاڑیوں کی طرح ہوائی جہاز چلیں گے۔

بیکاروں کی مدد کا نیا طریقہ

پیام بھائی یہ سن کر نہایت ہی خوش ہوں گے کہ جرمنی کی ایک ریاست نے بیکاروں کی مدد کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے انھوں نے بہت سے ٹکٹوں کا ایک سیٹ شائع کیا ہے جو اپنی اصلی قیمت کی بجائے دوگنی قیمت پر فروخت کئے جائیں گے یعنی ایک آنہ والا ٹکٹ دو آنے میں بکے گا اس میں سے ۱ر تو گورنمنٹ لے لے گی اور باقی ۱ر "انٹرنیشنل کمیٹی برائے امداد بیکاران" کے خزانے میں جمع ہوگا۔ یہ کمیٹی جرمنی کی ایک ریاست لکسمبرگ میں ہے اور یہ ٹکٹ بھی اسی ریاست نے جاری کئے ہیں۔ یہ ٹکٹ شائع ہو چکے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہے گا۔ بعد میں باقی ٹکٹ ردی کر دئے جائیں گے۔ اس طرح سے جمع شدہ روپیہ، بیکار مصوروں، اخبار نویسوں، انجینیروں، استادوں، قانون والوں اور ڈاکٹروں کی امداد کے واسطے وقف کر دیا جائے گا۔ یہ مدد صرف جرمنی کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی بلکہ دنیا کے ہر طبقے کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔



بادلوں پر جھیل

بجمہ عبدالرحمٰن

یہ عجیب اور انوکھا مضمون ہم نے بجمہ عبدالرحمٰن صاحبہ سے خاص طور پر لکھوایا ہے اگر تم نے اسے پسند کیا تو ہم آیندہ بھی ان سے اس قسم کے اچھے اچھے مضمون لکھوایا کریں گے۔ (ایڈیٹر)

اوپر کا عنوان پڑھ کر تمھیں تعجب تو بہت ہوگا۔ اور کبھی یقین نہ آئے گا۔ مگر واقعہ کچھ اسی طرح ہے۔ ایک شوقین سیاح نے جہاز پر اس جھیل کو پار بھی کیا ہے۔ یہ جھیل انڈیز (جنوبی امریکہ) کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہے اور اس کی اونچائی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اگر تم اسے پار کرنے کے لئے کشتی پر بیٹھو تو آس پاس کی زمین نظر سے بالکل غائب ہوجائے گی۔ اس جھیل کا پانی وہاں بہت متبرک سمجھا جاتا ہے جیسے یہاں گنگا جل اس کی ایک عجیب خاصیت یہ ہے کہ اس کے پانی سے لوہے میں زنگ نہیں لگتا۔ نہ اس میں انڈا ابل سکتا ہے۔ مچھلی بھی اس میں ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔

اب تمھارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اتنے اونچے پر جہاز کیسے پہنچ گیا۔ اور جہاز بھی ایسا ویسا نہیں سولہ سو ٹن کا۔ تو اس کا قصہ بھی اسی شوقین سیاح کی زبان سے سنو۔ وہ بیان کرتا ہے کہ پیرو کی بندرگاہ تک یہ جہاز پانی میں لایا گیا۔ یہاں اس کے سب حصے الگ الگ کرلئے گئے اور وہیں کے قلیوں پر لدواکر اوپر لیجائے گئے۔ راستے میں سترہ ہزار فیٹ کی بلندی پر ایک درہ پڑتا ہے۔ اسے پار کرکے یہ اوپر پہنچائے گئے جھیل کے کنارے اس کے سب حصے پھر سے جوڑے گئے اور جہاز جھیل میں اتارا گیا۔ اسی جہاز پر سیاح نے جھیل کی خوب مزے سے سیر کی تھی۔

یہاں کے رہنے والے انکا کہلاتے ہیں۔ یہ اس جھیل کو بہت پاک اور پوتر مانتے تھے۔ اور اب بھی مانتے ہیں اس جھیل میں دو جزیرے بھی ہیں جو چاند اور سورج کے

ناموں سے مشہور ہیں ۔ بات یہ ہے کہ جھیل ایک وادی میں واقع ہے ۔ اور یہ دونوں جزیرے اصل میں پہاڑ کی چوٹیاں ہیں لیکن جھیل میں پانی اتنا بھرا ہوا ہے کہ یہ چوٹیاں جزیرے بن گئی ہیں ۔ انکا قوم کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ منیکو کاپک یہیں سے آیا تھا ۔ اسے سورج نے حکومت قائم کرنے بھیجا تھا کہا جاتا ہے کہ ایک زمانے میں یہاں چاندی سونے کی افراط

بت بھی جھیل کی تہ میں کہیں کیچڑ میں پڑے ہوں گے ۔ آج کل یہاں کے مچھیرے ہلکی ہلکی کشتیوں پر بیٹھ کر مچھلی کا شکار کرتے ہیں

پچھلے پرچے میں اور اس مضمون میں بھی انکا قوم کا ذکر آیا ہے ۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم اور اس کی پچھلی تہذیب و تمدن کا کچھ حال یہاں بیان کر دیا جائے ۔



تھی ۔ سڑکوں پر بچھا رہتا تھا ۔ ٹوپک یوپان کوئی نے یہاں ایک بڑا محل اور ایک سورج کا مندر بنایا تھا ۔ اس مندر میں اس کی ساری سلطنت سے زیادہ دولت تھی ۔ مندر سے سونے کے بت سورج کے نکلنے اور چھپنے ۔ جھیل میں پوجا کے طور پر چڑھائے جاتے تھے ۔ مگر اب تو یہاں صرف چند ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور بڑے بڑے پتھر بکھرے پڑے ہیں ۔ سنہرے

انکا قوم کا دارالسلطنت شہر کزکو تھا جو جنوبی کرے کی سب سے اونچی چوٹی پر واقع ہے ۔ اس پہاڑ کے سلسلے کا نام "تاوان تن سیو" ہے اور آبادی کا مرکز شہر کزکو سمجھا جاتا تھا ۔

ان پہاڑی لوگوں نے اپنے ملک میں ایسی تہذیب قائم کی تھی جس کی مثال مشکل سے ملے گی ۔ سورج اُن کا خدا تھا ۔ اور

قوس قزح اُن کا قومی جھنڈا ۔ ان کی تہذیب اس زمانے میں انتہائی ترقی پر تھی جب دوسرے ملکوں کے رہنے والے اپنے جسم پر کھال لپیٹے ہوئے جنگل میں رہتے تھے اور تیر و کمان سے شکار پر زندگی بسر کرتے تھے ۔

یہ لوگ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ۔ اُن کا قلم اور کاغذ صرف ایک ڈوری یا رسّی تھی جس میں گرہیں لگی رہتی تھیں ۔ اسے وہ کوئی پُس کہتے تھے ۔ اس کے سمجھنے والے بھی ملک میں گنتی کے لوگ تھے ۔

ان لوگوں نے پکی سڑکیں نکالی تھیں ۔ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جانے کے لئے لٹکتے ہوئے پل بنائے تھے ۔ نہریں جاری کی تھیں اور جہاں کہیں نہر کے راستے میں گہرائی یا کھڈ وغیرہ آجاتے تھے وہاں آج کل طرح لمبے لمبے پل بناکر نہر کا پانی ان پر سے جاتے تھے اپنے مندر بھی بہت شان دار بناتے تھے اور اس میں دولت کی ریل پیل رہتی تھی ان کے بنائے ہوئے قلعوں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں ۔

یہ لوگ لوہے کے اوزاروں سے کام لینا بھی نہیں جانتے تھے ۔ دوسری ایجادوں کا تو ذکر ہی کیا ۔ اُن کا بوجھ اُٹھانے والا جانور لاما تھا ۔ اس کی تصویر تم نے کہیں ضرور دیکھی ہوگی ۔

اسپین کے مشہور لٹیرے سیاح پیزارو[۱] کے یہاں آنے سے پہلے کسی نے گھوڑا نہ دیکھا تھا جب انھوں نے اسپینی لوگوں کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو سمجھے کہ سوار اور گھوڑا ایک ہی جانور ہے لیکن سوار گھوڑے پر سے اترے تو انھیں بڑی حیرت ہوئی کہ اس عجیب جانور سے یہ آدمی الگ کیسے نکل آیا ۔

پرانی انکا قوم کے تہذیب و تمدن اور عمارتوں کے نشان بہت کم ملتے ہیں ۔ اب صرف ان کی زبان کوئن لوا رہ گئی ہے ۔

کزکو ، اب بھی مقدس شہر سمجھا جاتا ہے ۔ اور یہ لوگ اس سے بہت محبت کرتے ہیں ۔ یہ کوئی ایسا بڑا شہر تو نہیں ۔ لیکن اپنی بعض باتوں کی وجہ سے دلچسپ ضرور ہے

بچوں سے باتیں ،

(بقیہ صفحہ ۸۴)

جموں سے ایک رسالہ رتن نکلتا ہے اس کے ایک مضمون نگار جناب لطف الوری صاحب برابر پیام تعلیم کے مضمون اور نظمیں اپنے نام سے شائع کررہے ہیں ۔ پچھلے پرچے میں سید ابوطاہر داؤد صاحب کا ایک مضمون (کیا ہتیوں میں آنکھیں ہیں ، انھوں نے اپنے نام سے شائع کیا تھا اور اس مرتبہ انھوں نے مولینا محوی لکھنوی کی ایک نظم پر ڈاکہ ڈالا ہے جو عرصہ ہوا پیام تعلیم میں چھپ چکی ہے ہم جناب ایڈیٹر صاحب رتن کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس طرح کے مضمونوں سے پرچے کی وقعت لوگوں کی نظروں سے گرجاتی ہے اور ہر مضمون کے بارے میں یہ ہی شبہ ہونے لگتا ہے ۔ امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب اس طرف توجہ فرمائیں گے ۔ ہمیں بعض اور پرچوں سے بھی شکایت ہے کہ وہ ہمارے مضمون بلا حوالہ نقل کردیتے ہیں ۔

[۱] پیزارو کا ذکر پچھلے پرچے میں آچکا ہے ۔

خط کتابت



محترمی مکرمی تسلیم

خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنی مدد اور رحمت سے پیامِ تعلیم کو بامِ شہرت پر پہنچا دیا۔ مجھے جب تک یہ پرچہ نہیں ملتا بہت انتظار رہتا ہے۔ اب کا پرچہ واقعی قابلِ تحسین و آفریں ہے۔ مجھے ضمیمہ تو بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس رسالے کا ہر قصہ اور مضمون بہترین ہے کسی ایک کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔

خادم محمد یحییٰ انصاری خریدار نمبر ۹۵۸

مکرمی، السلام علیکم

ہمارے بعض پیامی بھائی ٹکٹوں کے معاوضے میں نہ ٹکٹ واپس کرتے ہیں اور نہ خط کا جواب ہی دیتے ہیں اس سے ہمارا آپس کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ایک ہی مچھلی سارے تالاب کو گندہ کرتی ہے۔ چنانچہ ہمارے دہلی کے ایک دوست کے خط سے معلوم ہوا کہ عبدالوحید صاحب کتب فروش کانپور نے ان سے بہت سے ٹکٹ منگوائے اب یہ نہ ٹکٹ واپس فرماتے ہیں اور نہ ان کے معاوضے میں دوسرے ٹکٹ، تمام ٹکٹ تقریباً پانچ چھ روپے کے ہیں۔ یہ ایک ٹکٹ جمع کرنے والے کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔ یہ ایک نہایت شرمناک حرکت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ آپس میں نیک نیتی، خلوص، ایمانداری اور محبت کا برتاؤ کریں۔ آخر انگریزوں کے یہاں بھی ایسی سوسائٹیاں، ایسی انجمنیں اور اس قسم کے طریقے رائج ہیں پانچ پانچ ہزار اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ ذرا "ویکلی" کا کوئی سا بھی پرچہ اٹھا کر "ینگ فولک" (YOUNG FOLK) کا صفحہ دیکھئے۔ ہر ہفتے کتنے نئے ممبر ہوتے ہیں۔ کیا ان کے یہاں بھی ایسی بری مثالیں اور ایسے خراب نمونے ہیں

عبدالواحد صاحب سے عرض ہے کہ وہ ٹکٹ واپس فرما کر ان کو اور ہم سب پیامی بھائیوں کو ممنون فرمائیں تاکہ ہم ایک دوسرے پر کامل اطمینان اور پورا بھروسہ رکھ سکیں اور ہماری محبت اور دوستی اور اتحاد کا حلقہ روز بروز پیامِ تعلیم کے ذریعے زیادہ وسیع ہو سکے۔

سید ظہیرالدین۔ معرفت پرنسپل صاحب
عثمانیہ کالج، اورنگ آباد (دکن)۔

ایڈیٹر صاحب تسلیم

نہایت خوشی کی بات ہے کہ میں نے آٹھویں جماعت میں کامیابی حاصل کر کے نویں میں قدم رکھا ہے۔ ظہور احمد صاحب کو خط نہ لکھنے کا مجھے بہت افسوس ہے مجھے ان کا کوئی خط نہیں

ملا ہے۔ عرصے سے میں نے اپنا مکان بدل دیا تھا غالباً انھوں نے اسی پتے سے خط لکھا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اور دیگر پیام بھائی ہمیں معاف فرمائیں گے

ایم، این خاں مدراس، شمیم صاحب پٹنہ ، اطہر حسین صاحب ، عبدالخالق صاحب حیدرآباد دکن اور ظہیرالدین صاحب اورنگ آباد دکن نے عرصے سے ہمارے خطوں کا جواب نہیں دیا۔ امید ہے کہ وہ جلد سے جلد اس کا خیال کریں گے ۔ میرا پتہ یہ ہے

عزیز احمد۔ خضر سرائے اسپتال ۔ضلع گیا۔

حسین صاحب ، مزاج شریف

آپ کی ٹکٹوں کی فرمائش پوری کر رہا ہوں ، تقریباً دو سو ٹکٹ بھیج رہا ہوں ۔ میری طرف سے بچوں میں تقسیم کر دیجئے یہاں مختلف ملکوں کے پرانے ٹکٹ ہر قسم کے ملتے ہیں۔ ان کی قیمت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس میں ایک ایک قسم کے کئی کئی ٹکٹ ہیں۔

یہاں کے کوئی خاص حالات نہیں۔ بس امتحان قریب آ رہا ہے اور سردی خوب پڑ رہی ہے ۔ برف ابھی تک نہیں پڑی ہے ۔ آپ کچھ جامعہ کے حالات لکھئے ۔ نومبر کا رسالہ جامعہ مل گیا۔ جامعہ اور پیام تعلیم کا بڑا انتظار رہتا ہے تقریباً ان کا ایک ایک لفظ پڑھ ڈالتا ہوں۔

آپ کا "امتیاز" (از لندن)

ایڈیٹر صاحب ، تسلیم

جنوری کا پرچہ ملا ۔ اس میں آپ نے بہت سے مضمونوں کا خط باریک کر دیا ہے ۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے اب تو ماشاءاللہ آپ کے خریدار بھی بڑھ رہے ہیں۔ آٹھ صفحے اور بڑھا دیجئے۔

عقیدہ خاتون ، گیا۔

اس قسم کا شکایتی خط صرف عقیدہ خاتون کا آیا ہے ، ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے بچے بھی اپنی رائے سے مطلع کریں رہا صفحے بڑھانے کا معاملہ تو ہماری مالی حالت ابھی اتنی اچھی نہیں ہوئی ہے ۔ پھر بھی ہم نے چار صفحے ضمیمے کے بڑھائے ہیں اور ارادہ ہے کہ اس سلسلے کو مستقل کر دیا جائے (ایڈیٹر)

مکرمی تسلیم

رسالہ رتن کے تازہ نمبر میں میں نے مولینا محوی لکھنوی کی ایک نظم دیکھی یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ آخری شعر میں جہاں شاعر اپنا نام یا تخلص لکھتا ہے۔ وہاں محوی صاحب کی جگہ الفت لکھا ہوا ہے۔ کیا واقعی یہ نظم الفت صاحب کی ہے اگر نہیں ہے تو یہ تو چوری ہوئی ۔ حیرت ہوتی ہے کہ لوگ دوسروں کے مضمون اور شعر کس دلیری سے چراتے ہیں ۔

خاکسار نصیرالدین ۔ درجہ ہشتم

الفت صاحب دوسروں کے مضمون اور نظمیں چرا چرا کر ہی شاعر اور مضمون نگار بنتے ہیں ۔ اُن کی سزا یہی ہے کہ ان کی اس طرح کی شاعری اور مضمون نگاری کا بھرم کھولا جائے ۔

(ایڈیٹر)

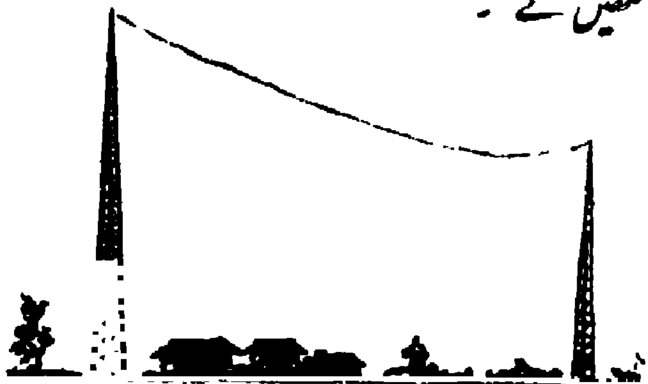


دہلی کا وائرلیس اسٹیشن

وائرلیس یا بے تار کی تار برقی کا ذکر تو تم نے اکثر اپنے سائنس کے ماسٹر صاحب سے سنا ہوگا۔ ہم تمھیں مختصر طور پر یوں سمجھائیں کہ جیسے تم تالاب میں ایک کنکر پھینکو تو اس کی لہریں چاروں طرف جاتی ہیں۔ اور کنارے پر کوئی پتا پانی میں پڑا ہو تو وہ ہر لہر کے ساتھ حرکت کرتا ہے اسی طرح اسٹیشن کے تار سے فضا (ETHER) میں ہر طرف بجلی کی لہریں نکلتی ہیں اور جب وہ کسی سننے والے آلے کے تار سے ٹکراتی ہیں تو اس میں اتر کر آواز کی صورت میں بدل جاتی ہیں۔ تم ان آوازوں کو ٹیلیفون سے جو سر پر لگایا جاتا ہے یا لاوڈ اسپیکر (LoudSPEAKER) سے سن سکتے ہو۔

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ وائرلیس سے صرف خبریں ادھر سے اُدھر پہونچانے کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ دوسرے فائدے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً طرح طرح کے گانے دلچسپ تقریریں مزے مزے کے ڈرامے، بچوں کی کہانیاں ضروری خبریں۔ جنس کے بھاؤ غرض یہ سب کام اس کے ذریعہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ دن بہ دن مقبولیت حاصل کرتا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ اس کے اسٹیشن بن گئے ہیں اور ان کی بدولت لوگوں کو ضروری اور دلچسپ چیزیں سننے کو مل جاتی ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں کلکتہ اور بمبئی میں بھی ہما کے دو اسٹیشن بنے تھے اور اب دہلی میں ان دونوں سے بھی بڑا اسٹیشن بن گیا ہے اور اس نے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے۔

اگر تم کلکتہ یا بمبئی سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر ہو تو ہر روز ایک چھوٹے سے آلے کے ذریعے تم ان اسٹیشنوں کے گانوں اور تقریروں کو سن سکتے ہو۔ دہلی کا اسٹیشن زیادہ طاقتور ہے اس لئے یہاں کی آواز اسی آلے سے تیس چالیس میل کے فاصلے سے بھی سن سکتے ہو۔ اس مختصر سے آلے کا نام کرسٹل ہے۔ یہ بہت سستا ملتا ہے اور اس میں بجلی کا خرچ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر تمھیں چیزیں بنانے کا شوق ہے اور ضرور ہوگا! تو تم خود یہ گھر میں بیٹھ کر بنا سکتے ہو۔ اس کے بنانے کی ترکیب ہم اگلے پرچے میں لکھیں گے۔







لفٹننٹ مصری چند کو جو ہوائی دوڑ میں اول آئے تھے وائسرائے کی ٹرافی
انعام میں دی جا رہی ہے (تفصیل صفحہ ۱۱۸ پر دیکھو)

ہوائی جہازوں کی دوڑ

از محمود علی خاں صاحب جامعی

تم نے اکثر گھوڑ دوڑ دیکھی ہوگی اور بہت سی دوڑوں کا حال سنا ہوگا۔ لیکن اب ہوائی جہازوں کی دوڑ بھی ہونے لگی ہے پچھلی سال انگلستان سے اسٹریلیا تک ہوائی جہازوں کی ایک دوڑ ہوئی تھی۔ اس کا حال ہم نے تمھیں سنایا تھا۔ ادھر چند سال سے ہندوستان میں بھی یہ دوڑ ہوا کرتی ہے۔ وائسرا نے ایک ٹرافی مقرر کی ہے جو کامیاب ہوتا ہے۔ اسے وہی انعام میں دی جاتی ہے۔

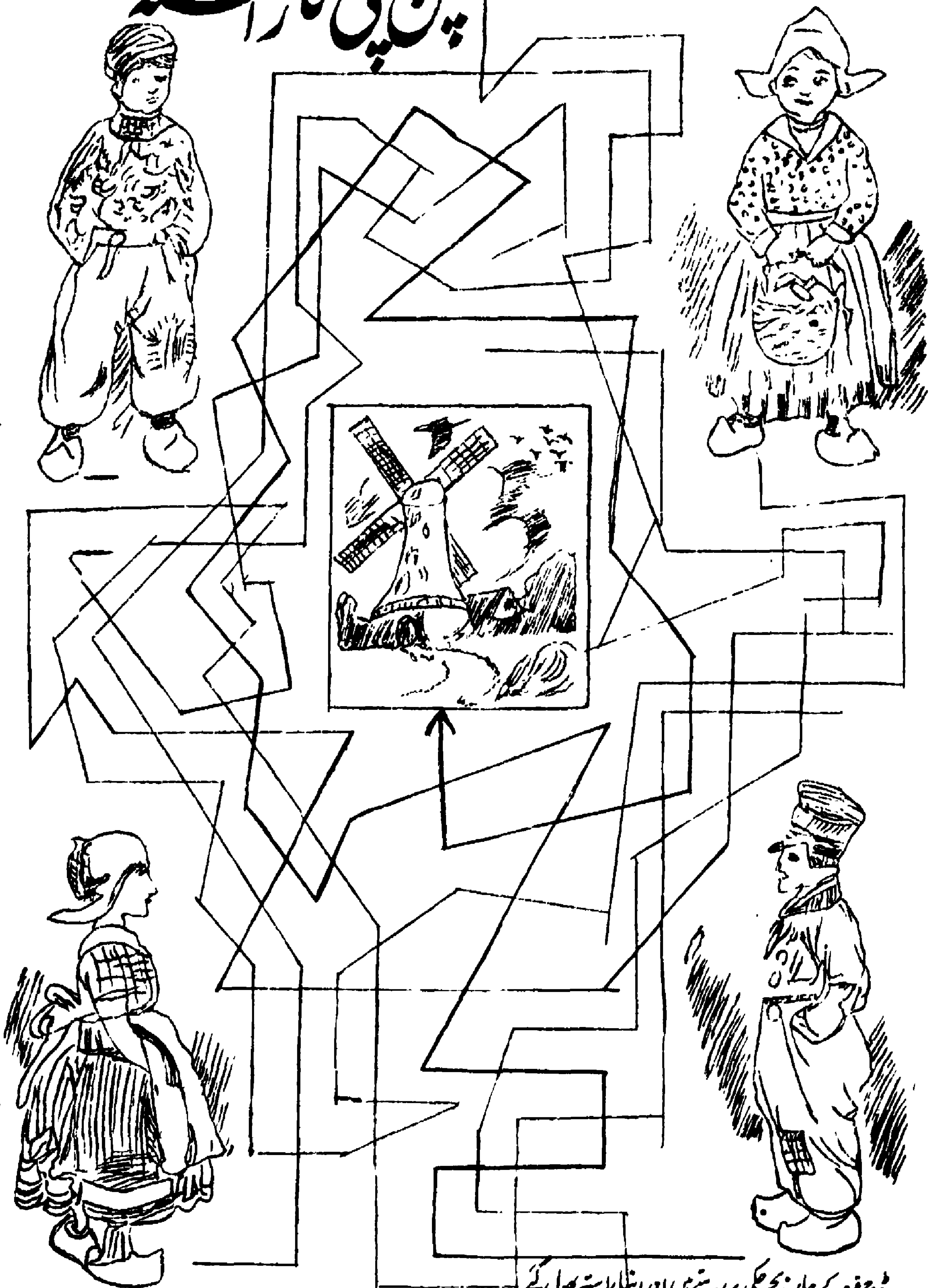
اس سال یہ دوڑ ۱۵ر فروری کو ہوئی۔ بارہ ہوا باز اس میں شریک ہوئے ان میں ہندوستانی بھی تھے انگریز بھی۔ یہ سب لوگ ۱۵ر فروری کی صبح کو مدراس سے روانہ ہوئے اور حیدرآباد، بمبئی، احمدآباد، جودھپور ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔

دہلی میں صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس ہوائی جہازوں کا اسٹیشن بنا ہے۔ ۱۵ر فروری کی شام کو یہاں ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا جو جیتنے والوں کا تماشا دیکھنے آئے تھے سب سے پہلے کوئی ۴ بجکر ۱۰ منٹ پر لفٹنٹ مصری چند کا ہوائی جہاز پہنچا۔ سب تماشائیوں نے خوب تالیاں بجائیں اور انھیں اول آنے پر مبارک باد دی۔ اس کے ۱۵ منٹ بعد ہی این، دی، گدگیل پہنچے۔ انھیں بھی شاباشی دی گئی۔ پھر آدھ گھنٹے بعد اے سی گندور آئے۔ ان کا نمبر تیسرا تھا، غرض کہ تینوں ہندوستانیوں ہی نے یہ میدان جیتا۔

اس کے بعد وائسرائے نے انعام تقسیم کئے مصری چند صاحب کو وائسرائے کی ٹرافی اور ۷ ہزار روپیہ نقد ملا۔ گدگیل صاحب کو ہرکشن داس صاحب کی دی ہوئی شیلڈ اور ۳ ہزار روپیہ نقد ملا اور گندور صاحب کو صرف ایک ہزار نقد دیا گیا۔ وائسرائے نے ان سب خوش قسمت لوگوں کی تعریف کی اور کہا۔ کہ آیندہ سال اور بہت سے نوجوان اس میں شریک ہونے کی کوشش کریں۔

خدا کرے کسی وقت تم بھی بڑے ہوکر ہوائی جہاز چلانا سیکھو، اس دوڑ میں شریک ہو اور انعام پاؤ۔ کیسا اچھا لگے گا تم ہوائی جہاز پر بیٹھے دہلی کے اوپر جاتے ہوگے اور ہم تالیاں بجا بجا کر تمھیں مبارک باد دیں گے

پن چکی کا راستہ

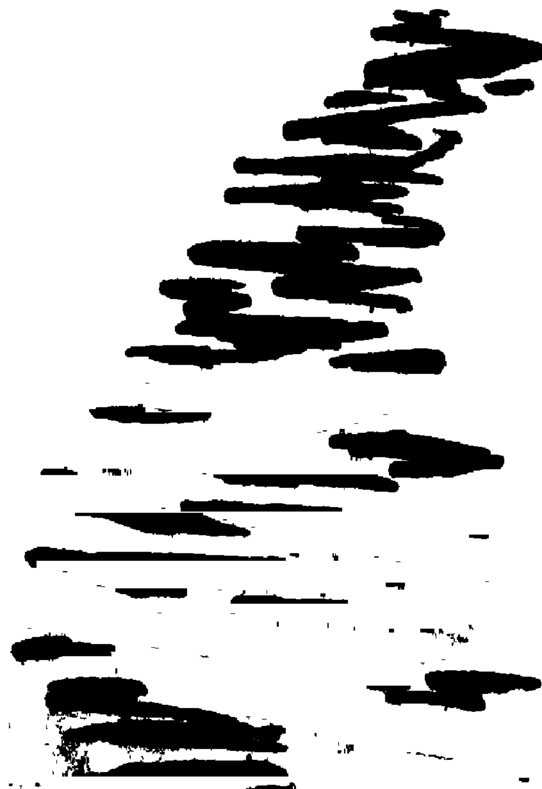


پیام تعلیم









کہانیاں

مکتبہ جامعہ نے بچوں کیلئے مزے مزے کی دلچسپ کہانیوں کا سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ یہ کہانیاں پیام تعلیم میں چھپ چکی ہیں اور بچوں نے انھیں بیحد پسند کیا ہے ان کی تعریف میں بے شمار خط ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس آ چکے ہیں اسی لئے اب مکتبہ جامعہ نے انھیں علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں

نہایت اچھے کاغذ پر بہت خوش نما چھپوایا ہے

مُرغی اجمیر چلی	ازرقیہ ریحانہ صاحبہ	قیمت	۲ر
نیت کا پھل	ازمرزا مظفر حسین صاحب سیفی دہلوی	"	۲ر
شیدلا	از پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے۔ (آکسن)	"	۳ر
شہزادی گلنار	از پروفیسر محمد عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے	"	۴ر

اس بات کا خیال رکھو کہ جب ایک روپیہ سے کم کی کتابیں منگانا ہوں تو بجائے وی پی سے منگانے کے ٹکٹ بھیج دو۔ اس کے ساتھ دو آنے محصول بھی ضرور بھیجنا۔ ایک روپیہ سے زیادہ کی کتابیں بھی تم منی آرڈر بھیج کر منگا سکتے ہو۔ وی پی سے خرچ زیادہ پڑ جاتا ہے۔ پیام تعلیم کے خریداروں سے محصول ڈاک معاف۔ لیکن خط میں نمبر خریداری اور اس اعلان کا حوالہ ضروری ہے۔



مولانا راشد الخیری مرحوم

آپ کے متعلق اس پرچے میں ایک مضمون بھی ہے



فرانس کے بچے سمندر کے کنارے ہوائی جہاز کی طرح کی چھوٹی چھوٹی موٹروں کی دوڑ میں حصہ لے رہے ہیں



ہاتھی کے بچے کو دودھ پلایا جارہا ہے ۔

قیمت سالانہ عہ	# پیامِ تعلیم دہلی	فی پرچہ ۴ر

جلد ۱۹	اپریل سنہ ۱۹۳۶ء	نمبر ۴

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان - پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

پیام تعلیم کے نئے خریدار

خدا کا شکر ہے کہ پیام تعلیم کی رفتار اشاعت برابر ترقی پذیر ہے۔ یوپی اور سی پی کے صوبوں میں پیام تعلیم سرکاری طور پر منظور ہو گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرے صوبوں کے افسران محکمہ تعلیم پرچے کی طرف توجہ فرما کر ہمیں شکریے کا موقع دیں گے

جناب جمیل یوسف صدیقی صاحب ۔ حیدرآباد دکن
جنابہ مس رضیہ سلطان صاحبہ ۔ لکھنؤ
جناب عزیز احمد صاحب ۔ مقامہ گھاٹ
جنابہ بنت عبدالحمید صاحبہ ۔ حیدرآباد دکن
جناب سید آصف حسن صاحب ۔ گوہد ۔ گوالیار
جناب محمد یوسف صاحب سب انسپکٹر پولیس ۔ سارتھ
جناب حاجی محمد صالح صاحب ۔ دہلی
جناب محمد رکن الدین صاحب قادری بڑودہ
جناب محمد شفیع صاحب ۔ لائل پور
جناب سید ممتاز علی صاحب ۔ رتلام
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مسلم اسکول ۔ الہ آباد
جناب عبدالکریم صاحب ۔ اڈنا کمنڈ
حیدرآباد انجینئرنگ ہاؤس ۔ حیدرآباد دکن
جناب محمد اعجاز حسین صاحب ۔ مرادآباد
جناب آدم ہارون صاحب ۔ حیدرآباد سندھ
جناب عبدالحمید صاحب ۔ بھاول پور
سکریٹری صاحب لائبریری بنگالی کالج ۔ الہ آباد
جناب یعقوب حسن صاحب ۔ نندیال
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ اردو مڈل اسکول ہستان

سکریٹری صاحب انجمن اصلاح الکلام ۔ راندیر
جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ۔ الہ آباد
جناب شیخ تاج الدین صاحب نئی دہلی
جناب سید فضل کریم صاحب ۔ دانی ، پنڈارج
جناب محمد خالق صاحب ۔ کان پور
جناب مسٹر عبدالمجید صاحب ملتان
جناب ماسٹر لطیف محمد صاحب دہلی
جناب عبدالواحد خان صاحب ۔ سہاور
جناب ہیڈ ماسٹر صاحب گورنمنٹ اردو مڈل اسکول بنجن گڈھ
مدرسہ تحتانیہ شاہی ۔ علی آباد ۔
〃 〃 〃 یاقوت پورہ
〃 〃 〃 عثمان شاہی
〃 〃 〃 سلطان شاہی
〃 〃 〃 معظم شاہی
〃 〃 〃 افضل گنج
مدرسہ تحتانیہ کلثوم پورہ
〃 〃 جگم پیٹھ
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ ۔ کوہیر
جنابہ زہرہ زمند صاحبہ ۔ اددیہ

بچّوں سے باتیں

پچھلے دنوں اعلیٰ حضرت حضور نظام اور حیدرآباد دکن کے دوسرے بڑے بڑے افسر دلّی تشریف لائے تھے۔ حیدرآباد کے بزرگوں کو جامعہ سے خاص تعلق اور دلچسپی ہے۔ اسی تعلق اور دلچسپی کی وجہ سے اکثر حضرات باوجود کم فرصتی کے وقت نکال کر جامعہ تشریف لائے اور اس کی اقامت گاہوں (بورڈنگوں) مدرسے اور لائبریری وغیرہ کا بہت غور سے معائنہ کیا اور تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ انھوں نے جامعہ کے کاموں پر بہت اطمینان ظاہر کیا اور اس کی دن پر دن ترقی سے بہت خوش ہوئے۔

ان میں عالی جناب مہدی یار جنگ بہادر وزیر محکمہ سیاست اور سید مہدی حسن صاحب سکریٹری مہاراجہ کشن پرشاد بالقابہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جناب سید مہدی حسن صاحب ۱۰ مارچ کی شام کو کوئی چار بجے جامعہ تشریف لائے پہلے اقامت گاہوں تعلیمی مرکز اور جامعہ کی دوسری عمارتوں کا معائنہ فرمایا۔ آخر میں مکتبے میں تشریف لائے۔ یہاں انھیں مکتبے کی چھپی ہوئی کتابیں اور تمھارے پیام تعلیم کے پرچے بھی دکھائے گئے۔ ان پرچوں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ پیام تعلیم تو میرے پاس برابر آتا ہے۔ مکتبے ہی میں چائے کا انتظام بھی تھا۔ چائے پینے کے دوران میں جامعہ کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ جناب مہدی حسن صاحب نے جامعہ کے کاموں خصوصاً چھوٹے بچوں کے مدرسے اور اس کے انتظام کی بہت تعریف کی۔

کوئی ساڑھے چھ بجے یہ دلچسپ صحبت برخاست ہوئی۔

اس کے دوسرے ہی دن یعنی ۱۱ مارچ کو جناب مہدی یار جنگ بہادر وزیر محکمہ سیاسیات حیدرآباد جناب نجف علی خاں صاحب پولیٹکل سکریٹری کے ساتھ تشریف لائے۔ انھوں نے بھی جناب شیخ الجامعہ کے ساتھ پہلے اقامت گاہوں بچوں کے مدرسے اور جامعہ کی دوسری عمارتوں کا معائنہ فرمایا۔ اور آخر میں مکتبے تشریف لائے۔ یہاں انھیں مکتبے کی کتابیں اور پیام تعلیم کی کاپیاں دکھائی گئیں۔ آج بھی چائے کا انتظام تھا اور شیخ الجامعہ صاحب نے جامعہ کے بعض استادوں کو بھی بلایا تھا۔ دعوت سے پہلے انھوں نے تمام استادوں کو جناب مہدی یار جنگ بہادر سے ملایا۔ دعوت کے بعد کوئی ساڑھے چھ بجے آپ واپس تشریف لے گئے۔ جامعہ کے کاموں سے آپ بھی بہت مطمئن تھے۔

---

۱۹ مارچ کو اوکھلے میں جہاں جامعہ کی عمارتیں بن رہی ہیں راجہ رایان راجہ کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت بالقابہ کی بڑے پیمانے پر دعوت تھی۔ حیدرآباد کے افسروں کے علاوہ بہت سے بڑے بڑے لوگوں کو اس دعوت میں بلایا گیا تھا۔ مہاراجہ بہادر بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے اور اپنے صاحبزادوں کو بھیج دیا۔ پہلے تو سب نے چائے پی پھر جناب شیخ الجامعہ اور جناب خواجہ لطیف احمد صاحب انجینیر جامعہ نے معزز مہمانوں کو جامعہ کی عمارت دکھائی، جو اللہ نے چاہا تو تین چار مہینے میں بن کر تیار ہو جائے گی۔

دعوت میں شریک ہونے والوں میں رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر، ڈاکٹر سر آکبر حیدری، نواب سر محمد اکبر خاں آف ہوتی، سر محمد یعقوب، مولانا شوکت علی جناب مقبول حسین صاحب قدوائی، جناب مشیر حسین صاحب قدوائی، ڈاکٹر ایل۔ کے حیدر، لائبریری رام خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ دعوت بہت کامیاب رہی۔ اور ہر مہمان کے دل پر یہ اثر تھا کہ جامعہ بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔

مارچ کے پیام تعلیم میں۔ آپا جان کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے تم سے خود تمھاری بنائی ہوئی تصویریں، تعلیمی مرکز کے بچوں کے عجائب خانے میں

رکھنے کے لئے منگائی تھیں۔ وہ ہم سے کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ کہ بچوں کے پاس سے کیا جواب آیا۔ لیکن ہم نے ہمیشہ بڑی شرمندگی سے یہی جواب دیا کہ "کچھ نہیں" اُمید ہے کہ آئندہ تم ہمیں شرمندہ نہ کروگے اور آپا جان کے خط کا جواب ضرور دوگے۔ انھوں نے پیام تعلیم کے لئے بڑی اچھی اچھی چیزیں دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن شرط یہ لگائی ہے کہ بچے بھی پیام تعلیم سے دلچسپی کا ثبوت دیں یقین ہے کہ تم اس کے لئے تیار ہوگے۔

پچھلے پرچے میں ہم نے ان ہی صفحوں میں ایک انعامی مقابلے کا اعلان شائع کیا تھا۔ یعنی یہ کہ بچے اپنی پسند کی ہوئی کوئی نظم لکھ کر بھیج دیں۔ افسوس ہے کہ اب تک سوائے عزیزہ مس جمیلہ عبداللہ کے کسی بچے نے نظم نہیں بھیجی ہم اس کے لئے آخری تاریخ ۲۰ ر اپریل مقرر کرتے ہیں۔ بچوں کو چاہئے کہ جلد سے جلد اپنی پسند کی ہوئی کوئی نظم لکھ کر بھیج دیں۔

اگلے مہینے سے پیام تعلیم میں بچیوں کے فائدے اور دلچسپی کی چیزیں بھی بڑھائی جائیں گی۔ محترمہ بیگم صاحبہ عبدالغنی اور آپا جان کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ہر طرح ہماری مدد فرما رہی ہیں۔ دوسری بیویوں خاص کر بیگم صاحبہ ڈاکٹر عباد الرحمٰن صاحب مسز غلام السیدین صاحبہ اور بیگم صالحہ عابد حسین صاحبہ سے خصوصاً توجہ کی درخواست ہے۔

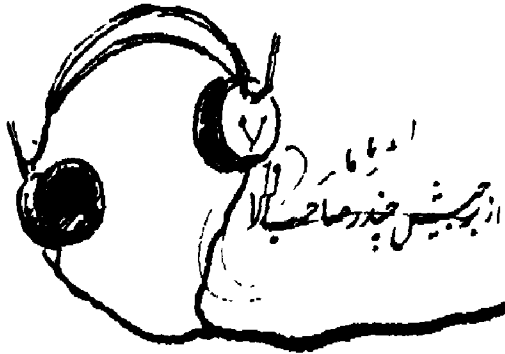
فروری میں جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے ہال میں تمھارے پیام تعلیم کے آرٹسٹ سید محمد اوپاما صاحب کی تصویروں کی شاندار نمائش ہوئی جناب ڈاکٹر انصاری صاحب مدظلہٗ امیر جامعہ نے اس نمائش کا افتتاح کیا۔ اوپاما صاحب کی تصویریں بہت پسند کی گئیں۔

اس پرچے میں ایک دلچسپ چیز شائع کی جا رہی ہے یقین ہے کہ تم اسے بہت پسند کروگے۔ یعنی چھوٹو اور موٹو۔ یہ سلسلہ کئی مہینے تک چلے گا۔ مگر بھائی تمھاری دلچسپی صرف تصویریں دیکھنے تک ختم نہ ہو جانا چاہئے۔ بلکہ انھیں غور سے دیکھو اور سمجھ کر ان پر ایک کہانی بھی لکھ کر بھیجو۔ جس کی کہانی سب سے اچھی ہوگی اسے ایک اچھا سا انعام دیا جائے گا۔ کہانی بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ ر اپریل ہے۔

فروری کے مہینے کا سب سے دردناک حادثہ مسز کملا نہرو کا انتقال ہے یہ بہت دنوں سے بیمار تھیں۔ حالت زیادہ نازک ہوئی تو انھیں جرمنی لے جایا گیا۔ حکومت نے ان کی شدید بیماری کی وجہ سے ان کے شوہر پنڈت جواہر لال نہرو کو رہا کر دیا تھا۔ اور یہ سیدھے جرمنی تشریف لے گئے تھے۔ ان کے وہاں پہنچنے کے بعد مریضہ کی حالت کچھ بہتر ہو چلی تھی۔ لیکن مرض۔ پورا حملہ کر چکا تھا اس لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور ہندوستان کی یہ قابلِ فخر خاتون اس دنیا سے چل بسی ہمیں اس حادثے میں پنڈت جواہر لال نہرو اور اُن کے خاندان کے دوسرے لوگوں سے دلی ہمدردی ہے۔

ابھی ابھی یہ افسوسناک خبر معلوم کرکے دلی صدمہ ہوا کہ جامعہ کے پرانے طالب علم مولوی محمد فاضل صاحب بی۔ اے، بی۔ ٹی، نے بہت تھوڑے دنوں بیمار رہ کر انتقال کیا۔ اِنّا لِلّٰہِ واِنّا الیہِ راجعون مرحوم آج کل فیضِ عام ہائی اسکول میرٹھ میں بہت کامیاب استاد تھے۔ جامعہ سے بہت محبت تھی میرٹھ میں ہمدردانِ جامعہ کا حلقہ اُن ہی کی توجہ سے قائم ہوا اور وہ اس میں بہت سرگرمی سے کام کرتے تھے، ہمیں اس حادثے میں اُن کے عزیزوں اور دوستوں سے دلی ہمدردی ہے۔

بچوں کا وائرلیس سیٹ



از جناب جیش حیدر صاحب

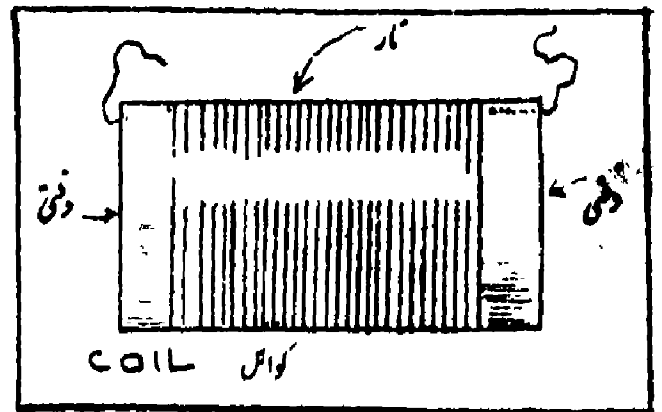
پچھلے پرچے میں ہم نے لکھا تھا کہ وائرلیس بے تار کی تار برقی کا چھوٹا آلہ یا کرسٹل سیٹ تم دو بھی بنا سکتے ہو۔ اور دوسرے پرچے میں اس کے بنانے کی ترکیب بتانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ کرنے کو تو ہم نے یہ وعدہ کر لیا۔ مگر یہ فکر رہی کہ کس طرح ہم تمھیں ایسی ترکیب بتائیں کہ تم آسانی سے یہ آلہ بنا لو۔ تم جانو جب آدمی کوئی ارادہ کر لیتا ہے تو وہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ چنانچہ بہت محنت اور غور اور کئی کتابیں پڑھنے کے بعد یہ ترکیب ہماری سمجھ میں آئی ہے۔ ہمارے خیال میں تو بہت آسان ہے۔ مگر پوری کامیابی تو ہم جب ہی سمجھیں گے جب تم بھی اسے کامیابی سے بنا لو۔

مضمون میں بہت سی چیزوں کے نام انگریزی ہیں بات یہ ہے کہ اُن کا اردو میں ایسا اچھا ترجمہ نہیں ہوا ہے کہ آسانی سے تمھاری سمجھ میں آ جائیں اس لئے ہم نے اصل انگریزی الفاظ بھی دئے ہیں۔ تمھیں ان کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت ہو تو اپنے سائنس ماسٹر صاحب سے پوچھ لینا۔ یقین ہے وہ ہر طرح تمھاری امداد کریں گے۔

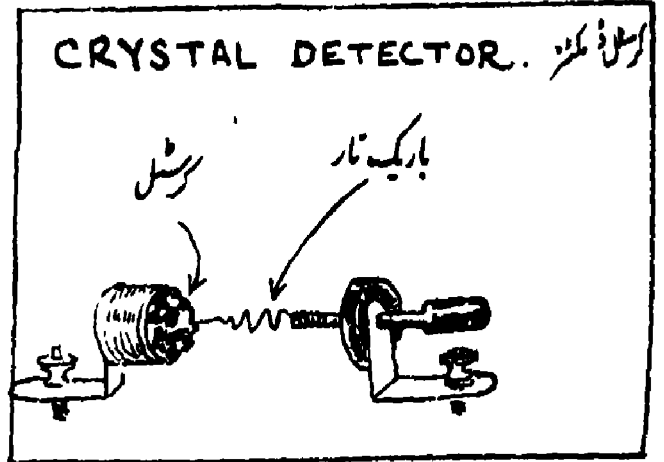
کوائل بنانے کی ترکیب

سب سے پہلے ہم تمھیں کوائل بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ ایک بارہ انچ لمبا اور ڈھائی انچ چوڑا پتلی دفتی کا ٹکڑا لو اور اسے کسی گول چیز پر لپیٹ کر ایک ٹیوب بنا لو۔ اس کے کنارے سے ½ انچ اونچا ایک سوراخ کرو اور تار نمبر ۲۸ S.W.G کا D.C.C یا وارنش کیا ہوا تانبے کا تار خوب کس کر برابر برابر لپیٹتے چلے جاؤ۔ جب دفتی کے دوسرے سرے کے قریب پہنچو تو کنارے سے ½ انچ اوپر ایک اور سوراخ کرو۔ اور اس میں سے تار کا سرا ڈال کر نکال لو۔ تار کے دونوں سروں کو اس طرح موڑ دو یا

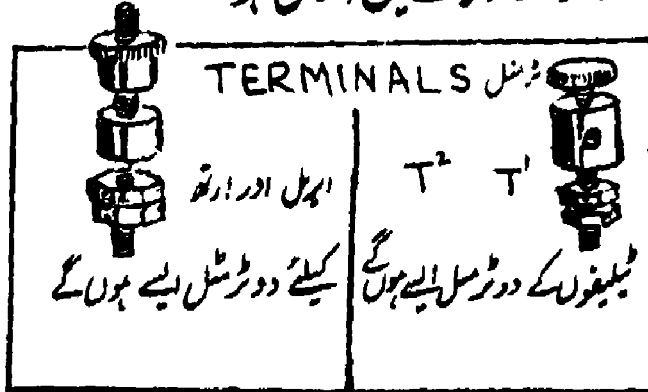
ان میں اس طرح گرہ دے دو کہ تار کسا رہے ان سب پر شلک (SHELLAC) وارنش پھیر دو اور جب یہ خشک ہو جائے تو اسے لکڑی کے تختے پر چپکا دو۔ یہ لکڑی کا تختہ آٹھ انچ لمبا، پانچ انچ چوڑا اور تقریباً ½ انچ موٹا ہونا چاہیے۔



اب اپنا کرسٹل ڈٹکٹر لو جو وائرلیس کی ہر ایک دوکان سے سستا مل جائے گا اسے

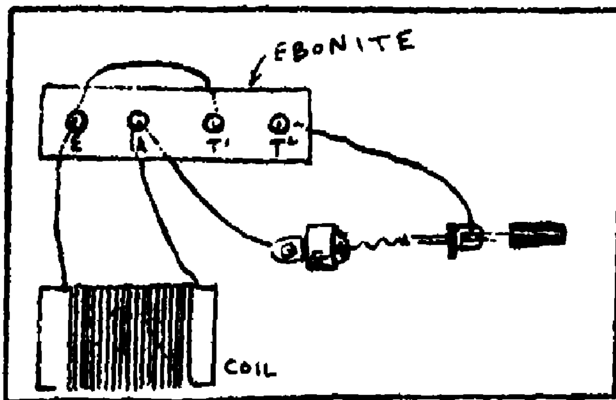


بھی اس تختے پر چپکا دو۔ ایک ایبونائٹ کا ٹکڑا لو۔ پانچ انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا۔ اسے بھی سرش سے کوائل کے قریب چپکا دو۔ اس ایبونائٹ کے ٹکڑے پر پیتل کے چار ٹرمنل ہونے چاہئیں ان ٹرمنلس کے نام E - A - T^1 اور T^2 لکھ دو۔ تاکہ ملانے میں آسانی ہو۔



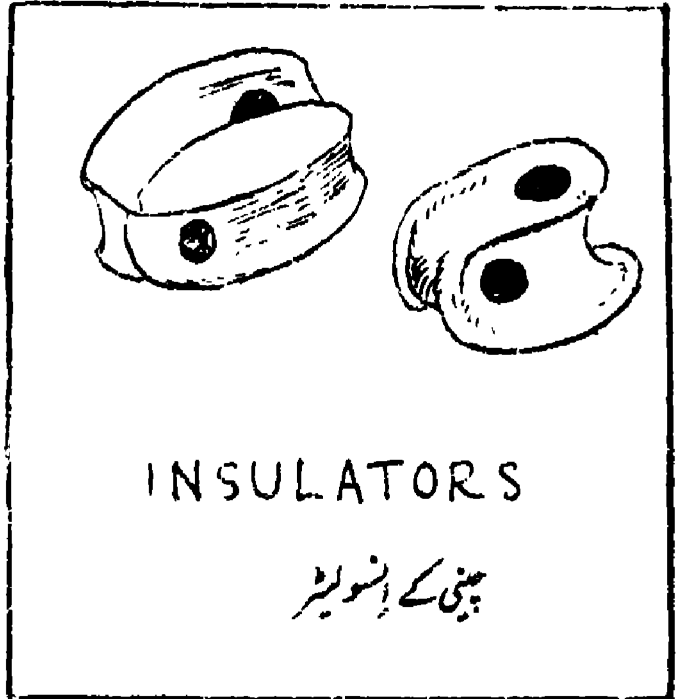
تار ملانا

اسے غور سے پڑھو۔ کوائل کا ایک سرا E سے ملاؤ اور E کو T^1 سے ملاؤ کوائل کا دوسرا سرا A سے ملاؤ اور A کو کرسٹل سے ملاؤ T^2 کو اس تار سے ملاؤ جو کرسٹل سے چھوٹتا ہے۔ بس تمھارا آلہ تیار ہو گیا اس آلے



کے ساتھ استعمال کرنے کے لئے ہیڈ فون کی قیمتی

ملیں گے ان کی قیمت چھ سے بارہ روپئے تک ہوگی۔ ہیڈ فونس کے دو تار ہوتے ہیں ایک T^{+}

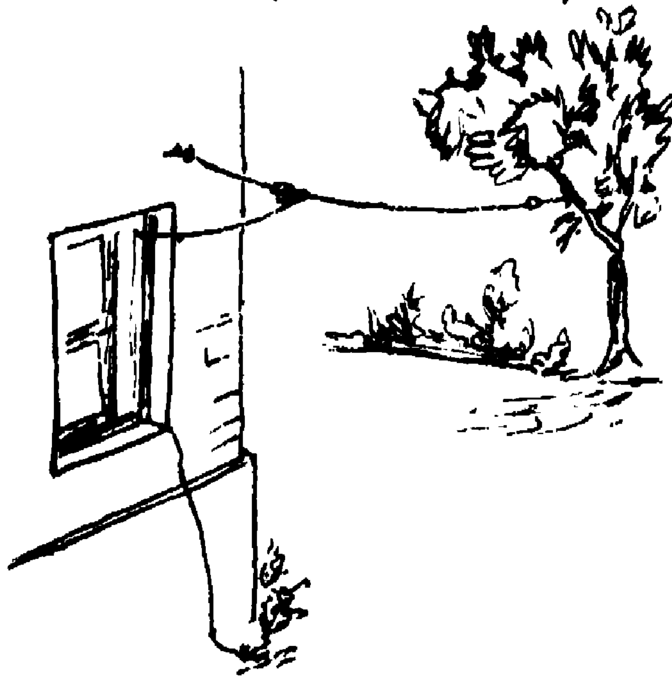


چینی کے اِنسولیٹر

سے ملاؤ۔ اور دوسرا T^{-} سے۔

ایریل لگانا
AERIAL

تمھارے مکان کے قریب کوئی درخت ہو تو وہ ایریل کے لئے ایک بانس کا کام دے گا۔ درخت نہ ہو تو چھت پر ایک بانس لگانا چاہئے۔ اسے کھڑا کرنے سے پہلے سرے پر ایک رسی کا ٹکڑا باندھو اس میں چینی کا ایک اِنسولیٹر لگاؤ۔ اِنسولیٹر کے دوسرے سوراخ میں تار ڈال کر گرہ دے دو۔ تار معمولی جست یا تانبے کا کافی ہوگا۔ یہ کوئی چالیس فٹ لمبا ہونا چاہئے۔ اس کا دوسرا



سرا بھی ایک چینی کے انسولیٹر میں ڈال کر موڑ دو اور اس میں ایک ایسا تار جوڑو جس پر ربڑ چڑھا ہوتا ہے۔ اب یہ تار اپنے سٹ تک لے جاؤ اور ٹرمنل سے ملادو۔ اس کا خیال رکھو کہ ایریل کا تار دیوار یا کسی اور چیز سے نہ چھوئے۔ ربڑ چڑھا ہوا تار چھو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ارتھ
EARTH

جس کمرے میں تمھارا سٹ ہے اُس کے باہر زمین میں ایک گز گہرا گڑھا کھودو ایک معمولی تار کا ایک سرا اس میں تہ تک پہنچا دو اور مٹی بھر کر دبا دو اس میں اکثر پانی ڈالتے رہو۔ تار کا دوسرا سرا E سے ملادو

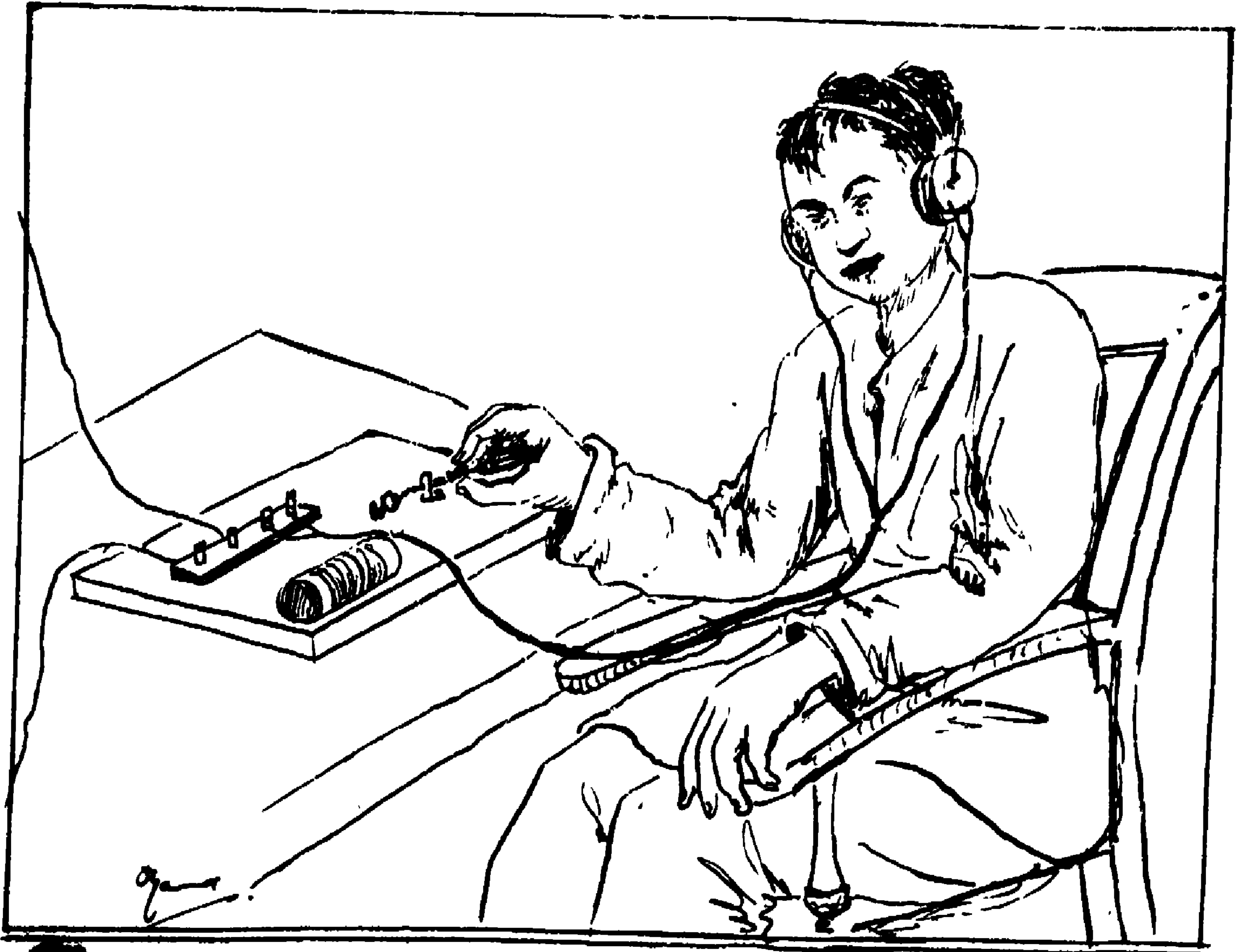
تمھارا سٹ تیار ہو گیا۔

اگر وائرلیس اسٹیشن تمھارے شہر ہی میں ہو۔ یا تمھارا مکان کسی اسٹیشن سے بیس میل کے اندر ہے تو تم وہاں کی آواز. اچھے اچھے گانے دلچسپ کہانیاں اور تقریریں مزے سے سُن سکوگے۔

سُننے کی ترکیب

کسی اچھے اخبار سے تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تمھارے قریب کا وائرلیس اسٹیشن کس وقت اپنا پروگرام شروع کرتا ہے۔ بس اسی وقت تم ہیڈ فونس اپنے کانوں پر لگاؤ۔ آواز صاف نہ آ رہی ہو تو کرسٹل ڈیٹکٹر کے تار کو جو کرسٹل پر لگا ہوا ہے آہستہ سے ادھر ادھر حرکت دو کہ آواز صاف آنے لگے

نوٹ :۔ اگر اب بھی آواز صاف نہ آئے تو تمھارے تار کے جوڑوں میں کچھ خرابی ہے ہر جوڑ جھلا ہوا ہو تو بہتر ہے۔



موٹو اور چھوٹو

ایک تھے موٹو - ایک تھے چھوٹو - اور ایک تھے ہم - موٹو تھے ذرا موٹے سے - چھوٹو تھے بہت چھوٹے سے - اور ہم تھے بس یوں ہی سے - دیکھو -

یہ ہیں موٹو — یہ ہیں چھوٹو — اور یہ ہیں ہم



موٹو تھے بڑے مزے کے آدمی اور چھوٹو بھی تھے بڑے حضرت - دونوں رہتے تھے ساتھ ساتھ اور روز ہی کچھ نہ کچھ قصہ رہتا تھا - ہم تھے بیکار - بس ان کی تصویر بنا لیا کرتے تھے - تصویریں کہیں دیکھ لیں تمھارے پیام تعلیم کے ایڈیٹر صاحب نے - بس پڑ گئے پیچھے کہ یہ چھپیں گی - ہم نے بھی کہا اچھا چھپیں - بس اب ہر مہینے ایک قصے کی تصویریں چھپ جایا کریں گی - مگر یہ شرط ہم نے کر لی ہے کہ تصویریں ہی چھپیں - قصہ نہ چھپے - قصہ تم خود تصویریں دیکھ کر نکالو - اور فرصت ہو اور جی چاہے تو لکھ کر ایڈیٹر صاحب کو بھیج دو - وہ کہتے ہیں کہ جو پیامی بھائی سب سے اچھی طرح قصہ سمجھے گا اور لکھ کر بھیجے گا اسے وہ دیں گے ایک اچھا سا —— انعام! بات بھی ٹھیک ہے - ہم نے بنائیں تصویریں - تم کو ملے گا انعام اچھا تو اب تصویریں دیکھو - مگر بھائی نمبر وار دیکھنا - نہیں تو قصہ سمجھ میں نہیں آئے گا -

تصویریں صفحہ —— ۱۲۹ —— پر دیکھو -

کتان[۵۱]

از جناب مولوی اسرائیل احمد خاں صاحب جامعی

کتان کی فصل پوری بہار پر تھی، اس کے ننھے ننھے نیلے پھول تتلیوں کے پروں کی طرح خوش نما معلوم ہوتے تھے ان کی نزاکت اور حسن کچھ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا، کتان کے کھیت پر سورج چمکتا اور مینہ برسا کرتا بادل اپنی پھوار اور بوچھار سے پھولوں کو اسی طرح صاف کیا کرتے تھے جس طرح کہ ایک ماں اپنے بچے کا منہ اور گال اپنے چوموں سے دھوتی ہے۔ بارش سے جو خوب صورتی اور تازگی پھول پتوں پر نظر آتی تھی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔

الغرض کتان کے پھولوں پر یہ سماں تھا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ میں بڑا سرسبز و شاداب ہو رہا ہوں" ایک کتان نے اپنے جی میں کہا "میں دن دونا رات چوگنا بڑھ رہا ہوں اور قدِ آدم سے بھی اونچا نکل گیا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اب جلد ہی میں پروان چڑھ جاؤں گا اور پھر ایک نفیس کتانی کپڑا مجھ سے بنایا جائے گا۔ اس مژدہ[۵۲] کو سن کر میں کیسا باغ باغ ہوتا ہوں، میری خوش قسمتی واقعی قابل رشک[۵۳] ہے، چاروں طرف کا سماں گلزار ہو رہا ہے اور قریب ہے کہ دنیا کی ایک بڑی ضرورت میں پوری کروں آدمیوں کے کسی نہ کسی مصرف میں میں ضرور آؤں گا۔ دیکھو تو سورج کی روشنی کس طرح ہر جاندار چیز کو زندہ دلی[۵۴] سے بھرے دیتی ہے اور بارش کیسی تازگی اور مٹھاس لاتی ہے! سچ یہ ہے کہ میری خوشی کا کچھ ٹھکانا نہیں وہ بے حد و حساب ہے اور دنیا میں اس کی کوئی نظیر[۵۵] نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج میں زمین کا

---

۵۱ سن یا پٹ سن ۵۲ خوش خبری ۵۳ جس کا ارمان یا آرزو ہو ۵۴ خوشی، امنگ ۵۵ مثال

سب سے زیادہ نصیبہ ور پودا ہوں !

"ہا ہا!" بید مجنوں[1] کی جھاڑی کی ایک لکڑی قہقہہ مار کر ہنسی، ایسے بھی انجان دنیا میں موجود ہیں! یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی جنت میں رہتے ہیں! اجی جناب، ذرا ہماری طرف دیکھ کر شیخی ماریں! ہماری ایک ہی چیز یعنی ہماری سخت گانٹھیں اور پوئیاں ہی آپ کی ساری صفات[2] کے لئے موت کا پیام ہیں!

اتنے میں ہوا چلی، کتان کے تنے چرچرانے لگے۔ ان آوازوں سے ایک غمگین نغمہ[3] بلند ہوا۔ بید نے کہا "اب یہ آپ کی بہار چل چلاؤ پر ہے"

"ہرگز نہیں!" کتان نے جواب دیا" ابھی اس کا نام بھی نہ لیجئے فصل بہار کے ختم ہونے کے ابھی کوئی آثار[4] نہیں۔ بلکہ یہ رنگین موسم ابھی پوری جوانی پر ہے۔ سورج اُسی تیزی اور گرمی سے لگاتار چمکتا ہے اور میں اپنے بدن میں زندگی اور تندرستی کا پورا جوش و طاقت پاتا ہوں۔ برسات ہو رہی ہے میرا بڑھنا بدستور جاری ہے اور کلیوں اور پھولوں سے میں دولھا بنا جا رہا ہوں!

لیکن اس خواب خرگوش[5] سے حضرت کتان کی آنکھیں آخر کار کھل گئیں۔ ایک دن آیا کہ بہت سے لوگ آکر کھیت میں پل پڑے اور بیچ کتان کا گلا دبایا! سارے درختوں کو بات کی بات میں جڑ پونی سے کاٹ کر صاف کر دیا گیا۔ اس مصیبت کو کس طرح بیان کیا جائے بس ایک قیامت تھی جو کھیت پر آپڑی تھی، کتان کی آبادی کے قتل عام[6] کے بعد موئے پر سو دُرّے کی مثل، تمام پودوں کو پانی میں ڈبو دیا گیا، اور چند روز کے بعد پھر اس میں سے نکال کر آگ کے سامنے گویا کباب بنا کر ان کو سینکا گیا!

اس افتاد[7] نے کتان کو فلاسفر[8] بنا دیا۔ اس نے اس طرح کہنا شروع کیا۔

دنیا نانی جی کا گھر نہیں کہ ہم وہاں ہمیشہ لاڈ پیار ہی دیکھیں، مصیبتوں اور حادثوں[9] کے بغیر چارہ نہیں ایک نظر سے یہ چیزیں ضروری بھی ہیں۔ یہ ہم کو تجربہ کار بناتی ہیں!

---

[1] معمولی بید [2] خوبیاں [3] گیت [4] علامتیں [5] غفلت کی نیند [6] ایک سرے سے سب کو مار ڈالنا [7] مصیبت [8] عقل اور حکمت والا آدمی [9]

لیکن مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے یہاں اُن کی کوئی حد نہ تھی۔ جناب کتان کی اب کٹائی پٹائی شروع ہوئی اور دھوپ میں اُن کو سکھایا اور صاف کیا گیا۔ آخر میں ان کو چرخ پر چڑھایا گیا۔ اِس گھن چکر میں اُن کا بُرا حال تھا! سررر، سررر۔ اس شکنجے[51] میں، کسی کی عقل بھلا کس طرح بجا[52] رہ سکتی ہے ؟!

"میں ان ساری ناگہانی آفتوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتا ہوں" کتان نے کہا، "میں نے اپنی پچھلی زندگی میں بڑا عیش اٹھایا ہے اور اب اس وقت مجھے اس کو بھول نہ جانا چاہئے!"

یہی صبر کے کلمے کتان کی زبان پر اس وقت بھی تھے جب کہ اس کے ریشے تانے بانے میں ڈالے گئے۔ کرگھے کے اندر ایک بڑا سا، خوب صورت تھان کتان کے کپڑے کا بنا گیا جس کی تیاری میں سارے کھیت کا ایک ایک تار صرف ہوگیا۔ کتان نے اپنی حالت پر پھر اظہار خیال شروع کیا:-

"لیکن سچ یہ ہے کہ مجھ پر جو کچھ گذرا ہے اس کو مصیبت کہنا غلطی ہے اس وقت میری جو حالت ہے وہ اپنی جگہ پر خود قابلِ فخر ہے۔ وہ جنگل جیسا کھیت اب ایک خوش نما بیل بوٹے والا مہین گزا تھان ہے۔ جو ایک کھِلا ہوا چمن معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری خوشی بالکل لازوال[53] ہے اور اس نے تا زیست[54] میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ بید مجنوں کا مایوسانہ[55] نغمہ کتنا گمراہ کرنے والا ہے ؟! زندگی اور زندگی کی بہار ابھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ ابھی اس کی ابتدا ہے۔ اس کی ساری مدت ایک سدا بہار موسم ہے! اس میں شک نہیں کہ میں نے بڑی سختی اُٹھائی لیکن وہ سختی اب ایک گئی گذری بات ہوگئی ہے اور جو چیز اس وقت موجود ہے۔ وہ ایک لطف و مسرت ہی! ساری مصیبت کا ایک بڑا نعم البدل[56] مجھ کو ملا ہے! اب دیکھئے اس خوب صورتی و خوش نمائی کو، اس مضبوطی اور لمبائی کو، یقیناً یہ ایک قابلِ شکر بات ہے۔ کہاں گھاس پات کا کھیت اور کہاں اس کتانی تھان کا تختہ گلاب! موسمِ بہار میں بھی یہ قدر نہ تھی جو اس وقت ہو رہی ہے! سچ مچ اپنی اس

[51] ایسا آلہ جس میں کوئی چیز کسی جائے [52] قائم [53] جس میں کبھی کمی نہ آئے [54] عمر بھر [55] ناامیدی کا [56] اچھا بدلہ

دوسری زندگی میں تو مجھ کو جنت ہی مل گئی۔
اس وقت کی عزتوں کے کیا کہنے! ایک حسین لڑکی روز صبح اپنے نازک اور مشتاق[۱] ہاتھوں سے میرے پرت الٹ کر دیکھتی ہے اور ہر شام کو ایک طاس کے اندر مجھ کو فوارے کے غسل کا مزہ حاصل ہوتا ہے۔ باورچی صاحب کی بیوی بھی اس دن مجھے دیکھ کر عش عش کر گئیں اور میرے بے بدل[۲] ہونے پر صاد کیا
اب کتان کا تھان قینچیوں سے کاٹا گیا۔ بیچارے کے نہ معلوم کتنے ٹکڑے ہو گئے لیکن جب سئے جانے کا وقت آیا تو ہزاروں سوئیوں نے غریب کا بدن چھلنی کر دیا! یہ ایسا عذاب[۳] تھا کہ اس میں کوئی پہلو لذت کا نہ ڈھونڈھا جا سکتا تھا۔ اور کتان نے کے لئے بالکل ناقابلِ برداشت[۴] تھا۔ خیر خدا خدا کر کے یہ کشٹ بھی کٹا سارے تھان کے کل بارہ کپڑے تیار ہوئے۔
"ہاں تو یہ ہے میرا آخری انجام!" کتان بولا مگر پروا نہیں، یہ بھی کوئی بری حالت نہیں۔ کم از کم آج میں ایک کار آمد چیز ہوں۔ اور کوئی سعادت[۵] دنیا میں باکار[۶] ہونے سے زیادہ نہیں! اگرچہ میں اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہوں لیکن در اصل مجھ کو یوں کہنا چاہیئے کہ ہم سب بارہ بھائی ہندول کا ایک پورا خاندان ہیں جو ایک ہی بدن کے اوپر ہمیشہ یکجا رہتے ہیں۔ یہ بھی بہت غنیمت ہے!"
اب ایک مدت گذر چکی تھی۔ ہر کپڑا پرانا اور کم زور ہونے لگا تھا اور جگہ جگہ سے پھٹنا شروع ہو گیا تھا
"اس میں شک نہیں" ہر ایک کپڑا بولا، کہ یہ چل چلاؤ کے سامان کچھ بھلے معلوم نہیں ہوتے لیکن کون ہے جس کے لئے کبھی نہ کبھی یہ دن نہیں رکھا ہو؟! ہمیں ناممکن باتوں کی آرزو نہ کرنی چاہیئے۔!"
اب سارا کتانی لباس تار تار ہو گیا تھا۔ ایک کارخانے کی مشینوں کے اندر اُسے کوٹا، رگڑا، اور صاف کیا گیا۔ ان کپڑوں کے ریزے ریزے ہو گئے تھے اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ اب ہمارا کام تمام ہو جانے والا ہے لیکن خلافِ توقع ان کو بالکل ایک نئی زندگی حاصل ہو گئی یعنی وہ ایک سفید براق[۸] کا غذ بن گئے

(باقی پھر)

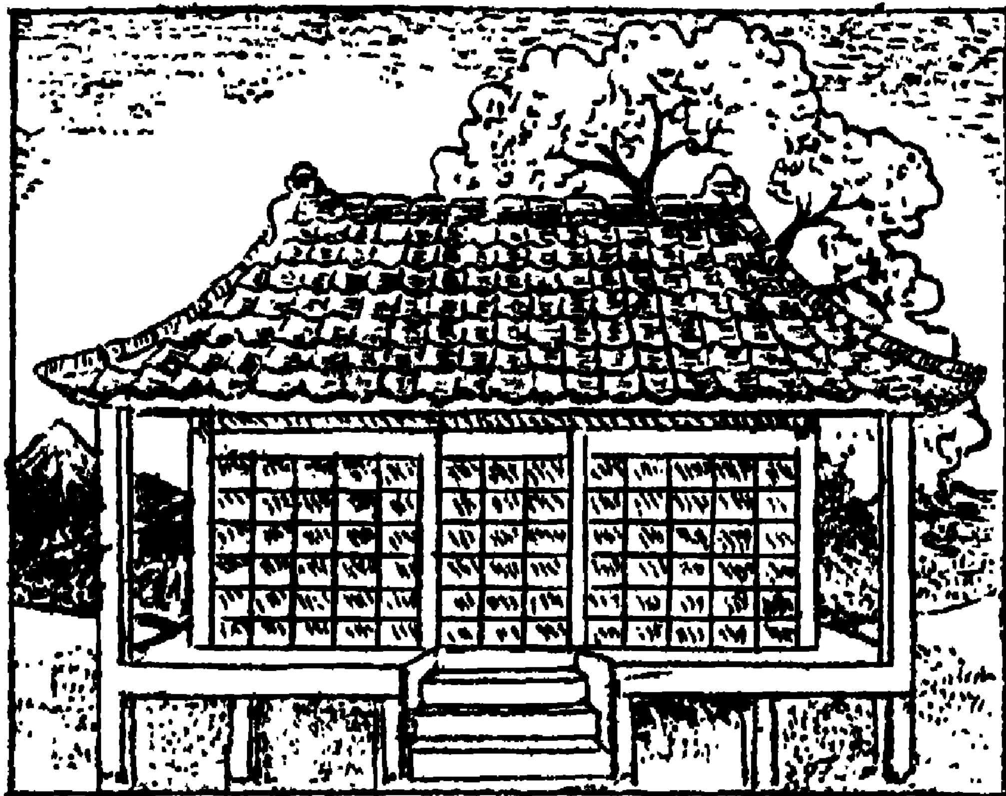
۱ شوق بھرے ۲ بے مثل ۳ تصدیق کی ۴ سخت تکلیف ۵ جس پر صبر نہ ہو سکے ۶ ٹھیک تھی ۷ کام کا ۸ بہت سفید

مختلف ملکوں کے بچے

جاپان کی سمیکو

ننھی سمیکو بہت پیاری بچی ہے ، ہلکا زرد رنگ ، کالی چمک دار آنکھیں ، کالے بھونرے بال ۔ چینیوں کی طرح جاپانی بھی زرد قوم سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ننھی سمیکو کا لباس بہت دلچسپ ہے ۔ ویسے تو جاپان کے بعض حصوں خصوصاً بڑے شہروں میں جاپانی ہے اسے کمر کے پاس ایک چوڑے کمر بندے باندھتے ہیں اس کی آستین تھیلے کی طرح نیچے لٹکتی ہیں اور بغل کے نیچے کھلی ہوئی ہیں اس لئے سمیکو انھیں جیب کی طرح استعمال کرسکتی ہے ۔

سمیکو ویسے ادھر ادھر ننگے پیر پھرتی رہتی ہے لیکن باہر



اکثر یورپ والوں کے سے کپڑے پہننے لگے ہیں ، جاپانی لڑکیاں یہی لباس پسند کرتی ہیں ۔ اس کا رواج ہندوستان میں بھی کچھ ہو چلا ہے ۔ لیکن اب بھی اکثر گھروں میں خاص کر دیہات میں وہ اپنا خوب صورت قومی لباس ہی پہنتی ہیں ۔ سمیکو بھی اکثر خوب صورت سا کمونو پہنے رہتی ہے ۔ یہ ایک لمبا چوڑا چغہ ہے جو ٹخنوں تک آجاتا جانے کے لئے جوتے اور موزے پہن لیتی ہے ۔ گھر میں عام طور پر لکڑی کی کھڑاویں پہنتی ہے ۔ ان میں بجائے کھونٹیوں کے دونوں طرف تسمے لگے ہوتے ہیں ۔ موزے ایسے نہیں ہوتے جیسے تم پہنتے ہو ۔ یہ ایک قسم کے کپڑے کے سلے ہوتے ہوتے ہیں اور کھڑاوں کی وجہ سے ان میں انگوٹھے کی جگہ الگ بنی ہوتی ہے ۔ اس سے ٹخنوں تک پیر

ڈھک جاتے ہیں۔ اس کے برساتی جوتے معمولی ہوتے ہیں۔ یہ چپل میں کھڑاویں یا چپل ہوتی ہے۔ جس کی لکڑی تین انچ چوڑی ہوتی ہے۔ سمیکو اسے پہن کر کئی انچ اونچی معلوم ہوتی ہے۔

سمیکو ایک پرانی وضع کے گھر میں رہتی ہے۔ یہ ایک خوب صورت باغ میں ہے۔ پاس ہی صاف پانی کا چشمہ ہے چھت سیاہ ٹائل (کھپرے) کی ہے۔ باہر کی دیواریں لکڑی کی ہیں برسات کے پانی سے سفید پڑ گئی ہیں اوپر چھت میں اور فرش پر خلنے سے بنے ہیں۔ یہ دیواریں ان ہی میں پھنسی ہوتی ہیں۔ اس لئے جب چاہیں انھیں آگے پیچھے سرکا سکتے ہیں۔ اندر کی دیواریں تصویر کے فریم کی طرح ہیں ان میں لکڑی کی بہت ہلکی جالی ہے ان کے ایک طرف نہایت صفائی سے باریک کاغذ چپکا دیا ہے۔ یہ فریم بھی چھت اور فرش میں پھنسے ہوئے ہیں اور آگے پیچھے سرک سکتے ہیں۔ اس قسم کی دیواروں کا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ایک کمرے میں کئی کمرے بنا سکتے ہیں۔ فرش پر ملائم سفید چٹائیاں بچھی ہیں کناروں پر کالی گوٹ لگی ہے یہ چٹائیاں اس قدر عمدہ نفیس اور صاف ہیں کہ ان پر جوتوں سمیت چلنے کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ جوتے ہمیشہ گھر کے باہر ہی اتارے جاتے ہیں اور سمیکو اور اس کے گھر کے لوگ صرف موزے پہن کر فرش پر چلتے پھرتے ہیں گھر میں کرسیاں یا صوفے وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ جاپانی، فرش ہی پر بیٹھتے ہیں کھانا بہت نیچی میزوں پر یا ٹرے (سینی) میں کھاتے ہیں۔ سمیکو کے گھر میں تمھیں کہیں بستر وغیرہ نظر نہ آئیں گے ان کے لئے انتظام یہ ہے کہ بعض کمروں میں دہری دیواریں بنا کر ان میں الماری یا نعمت خانے سی بنا لیتے ہیں اس کے بیچ میں الماری کی طرح کا ایک تختہ بھی لگاتے ہیں بس اسی الماری میں بچھونے تہ کرکے رکھ دیتے ہیں اس کے دروازے بھی ایسے ہوتے ہیں کہ چاہے نکال کر الگ رکھ دو چاہے لگا کر الماری بند کر دو۔

سمیکو کے گھر کی ہر چیز صاف اور خوب صورت ہے۔ اگر تم سمیکو کے گھر پہنچ جاؤ تو ادھر ادھر کمروں میں چلنے پھرنے اور لکڑی اور کاغذی دیواروں کو کھسکانے میں بڑا لطف آئے گا

سمیکو کے گھر میں کاغذ کی بنی ہوئی خوب صورت لالٹین ہے۔ یہی گھر میں روشن ہوتی ہے۔ لیکن آج کل جاپان کے اکثر گھروں میں بجلی کی روشنی کا رواج ہو گیا ہے

سمیکو کے گھر مہمان پہنچ جائیں تو اُن کی بہت آؤ بھگت ہوتی ہے۔ کھانا کھلانے کا انتظام بھی بہت عمدہ ہے۔ ہر مہمان کے لئے ایک علٰحدہ میز ہوتی ہے۔ یہ ایک فٹ اونچی بالکل ٹرے (سینی) کی شکل کی ہوتی ہے۔ سمیکو عام طور پر بہت سادہ کھانا کھاتی ہے۔ شوربا، مچھلی، انڈے، سبز ترکاریاں اور چاول، چاول الگ ایک دیگچی میں آتے ہیں اور آخر میں اس کے کئی کئی پیالے کھائے جاتے ہیں۔ یہ اس قدر سفید ہوتے ہیں جیسے اسکیمو لینڈ کا برف۔ مہمانوں سے چاول کھانے کے لئے بار بار اصرار کیا جاتا ہے۔ جاپان میں چاولوں کا رواج ایسا ہی ہے جیسے ہمارے یہاں روٹی کا۔ کبھی کبھی سمیکو کو چاولوں کے ساتھ اچار بھی مل جاتا ہے

چاء بغیر دودھ، شکر یا نمک کے بالکل سادی پی جاتی ہے سمیکو چاء کی بہت شوقین ہے۔ جاپان میں چاء پیدا بھی بہت ہوتی ہے۔

جاپان میں ہاتھوں سے کھانا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے، چھری کانٹے کا بھی رواج نہیں ہے۔ بلکہ، ہڈی یا لکڑی کی دو تیلیوں سے کھاتے ہیں۔ دونوں تیلیاں دونوں ہاتھوں میں لے کر وہ بڑی ہوشیاری اور تیزی سے کھانا منہ تک لے جاتے ہیں۔

جاپان کے جزیروں کا اکثر علاقہ پہاڑی ہے وہاں کھیت اور مویشی بہت کم ہیں ۔ مچھلی بہت کھائی جاتی ہے اور گویا گوشت کی کمی کو پورا کرتی ہے

سمیکو ایک بہت اچھے اسکول میں جاتی ہے اور وہ تمام باتیں سیکھتی ہے جو تم سیکھتے ہو ۔ اس کے پاس کتابیں ہیں نقشے ہیں گلوب ہے غرض پڑھنے لکھنے کا اچھے سے اچھا سامان ہے مگر اس کی کتابیں کچھ عجیب قسم کی ہیں ۔ ہمارے اور اس کے ملک کے خط میں بہت فرق ہے ۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ہم دہنے سے بائیں کو لکھتے ہیں اور وہ اوپر سے نیچے کو ۔

جاپان میں بہت سے قصبے اور شہر ہیں ویسے ہی جیسے ہمارے یہاں ریل کے ذریعے ملک کے ہر حصے میں جاسکتے ہیں وہاں رکشا یعنی ان چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کا بھی رواج ہے جنھیں آدمی کھینچتے ہیں ۔

جاپان کے بچے اپنا وقت خوب ہنس کھیل کر گذارتے ہیں ان کے لئے خوب صورت خوب صورت کھلونے اور قسم قسم کی مٹھائیاں تیار کی جاتی ہیں ۔ چھوٹی بچیوں کے لئے وہ دن بہت خوشی کا ہوتا ہے جب وہ سال میں ایک بار گڑیوں کا تیوہار مناتی ہیں ۔ لڑکوں کا تیوہار بھی سال میں ایک بار منایا جاتا ہے یہ جھنڈے کا دن کہلاتا ہے



مسلمان بادشاہوں کے زمانے کی چند دلچسپ باتیں

(از سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب بی اے بی ٹی علیگ رفیق دارالمصنفین، اعظم گڈھ)

آج کل کا زمانہ ایجادوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ہر روز کچھ اس تیزی سے نئی نئی چیزیں ایجاد ہورہی ہیں کہ عقل حیران ہے مگر اس سے یہ خیال تمھارے ذہن میں نہ آئے کہ پہلے کا زمانہ ایجادوں سے خالی تھا۔ ایسا نہیں ہے۔ بڑے ہوکر تم دنیا کی تاریخ کو غور سے پڑھوگے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ جب سے یہ دنیا قائم ہے اتنی بے شمار چیزیں ایجاد ہوچکی ہیں کہ صرف ان کا نام گنانے میں صفحے کے صفحے رنگ جائیں گے اس وقت صرف تم ہندوستان کے چند مسلمان بادشاہوں کی کچھ دلچسپ ایجادوں کا حال لکھتے ہیں۔ امید ہے کہ تم دلچسپی سے پڑھوگے

ہمایوں کے زمانے میں بعض بہت دلچسپ چیزیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ ایک عجیب و غریب بات یہ تھی کہ دریا میں بازار لگتا تھا کشتیوں میں دوکانیں لگی تھیں۔ یہ اس ترتیب اور سلیقے سے سجائی جاتی تھیں کہ بالکل بازار کا ساسماں معلوم ہوتا تھا۔ ہمایوں نے فیروز آباد دہلی سے آگرہ کا سفر دریا کے راستے سے کیا تو اس قسم کا سجا سجایا بازار دریائے جمنا میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ہر شخص جو سامان چاہتا تھا یہاں سے خرید سکتا تھا شاہی باغبانوں نے ہمایوں کے حکم سے پانی پر ایک باغ بھی لگایا تھا۔

اکبر کے زمانے میں بہت سی چیزیں ایجاد ہوئیں اس دربار کا حکیم "علی" مشہور طبیب اور ریاضی دان تھا۔ اس نے ایک عجیب و غریب حوض بنایا حوض کے پہلو میں ایک کمرہ تھا اس میں دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ فرش فروش سے آراستہ تھا۔ یہاں کھانا بھی تیار ملتا تھا۔ کمرے کا راستہ حوض کے پانی کے اندر سے تھا۔ لیکن کچھ اس طرح بنایا گیا تھا کہ حوض کا پانی کمرے کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ اس قسم کا حوض لاہور اور آگرہ دونوں جگہ تھا۔ اکبر اور جہانگیر برابر اس کی سیر کیا کرتے تھے۔

اکبر کے زمانے میں ایک کل کی چکی تھی جو پانی اور ہوا وغیرہ کے زور سے نہیں بلکہ خود بخود چلتی تھی۔ اکبر کو چوگان بازی کا شوق تھا اس لئے ایسی گیندیں ایجاد کی گئیں جو شعلے کی طرح نظر آئیں تاکہ اندھیری راتوں میں چوگان کھیلا جاسکے اکبر کے زمانے میں مختلف قسم کی توپیں ایجاد ہوئیں۔ ان میں ایک توپ ایسی تھی کہ جوڑیوں کے حلقے کی طرح الگ الگ ہوجاتی تھی ضرورت کے وقت ان حلقوں کو ملا دیتے تھے تو ایک توپ بن جاتی تھی۔ ایک توپ سترہ نال کی تھی۔ لیکن سب نالیں ایک ہی ساتھ سر ہوتی تھیں۔ بعض توپیں ایسی تھیں جن کو ایک ہزار بیل اور چار ہاتھی مل کر کھینچتے تھے لیکن لانے اور لے جانے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کی توپیں ایجاد کی گئیں بعض توپیں ایسی تھیں جن کو صرف ایک ہاتھی اٹھاکر لے جاسکتا تھا۔ اور بعض کو ایک آدمی اٹھاکر دوڑ سکتا تھا۔

جہاں گیر نے نہایت نادر تصویریں اور مرقعے تیار کرائے تھے ۔ اس کے پاس ہاتھی کی ہڈی کے ترشے ہوئے چار مرقعے تھے جو ایک پستہ کے چھلکے میں آجاتے تھے ۔ ایک مرقعے میں چند پہلوان باہم لڑ رہے ہیں ایک ہاتھ میں نیزہ لئے کھڑا ہے دوسرے کے ہاتھ میں سپر کا ٹکڑا ہے ۔ ایک اور پہلوان زمین پر ہاتھ ٹیکے بیٹھا ہے اس کے سامنے ایک کمان اور ایک برتن رکھا ہے ۔ دوسرے مرقعے میں ایک تخت ہے جس پر ایک شامیانہ تنا ہوا ہے ۔ تخت پر ایک بادشاہ پاؤں پر پاؤں رکھے بیٹھا ہے اس کی پیٹھ تکیہ سے لگی ہوئی ہے ۔ پانچ خدمت گار اس کے گرد وپیش کھڑے ہوئے ہیں اور درخت کی ایک شاخ اس بادشاہ کے سر پر سایہ کر رہی ہے ۔ تیسرے مرقعے میں نٹ تماشا دکھا رہے ہیں ایک نٹ اپنے داہنے پاؤں کو سر کے پیچھے سے لاکر بائیں ہاتھ سے پکڑے ایک پاؤں پر کھڑا ہے اور ایک بکری کو بھی لکڑی کے سرے پر ٹکا دیا ہے ایک نٹ گلے میں ڈھول ڈالے بجا رہا ہے اور دوسرا نٹ ہاتھ اوپر کئے ہوئے کھڑا ہے اور طناب کی طرف آنکھ لگائے ہوئے ہے ۔ پانچ شخص اور کھڑے ہیں ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہے ۔ چوتھے مرقعے میں ایک درخت ہے اور اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہیں ایک آدمی ان کے پاؤں پر سر رکھے ہے اور ایک بزرگ ان سے باتیں کر رہے ہیں چار شخص اور کھڑے ہیں ۔

تعجب یہ ہے کہ تمام تصویریں ایک پستہ کے چھلکے میں آجاتی تھیں ۔ اس صنعت پر جتنی بھی حیرت کی جائے کم ہے ۔

شاہ جہانی عہد کا سب سے بڑا کارنامہ تخت طاؤس ہے جو بے بدل خاں داروغۂ زرگر خانہ کے اہتمام میں ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے سات سال میں تیار ہوا اس کے صلے میں شاہ جہاں نے اسے سونے میں تلوایا ۔

اس تخت کے بنوانے کا خیال شاہ جہاں کے دل میں اس لئے پیدا ہوا کہ مختلف قسم کے قیمتی جواہر شاہی جواہر خانے میں جمع ہوگئے تھے ۔ شاہ جہاں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو ایسے موقعے پر لگانا چاہئے کہ ایک طرف تو نمائش کا کام دیں دوسری طرف سلطنت کی شان وشوکت میں بھی اضافہ ہو اس غرض سے اس نے جواہرات کا انتخاب کیا دو کروڑ روپے کی قیمت کے خاص جواہرات تو محل کے اندر تھے ان کو اس نے علیحدہ رکھا ۔ لیکن تقریباً ۲ کروڑ روپے کے جو جواہرات کارخانے میں تھے ان میں سے ۸۶ لاکھ روپے کے جواہرات انتخاب کرکے بے بدل خاں کے حوالہ کئے کہ ایک لاکھ تولہ خالص سونے کا (جس کی قیمت چودہ لاکھ ہوتی تھی) ایک تخت تیار کرایا جس کا طول سوا تین گز ، عرض ڈھائی گز اور اونچائی پانچ گز ہو ۔ اس تخت کی چھت کے اندرونی حصے میں زیادہ تر مینا کاری کا کام تھا اور کچھ حصہ مرصع تھا ۔ چھت کے باہر کے حصے میں لعل ویاقوت جڑے تھے اور اس کو زمرد کے ۱۲ ستونوں پر قائم کیا گیا تھا ۔ چھت کے اوپر دو مرصع طاؤس بنائے گئے تھے اور دونوں طاؤسوں کے درمیان ایک درخت لگایا تھا ۔ جس میں لعل ، الماس ، زمرد اور مروارید جڑے تھے ۔

تخت کے گرد تکیہ لگانے کے لئے ۱۱ جڑاؤ تختے لگائے گئے تھے اس میں سے درمیان کا تختہ دس لاکھ روپے کی قیمت کا تھا ۔ بادشاہ تخت پر تکیہ لگاکر بیٹھتا تھا تو ہاتھ اسی تختہ پر رکھتا تھا ۔ ان میں ایک لعل تھا جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی ۔ عالم گیر کے زمانے میں اس تخت کو اور مرصع کیا گیا جس سے اس کی قیمت ایک کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہوگئی

افسوس کہ یہ تخت نادر شاہ ہندوستان سے لوٹ کر اپنے یہاں لے گیا اس کے لٹ جانے پر ہندوستانی جتنا بھی خون کے آنسو بہائیں کم ہے۔

عالمگیر کے عہد میں بھی عمدہ عمدہ ایجادیں ہوئیں امیرالامرا شائستہ خان نے عالمگیر کی بارگاہ میں ایک آئینہ پیش کیا تھا۔ اس کے مقابل تربوز رکھ دیتے تھے تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے اور وہ بالکل خشک ہوجاتا تھا۔ اسی قسم کا ایک عجیب و غریب صندوق تھا جس کے ایک طرف ہاتھی اور ایک طرف بکری بندھی رہتی تھی۔ ہاتھی اس صندوق کو نہیں کھینچ سکتا تھا۔ مگر بکری صندوق کو مع ہاتھی کے کھینچ لیتی تھی[۱]

لومڑی



از عبدالحی صاحب علوی متعلم درجہ چہارم۔ جامعہ تعلیمی مرکز نمبرا

اُو بھائی سید حسن آج کالے پہاڑ کی سیر کریں۔ آہا یہ تو جنگل آگیا۔ دیکھو وہ گائے چر رہی ہے۔ ادھر دیکھو وہ بھینس بھد بھد دوڑ رہی ہے۔ چلو اس پہاڑ کی سیر کریں۔ ارے یہ کتے کی شکل کا کون جانور ہے۔ خوب یاد آیا۔ ہمارے ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اس پہاڑ پر لومڑیاں بہت ہوتی ہیں۔ ماسٹر صاحب نے اس پر دو شعر بھی سنائے تھے۔

لام سے لومڑی بڑی مکار   جس سے کتوں نے مانی ہار
ایسے چلتر یہ ہے دکھاتی   کتوں کے یہ ہاتھ نہیں آتی

یہ کتے کی نسل میں ہے شکل بھی کتے سے ملتی جلتی ہے۔ دُم گچھے دار، رنگ سفید، کالا اور سرخ۔ یہ کھلے میدانوں میں بھٹ میں رہتی ہے۔ بھٹ خود نہیں بناتی۔ دوسروں کا چھین لیتی ہے۔ امریکہ میں 'وڈ کا چک' نامی ایک جانور ہے اس کا بھٹ بھی چھین لیتی ہے۔ ایک دفعہ ایک بجو کے بل میں رہنے لگی اور اتنی گندگی پھیلائی کہ اس بے چارے کو اپنا گھر چھوڑتے ہی بن آئی۔

مرغی، خرگوش، کبوتر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتی ہے۔ یہ بہت مکار، چالاک اور دغاباز مشہور ہے۔ گندہ بھی بہت رہتی ہے۔ بچہ دینے کا وقت فروری اور مارچ کا مہینہ ہے۔ پیدا ہوتے وقت بچے اندھے ہوتے ہیں انھیں اپنے پیٹ سے لگائے پھرتی ہے۔

---

[۱] مندرجہ بالا اور اس قسم کے تمام اختراع و ایجادات کی تفصیل "اسلامی تمدن ہند" میں ملے گی جو دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کی طرف سے بہت جلد شائع ہونے والی ہے۔

اڑنے والے غبارے

(سید محمود احمد ہنر شاہجہاں پوری)

تم نے اکثر بازار میں ایسے غبارے بکتے ہوئے دیکھے ہوں گے جو چھوڑ دینے سے آسمان میں اُڑ جاتے ہیں اور تاگے میں باندھ کر بچّے رہنے پر بھی اوپر بھاگ جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جن ربر کے غباروں میں تم منہ سے ہوا بھرتے ہو وہ اوپر اڑانے سے بھی نہیں اڑتے بلکہ زمین پر گر جاتے ہیں بات یہ ہے کہ اوپر اڑنے والے غباروں میں ہائیڈروجن گیس بھری ہوتی ہے۔ یہ گیس ہوا کے مقابلے میں اتنی ہلکی ہوتی ہے کہ غبارے میں بھرنے کے بعد اسے اوپر اڑا لے جاتی ہے۔



ہائیڈروجن سے غباروں کو بھرنے کی ترکیب ہم یہاں لکھتے ہیں یہ ترکیب بہت آسان ہے۔ مگر یاد رکھو ہائیڈروجن گیس میں بہت جلد آگ لگتی ہے۔ اور ہوا کی ملی ہوئی ہائیڈروجن گیس میں جب آگ لگتی ہے تو پٹاخے کی سی بہت تیز آواز ہوتی ہے۔ اس لئے احتیاطاً ہائیڈروجن گیس بناتے وقت اس پاس لیمپ (چراغ) لالٹین یا دیاسلائی نہ جلاؤ۔

ہائیڈروجن گیس بنانے کے لئے اوسط درجے کی ایک بوتل یا شیشی لو اور اس میں دو حصہ پانی اور ایک حصہ نمک کا تیزاب چھوڑ دو (خیال رہے کہ تیزاب ہاتھ پر نہ پڑنے پائے ورنہ ہاتھ جل جائے گا) نمک کے تیزاب کو انگریزی میں ہائیڈروکلورک ایسڈ کہتے ہیں۔ اور وہ قریب قریب انگریزی دواخانے ہی سے مل سکتا ہے۔ اس کے بعد جب غباروں میں ہوا بھرنی ہو تو بوتل میں تین چار ٹکڑے جستے کے چھوڑ دو۔ اور فوراً غبارے کا منہ شیشی کے منہ پر چڑھا دو۔ غبارے کے منہ پر پہلے سے تاگا بھی لگا رکھنا چاہیئے کہ ہوا بھر چکنے کے بعد گیس دبنے سے ہوا باہر نہ نکل سکے۔ تیزاب میں جستہ پڑتے ہی ہائیڈروجن گیس نکلنے لگتی ہے جس سے غبارہ جلد بھر جاتا ہے۔ جب سب غبارے بھر لئے جائیں تو تیزاب کو کسی شیشے کے گلاس میں نکال کر رکھ دو۔ جستہ بھی نکال کر پانی سے صاف کرکے الگ رکھ دو۔ ضرورت کے وقت پھر استعمال کر سکتے ہو

(ترجمہ)

مولانا راشد الخیری مرحوم

محمد حسین حسان

مولانا راشد الخیری مرحوم (ان پر خدا کی رحمت ہو) ۱۸۶۸ء میں دلی کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئے اُن کے والد حافظ عبد الواحد حیدر آباد کی ریاست میں بندوبست کے محکمے میں افسر تھے۔ شمس العلما مولانا نذیر احمد مرحوم ان کے سگے پھوپھا اور استاد تھے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی ابھی وہ نو برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا مولینا اس زمانے میں عربک اسکول میں تعلیم پا رہے تھے ان کے ایک چچا اس وقت اورئی ضلع جالون میں ڈپٹی کلکٹر تھے، وہ انھیں اپنے ساتھ لے لئے اور گورنمنٹ اسکول میں داخل کر دیا یہاں سے ان کا تبادلہ اوناؤ ہوگیا تو مولانا بھی ان کے ساتھ گئے یہاں وہ بندوبست کے سرکاری محکمے میں اچھی تنخواہ پر نوکر ہوگئے۔ مگر اس کام میں ان کا جی نہ لگتا تھا۔ وہ شروع سے لکھنے پڑھنے کی طرف مائل تھے۔ مولانا نذیر احمد کی شاگردی اور ان کی کتابوں کے مطالعے نے ان میں مسلمان عورتوں سے ہمدردی پیدا کر دی تھی۔ اپنی ملازمت کے زمانے میں انھوں نے عورتوں کے لئے صالحات کے نام سے ایک بہت اچھی کتاب لکھی ان کی شروع کی کتابوں میں مولینا نذیر احمد کا رنگ غالب تھا۔ مگر بعد میں انھوں نے اپنا خاص رنگ پیدا کر لیا جو بہت مقبول ہوا اور ملک نے انھیں مصورِ غم یعنی غم کی تصویر کھینچنے والے کا خطاب دیا۔

وہ سر عبد القادر کے مشہور رسالہ مخزن کے جائنٹ ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر بھی ہوئے۔ مگر اس مشغلے سے انھیں زیادہ دلچسپی نہیں پیدا ہوئی ۱۹۰۸ء میں انھوں نے خود عورتوں کے لئے عصمت اور ۱۹۱۱ء میں مردوں کے لئے تمدن جاری کیا۔ ان میں سے عصمت اب تک جاری ہے اور دن پر دن ترقی کر رہا ہے۔

مسلمان عورتوں کی حالت اب تو کچھ سدھر چلی ہے مگر کچھ دن پہلے تو نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ جہالت اور جہالت کی وجہ سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ان سب میں مبتلا تھیں اس افسوس ناک حالت کی اصلاح کی طرف سب سے پہلے تو مولینا حالی اور مولینا نذیر احمد نے توجہ کی اور پھر مولوی سید ممتاز علی صاحب اور مولینا راشد الخیریؒ نے۔ مولینا کا دل عورتوں کی پستی اور مظلومی کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا تھا، آخر انھوں نے اپنی ساری زندگی اس نیک کام کے لئے وقف کر دی۔ مسلمان عورت کی اصلاح کی دھن انھیں آخر وقت تک رہی اپنے اس مقصد کے لئے انھوں نے کتابوں کے علاوہ کئی رسالے بھی نکالے عصمت کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس رسالے میں اکثر مضمون عورتوں ہی کے ہوتے ہیں بہت مفید اور دلچسپ۔ اس چھبیس، ستائیس سال کے عرصے میں عصمت نے پڑھی لکھی عورتوں کا بہت بڑا حلقہ قائم کر دیا ہے۔ اس کے

علاوہ چھوٹی بچیوں کے لئے بنات اور سینے پرونے اور کشیدے کی تعلیم کے لئے جوہر نسواں بھی جاری کئے جو کامیابی سے نکل رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان رسالوں نے مسلمان عورتوں میں نئی زندگی نئی روح، اور اپنی حالت کے سدھارنے کا احساس پیدا کر دیا ہے۔

۱۹۲۳ء میں مولینا نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تربیت گاہ بنات کے نام سے بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مدرسہ جاری کیا۔ اس کی مالی حالت بہت کم زور تھی پھر بھی اس نے تھوڑے دنوں میں بہت اچھا کام کیا افسوس ہے کہ مولینا کے انتقال کے بعد یہ مدرسہ بند کر دیا گیا۔

تم نے مولینا کی کتابیں بھی پڑھی ہیں؟ موقع ملے تو ضرور پڑھنا۔ اس سے تمھیں یہ اندازہ ہوگا کہ مولینا قصے کے پیرائے میں عورتوں کی خراب حالت کا نقشہ کیسے دردناک انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اکثر مقام تو ایسے ہیں کہ بے اختیار تمھارے آنسو نکل آئیں گے اور تمھیں خود یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی مصور غم تھے۔ لیکن انھیں صرف مصور غم ہی سمجھنا غلطی ہے انھوں نے کئی کتابیں مثلاً نانی عشو، سات روحوں کے اعمالنامے وغیرہ ایسی لکھی ہیں کہ انھیں پڑھ کر تم ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ گے وہ شاعر بھی تھے صرف نظمیں کہتے تھے اور ان نظموں میں عورت کی زندگی کا دردناک نقشہ کھینچتے تھے۔ ان کی نظم رودادِ قفس پڑھنے کے قابل ہے۔

مولینا نے زیادہ تر کتابیں عورتوں کی حمایت اور ان کی اصلاح کی غرض سے لکھی ہیں۔ ان میں صبح زندگی، شام زندگی اور شب زندگی بہت مشہور اور مقبول ہیں۔ ان کے علاوہ تاریخی ناول ہیں اور کچھ مزاحیہ افسانے۔ مقصد ان کا بھی اصلاح ہے۔ وہ کوئی پچاس کتابوں کے مصنف ہیں اور یہ سب کتابیں کئی کئی بار چھپ چکی ہیں۔

مولینا اگلے زمانے کے بزرگوں کا بہترین نمونہ تھے طبیعت بہت سادہ پائی تھی۔ اور بہت خوش مزاج تھے، اور ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ اخلاق و مروت سے ملتے تھے ان کے ایک عزیز دوست ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

"رُلوانے والے مولینا خود بہت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ میں نے مولینا سے بڑھ کر ہنس مکھ، زندہ دل سادہ مزاج اور بے تکلف اتنے بڑے آدمیوں میں جتنے کہ مولینا تھے کسی کو نہیں پایا انھیں اپنے مرتبے کا احساس ہی نہ تھا وہ اپنے چھوٹوں بلکہ نوکروں تک سے مذاق کر لیا کرتے تھے"

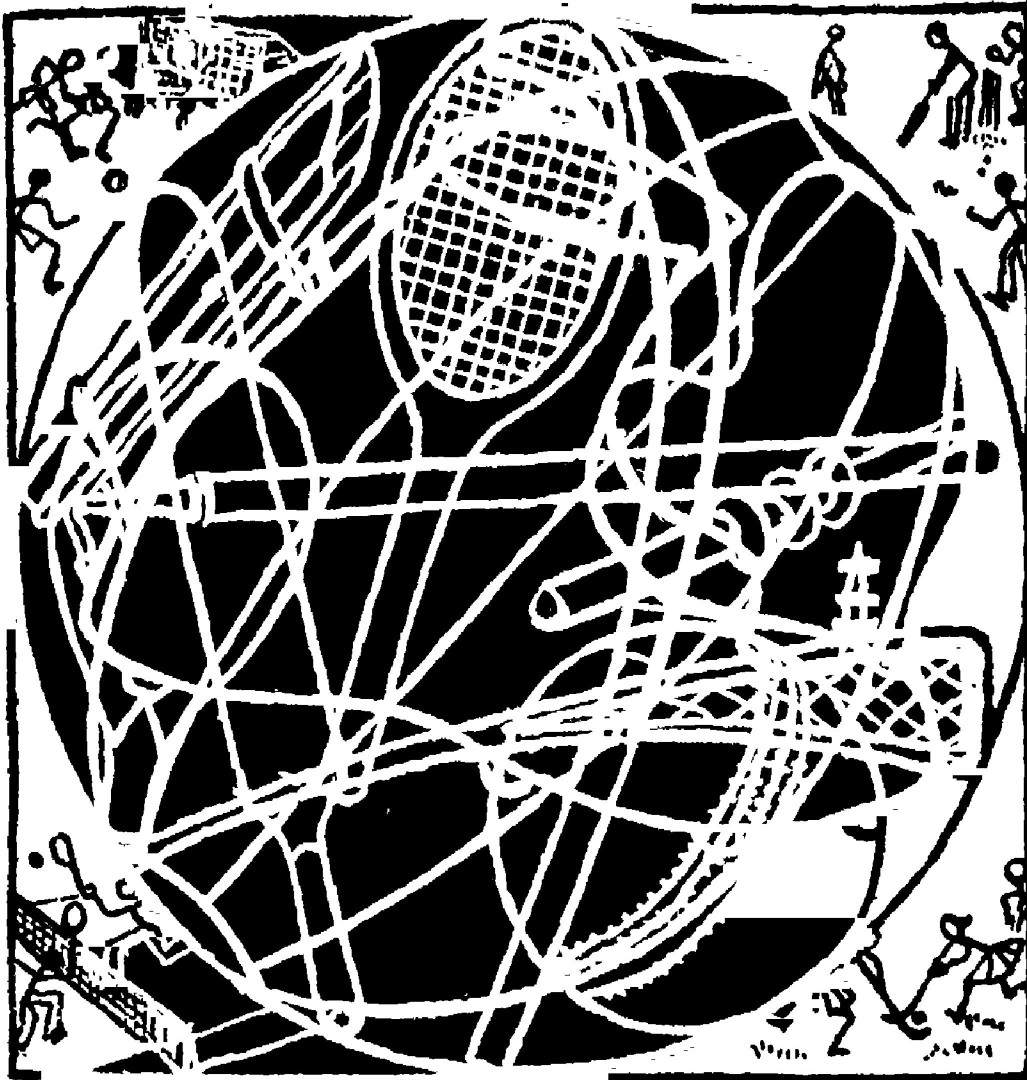
وہ اکثر شام کو اکیلے گھر سے جامع مسجد تک ٹہلنے ضرور جایا کرتے تھے۔ راستے میں کوئی واقف کار مل جاتا تو اس سے دو دو باتیں ضرور کرتے ان کے ایک دوسرے دوست نے اس سلسلے میں مولینا کی زبانی ایک دلچسپ کہانی لکھی ہے:-

کہنے لگے:- "میاں ستادہ آج ہم فلاں گورکند (قبر کھودنے والے) سے ملے۔ یہیں تراہے میں رہتا ہے۔ بھئی مجھے اس سے باتیں کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ وہ قصائی کے ہاں کھڑا گوشت بنوا رہا تھا میں ادھر سے گذرا تو سلام علیک کرکے اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا کہو میاں آج کل کیا حال ہے" وہ بولا مولینا کیا پوچھتے ہو۔ بڑا مندہ ہے غریب مر رہے ہیں اور وہ بھی کسی دن ایک۔ کبھی دو تین دن میں ایک میت آگئی نہ کوئی مولی اسامی آتی ہے اور نہ میتیں

ہی زیادہ آتی ہیں۔ مگر مولینا ہم تو اللہ میاں کے سہارے "ابھی ہیچ، ابھی ہیچ" کہتے رہتے ہیں پھر فرمانے لگے دیکھو کیا دنیا کا رنگ ہے اللہ میاں کا سہارا بھی ڈھونڈا تو کس لئے کہ میتیں ہیچ۔ مگر بھی بڑے مزے کا آدمی ہے۔ ایسی بات کہتا ہے کہ دوسرے سے بن نہ آئے۔"

آخر میں ہم مولینا کا حلیہ لکھ کر اس مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ لمبا قد، دوہرا جسم، کتابی چہرہ منہ پر ڈاڑھی آنکھیں بڑی اور روشن آواز گرج دار چلتے وقت پیٹھ کا اوپر کا حصہ جھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

مولانا نے چار اولادیں چھوڑی ہیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔ بڑے لڑکے رازق الخیری صاحب اور چھوٹے صادق الخیری صاحب۔ مولینا کا سب کاروبار یہی دونوں مل کر چلا رہے ہیں



اس تصویر میں کیا کیا چیزیں ہیں۔ ذرا تلاش تو کرو



از جناب اویس احمد صاحب ایم اے

اگر تم شہر یا قصبہ میں رہتے ہو تو اکثر ضرورت سے یا بے ضرورت اپنے یہاں کے بازاروں میں سے گذرتے ہو گے یہ بازار صبح سے شام تک کھلے رہتے ہیں اور ان میں ہر وقت ایک میلا سا لگا رہتا ہے ۔ تمھاری ضرورت کی سب چیزیں آسانی سے ان بازاروں میں مل جاتی ہیں مگر دیہات والوں کو یہ سہولتیں میسر نہیں ہیں ۔ بازار وہاں بھی لگتا ہے مگر نہ تو یہ ہر روز لگتا ہے اور نہ ہر گاؤں میں بلکہ چار چھ گاؤں کے بیچ ہفتے میں دو یا تین بار

یہ بازار بستی میں یا بستی کے باہر لگتے ہیں ۔ دیہات کے لوگ انھیں پینٹھ کہتے ہیں ۔ ان کے دن مقرر ہیں ۔ مقررہ دن پر آس پاس کے گاؤں کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں وہاں آتے ہیں ۔ بازار میں دیہاتیوں کی ضرورت کی سب چیزیں ہوتی ہیں ۔ طرح طرح کی ترکاریاں ، مٹھائیاں ، مصالحے ، تیل ، اناج ، بچوں کے کھلونے ، پان ، تمباکو ، برتن اور کپڑے وغیرہ یہ چیزیں دوکان دار دو دو چار چار میل کے فاصلے سے لے جاتے ہیں ۔ دوکان کے لئے عمارت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی اگر زیادہ تکلف کیا تو پکے چبوترے بنوا دئے ۔ اس بازار کا انداز کچھ میلے کا سا ہوتا ہے ۔ جس طرح میلا دن بھر لگتا ہے اور شام کو ختم ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح ان بازاروں میں بھی لوگ چیزیں خرید کر سورج ڈوبتے ڈوبتے اپنے گاؤں لوٹ جاتے ہیں ۔ اور چراغ جلے سے پہلے بازار اُٹھ جاتا ہے ۔

بازار میں بچے بھی بہت شوق سے آتے ہیں اور ماں باپ اور بڑوں سے پیسے لے کر مٹھائی ، کچالو ، پتنگ ، کھلونے اور اپنے شوق کی دوسری چیزیں خریدتے ہیں ۔



ٹکٹوں کے دندانے

سید محمد نسیم صاحب جامعی

تم نے دیکھا ہوگا کہ تقریباً تمام ٹکٹوں کے کناروں پر دندانے اور دو ٹکٹوں کے درمیان سوراخ ہوتے ہیں ان ہی سوراخوں کی وجہ سے دو ٹکٹ آسانی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور انھیں علیحدہ کرنے کے بعد دونوں ٹکٹوں کے کناروں پر دندانے ہو جاتے ہیں اس لئے تم آسانی سے سمجھتے ہوگے کہ یہ دندانے کہاں سے آتے ہیں اور ان کا کیا مقصد ہے۔

پرانے ٹکٹوں میں اس قسم کے دندانے نہیں ہوتے تھے اس وقت یا تو ڈاک بابو قینچی سے ٹکٹ کاٹ کر بیچا کرتے تھے یا پھر خریدار دو چار ٹکٹ لے کر خود ہی ٹکٹ کاٹ لیا کرتے تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس میں ڈاک بابو کا کتنا وقت صرف ہوتا ہوگا اور لوگوں کو بھی کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔

جب آدمی کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا علاج بھی نکالتا ہے۔ اس لئے ٹکٹ کو آسانی سے علیحدہ کرنے کی ترکیبیں دریافت کی گئیں۔ پہلے ایک مشین دریافت ہوئی جس کو انگریزی میں رولٹ مشین کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی گول چکری تھی جس کے حاشیے پر نکیلے دندانے تھے یہ چکری جب جب ٹکٹوں کے تختے پر چلائی جاتی تھی تو دو ٹکٹوں کے درمیان سوراخ بناتی جاتی تھی، جس سے دو ٹکٹوں کو علیحدہ کرنے میں آسانی ہوتی تھی اگر تم ایک پن سے کاغذ میں سوراخ بناؤ تو سوراخ بن جاتا ہے لیکن کاغذ کا کوئی ٹکڑا علیحدہ نہیں ہوتا اسی طرح رولٹ میں صرف سوراخ بن جاتا تھا لیکن کاغذ کا کوئی ٹکڑا علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔

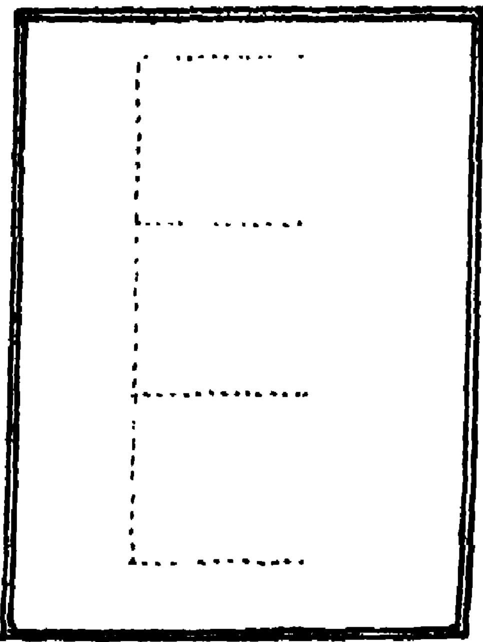
ایک دوسرا طریقہ "رولٹ ان کلر" یعنی رنگ میں رولٹ تھا ٹکٹ چھاپتے وقت دو ٹکٹوں کے کناروں کے درمیان ننھے ننھے نشان خوب دبا کر چھاپتے تھے (..........) اس سے بھی ٹکٹ کو علیحدہ کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔

بعض ملکوں میں کپڑا سینے کی مشین سے کام لے کر سوراخ بنائے گئے۔

موجودہ زمانے میں جس طریقے سے دندانے بناتے ہیں اس کو انگریزی میں پنچنگ کہتے ہیں جس مشین کی مدد سے پنچنگ کی جاتی ہے۔ اس کو پنچنگ مشین کہتے ہیں۔ پنچنگ میں بھی سوراخ بناتے ہیں لیکن رولٹ اور پنچنگ میں فرق یہ ہے کہ موخرالذکر میں ننھے ننھے دائروں کے برابر ٹکٹوں کے وقفوں سے کاغذ کاٹ لیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے پنچنگ کے دائرے بہت صاف اور صحیح ہوتے ہیں۔

پنچنگ کی بھی دو قسم کی مشین ہوتی ہے ایک مشین ایسی ہوتی ہے جس میں صرف ایک ہی خط میں دائرے کٹتے ہیں پہلے کھڑی لکیروں میں ٹکٹ کے تختے کو تھوڑا تھوڑا ہٹا کر بنا لیتے ہیں۔ پھر کاغذ کے رُخ کو بدل کر پڑی لکیروں میں سوراخ بناتے ہیں اس میں دقت یہ ہے کہ کاغذ کو دو مرتبہ مشین میں دینا ہوتا ہے۔

لیکن اس سے بہتر ایک نئی مشین تیار ہوتی ہے اس کو کومب مشین کہتے ہیں۔ (کومب کے معنی کنگھی کے ہیں) اس مشین سے ایک ہی دباؤ میں تین طرف سوراخ بن جاتے ہیں۔ ٹکٹ کے پورے تختے میں ایک کھڑی لکیر ہو جاتی ہے اور اس لکیر سے چھوٹی چھوٹی لکیریں ملتی ہیں جو ایک ٹکٹ کے برابر



ہوتی ہے۔ اس طرح بیک وقت ٹکٹ کے تین طرف دائرے بن جاتے ہیں۔ پنچنگ مشین اس طرح بنائی جاتی ہے کہ دو سوراخوں کے درمیان فاصلہ ہمیشہ برابر رہتا ہے اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ دو سوراخوں کے درمیان جس قدر فاصلہ کھڑی لکیر میں ہوتا ہے اسی قدر فاصلہ پڑی لکیروں میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ٹکٹ کے چاروں طرف کے دندانے برابر فاصلے پر ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کھڑی اور پڑی لکیروں کے فاصلے

میں فرق ہوتا ہے

"ٹکٹ جمع کرنے میں دندانوں کے فاصلے بہت اہمیت رکھتے ہیں جب آگے چل کر ٹکٹ جمع کرنے میں بہت ترقی کر جاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ دندانوں کے فاصلے میں ذرا سا فرق ہو جانے میں قیمت میں کتنا فرق ہو جاتا ہے دندانوں کی پیمائش سے ٹکٹ کی تاریخ بھی معلوم کی جاتی ہے کیوں کہ مختلف زمانوں میں دندانوں کے فاصلے بدلتے رہتے ہیں، دندانوں کی پیمائش اصلی اور جعلی ٹکٹ کی شناخت میں بھی بہت مدد دیتی ہے

دندانوں کی پیمائش کے لئے ایک معیار بنایا گیا ہے تاکہ اس کے اظہار میں اختصار ہو۔ اور لوگ آسانی سے سمجھ جائیں۔ جس طرح یہ کہنے سے کہ فلاں چیز ایک سیر ہے۔ ذہن میں فوراً وزن کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے اس طرح یہ کہنے سے کہ فلاں ٹکٹ کے دندانے ۱۵ ہیں ٹکٹ جمع کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ دو سنٹی میٹر کے فاصلے میں دندانوں کی تعداد ۱۵ ہے۔ دندانوں کی پیمائش کا معیار دو سنٹی میٹر کا فاصلہ ہے (دو سنٹی میٹر ایک انچ سے کم ہوتا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ دندانوں کی تعداد دو سنٹی میٹر کے اندر

معلوم کی جاتی ہے اب خواہ ٹکٹ کے کنارے دو سنٹی میٹر سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں دندانوں کی تعداد دو سنٹی میٹر کے فاصلے کی بنا پر بتائی جائے گی دیکھنے میں یہ کام بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس کے لئے بہت سے وقت اور کافی حساب دانی کی ضرورت ہوگی لیکن اس کام کو بہت آسان کر دیا گیا ہے۔ اس کام کے لئے ایک کارڈ تیار کیا گیا ہے جس کو انگریزی میں "پرفوریشن گیج" کہتے ہیں اور ہمیں دندانہ پیما کہنا چاہئے۔

دندانہ پیما میں مختلف سائز کے نقطے دو سنٹی میٹر کے فاصلے میں بنتے ہیں۔ یہ نقطے برابر فاصلے پر ہیں

• • • • •

ہر سطر کے سامنے ایک نمبر دیا ہوا ہے عموماً ۷ سے لے کر ۱۶ ½ تک۔ اس دندانہ پیما سے بہت آسانی سے دو تین سکنڈ میں دندانوں کی پیمائش ہو جاتی ہے۔ ٹکٹ کی دکانوں میں چار پانچ آنے میں یہ دندانہ پیما ملتا ہے (کوشش کی جائے گی کہ دندانہ پیما کا بلاک پیام تعلیم میں شائع کیا جائے) یہ ضروری نہیں ہے کہ ٹکٹ کے چاروں طرف دندانوں کی پیمائش ایک ہی ہو جب چاروں طرف کی پیمائش ایک ہی ہو تو صرف "دندانے

رکھنا چاہئے۔ وندانے کے بعد خالی جگہ میں وندانوں کی پیمائش کا نمبر دینا چاہئے۔ مثلاً کسی ٹکٹ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس کے دندانے ۱۵ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے چاروں کناروں کی ایک ہی پیمائش ہے یعنی دو سینٹی میٹر میں ۱۵ وندانے ہیں ہندوستان کے ٹکٹوں کی پیمائش چاروں کناروں پر ایک ہی یعنی ۱۴ ہے۔

اکثر اوپر اور نیچے کے کناروں کی پیمائش ایک ہوتی ہے اور بغل کے کناروں کے دوسری۔ ایسی حالت میں ایک پیمائش اوپر کی اور ایک بغل کی دی جاتی ہے لیکن ہر حال میں اوپر کی پیمائش پہلے دینی چاہئے مثلاً وندانے ۱۳ × ۱۵ سے مطلب ہوگا کہ ٹکٹ کے اوپر اور نیچے کناروں کی پیمائش ۱۳ ہے اور بغل کے کناروں کی پیمائش ۱۵ ہے۔

بعض ٹکٹوں کی پیمائش مرکب ہوتی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کناروں کی پیمائش کسی سلسلے سے نہیں ہے مثلاً وندانے مرکب ۱۳ اور ۱۴ ح کے معنی ہیں کہ کنارے کی پیمائش ۱۳ ہے اور کسی کی پیمائش ۱۴ ہے

دندانوں کی پیمائش سے جمع کرنے والوں کے لئے ذرا غیر دلچسپ کام معلوم ہوگا کہ یہ بھی کتنی ضروری چیز ہے۔ برطانوی ہند کے ٹکٹوں میں دندانے ذرا کم اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ریاستی ٹکٹوں میں دندانے کے ذرا فرق سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

اس لئے مبادلے کے وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ دندانے بالکل صحیح و سالم ہوں۔ اگر تمھیں معلوم ہو کہ کوئی قیمتی ٹکٹ دندانے دار ہے اور تمھیں بغیر دندانے کے ٹکٹ دئے جائیں تو کبھی نہ قبول کرو۔

اگر کسی ٹکٹ کے متعلق تمھیں معلوم ہو کہ عموماً دندانے دار ہوتے ہیں لیکن اگر اتفاق سے تمھیں کوئی ایسا جوڑا مل جائے جس کے درمیان دندانہ نہ ہو تو وہ جوڑا بہت قیمتی ہوگا۔ اس لئے دونوں ٹکٹوں کو علیحدہ نہ کرو


(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
(۵)
(۶)
موٹو اور چھوٹو (۱)

لندن میں

(از جناب امتیاز حسین خاں صاحب بی اے جامعہ (از لندن)

جنوری کے پرچے میں ہم اپنے عزیز دوست امتیاز حسین خاں صاحب کا مضمون لندن کے سفر کے حالات شائع کر چکے ہیں نیچے کا مضمون فروری کے پرچے میں شائع ہونے کے لئے آیا تھا لیکن اسی زمانے میں عبدالغفار صاحب کا مضمون آگیا اس میں بھی لندن کے سفر کے حالات بیان کئے تھے لیکن ذرا تفصیل سے اس لئے ہم نے تمھاری دلچسپی کے لئے اُسے بھی شائع کر دیا۔ اس کے بعد ان کا بھیجا ہوا ایک اور مضمون عید کے عنوان سے ہمیں مل گیا بہت دلچسپ تھا اس لئے اسے بھی شائع کر دیا گیا اب یہ مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ امتیاز صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ برابر مضمون بھیجتے رہیں گے انھیں تمھارے پیام تعلیم سے خاص دلچسپی ہے اور جب سے وہ لندن گئے ہیں تمھارے پرچے کے لئے اچھی اچھی چیزیں برابر بھیجتے رہتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

اگر تمھیں یاد ہے تو پچھلے مضمون میں ہم لندن پہنچ گئے تھے۔ اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے روز سے جو کچھ دیکھا ہے وہ انشاء اللہ پھر کبھی لکھوں گا۔ پورا پورا حال لکھنا تو بڑا مشکل ہے لیکن پھر بھی کوشش کروں گا کہ تمھیں لندن کے متعلق کم سے کم خاص خاص باتیں ضرور معلوم ہو جائیں۔ تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ لندن دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے اس کی آبادی کچھ نہیں تو ستر لاکھ کے قریب ضرور ہے اور کوئی بیس پچیس میل میں پھیلا ہوا ہے۔ لندن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک مشرقی اور دوسرا مغربی حصہ، مشرقی حصہ پرانی آبادی ہے یہاں کی سڑکیں تنگ ہیں لیکن کاروباری حصہ یہی ہے بڑے بڑے بنک اور بیمہ کمپنیاں وغیرہ یہیں ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ زیادہ تر غریب لوگ اسی حصے میں رہتے ہیں۔ مغربی حصے کی سڑکیں چوڑی چوڑی ہیں۔ بڑی بڑی اور مشہور عمارتیں اسی حصے میں ہیں

دریائے ٹیمس لندن کے بیچ میں مشرق سے مغرب کی طرف بہتا ہے۔ ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے تھوڑی تھوڑی دور پر پل بنے ہوئے ہیں پکاڈلی سرکس (PICCADILLY CIRCUS) کو لندن کا دل کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا چوک ہے جہاں سے شہر کے مختلف حصوں کو سڑکیں جاتی ہیں یہ مغربی حصے میں واقع ہے۔ اسی سے ملے ہوئے آکسفورڈ اسٹریٹ (OXFORD STREET) اور اسٹرینڈ (STRAND) یہاں کے بڑے بازار ہیں۔ رات کے وقت لوگ اس کثرت سے ان بازاروں میں ہوتے ہیں کہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے، دکانوں میں روشنی بہت تیز ہوتی ہے۔ سرخ روشنی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ آسمان بھی رات کے وقت سرخ نظر آتا ہے پکاڈلی سرکس (PICCADILLY CIRUS) کے قریب ہی تمام بڑے بڑے سینما اور تھیٹر ہیں اس کے قریب ٹرافلگر اسکویر (TRAFALGAR SQUARE) بھی ہے۔ یہ ایک چوک ہے جس کے بیچ میں نیلسن کا مجسمہ ۱۶۸ فٹ کی بلندی پر نصب کیا گیا ہے۔

ڈاک آسانی سے تقسیم کرنے کے لئے شہر کو آٹھ مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان کے مشرقی مغربی، شمالی وغیرہ نام رکھے گئے ہیں۔ ہر ایک حصے کو پھر مختلف چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے کل ڈاک خانے ایک ہزار کے قریب ہیں اور ان میں کام کرنے والے ۲۴۰۰۰ ہیں۔

یہاں کی پولیس ہمارے یہاں کی پولیس سے بہت مختلف ہے۔ ہمارے یہاں کی پولیس لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہاں کی پولیس لوگوں کی خدمت کے لئے۔ صرف لندن شہر کے لئے بیس ہزار سے زیادہ پولیس کے آدمی ہیں جو لوگوں کو ہر قسم کا آرام پہنچاتے ہیں۔ اگر راستہ وغیرہ پوچھنا ہو تو اُن سے پوچھ سکتے ہیں۔ بے چارے بڑی ہی شرافت سے جواب دیتے ہیں۔

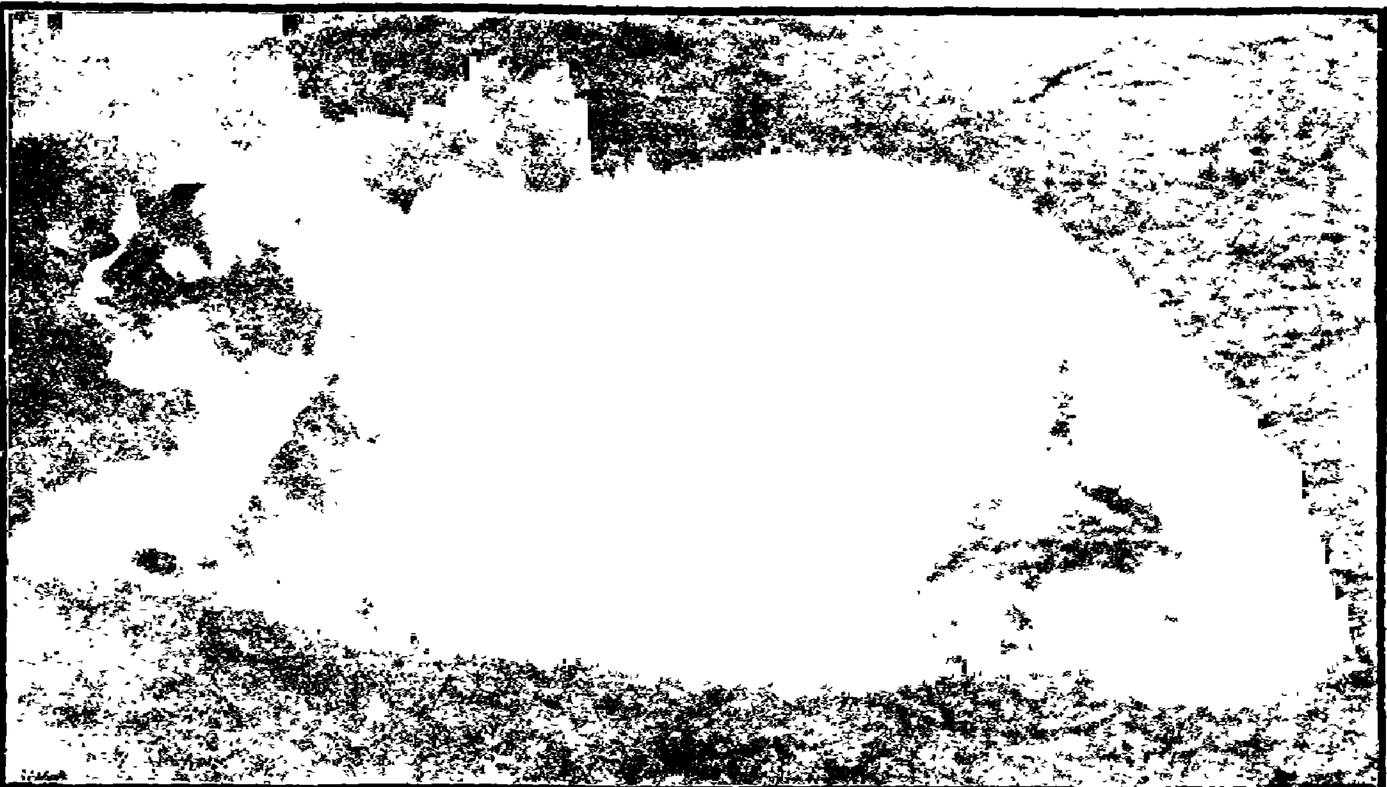
لندن میں پارک بہت ہیں۔ ان پارکوں کو لندن کے پھیپھڑے کہا جاتا ہے یہی وہ جگہیں ہیں جہاں لوگوں کو تازی ہوا نصیب ہوتی ہے۔ ان میں بعض مثلاً رچمنڈ پارک (RICHMOND PARK) ہمپسٹیڈ پارک (NAMPSTEAD PARK)

ریجنٹ پارک (REGENT'S PARK) اور کیوگارڈن (KEW GARDENS) تو بہت بڑے بڑے ہیں اور ویسے چھوٹے چھوٹے تمام شہر میں جگہ جگہ ہیں۔ بعض بڑے بڑے پارکوں میں جھیلیں ہیں جن میں پرندے پلے ہوئے ہیں۔ ان جھیلوں میں لوگ کشتی چلانے کی مشق خوب کرتے ہیں۔ کشتیاں گھنٹے کے حساب سے کرائے پر مل جاتی ہیں۔ یہاں سنیچر اور اتوار کے روز بڑا لطف آتا ہے۔ چھٹی ہونے کی وجہ سے سب لوگوں کو فرصت ہوتی ہے اور تفریح کے لئے چلے آتے ہیں۔ مختلف قسم کے کھیلوں مثلاً ہاکی، فٹ بال وغیرہ کا انتظام ہے۔ لوگ خوب کھیلتے ہیں اور پورے ایک ہفتے کی کسر نکال لیتے ہیں۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے جھولے وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ ریجنٹ پارک میں زندہ جانوروں کا عجائب خانہ ہے اور کیوگارڈن میں مختلف ملکوں کے درخت اور پودے جمع کئے گئے ہیں۔ ان دونوں کے متعلق آئندہ کبھی لکھوں گا

لندن میں آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ تین مختلف طریقوں سے جاسکتا ہے۔

(۱) زمین کے اندر کی ریلیں یہاں کی دنیا میں سب سے بہتر ہیں۔ لیکن ان کا سمجھنا بھی ذرا دقت طلب ہے اور جب ایک دفعہ سمجھ میں آجائے تو اس کے ذریعے سے سفر کرنا سب سے زیادہ آسان بھی ہے۔ تمام شہر میں آٹھ مختلف ریلیں ہیں۔ زمین کے اندر سرنگیں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے اندر ریلیں بڑی تیز چلتی ہیں۔ اکثر جگہ یہ سرنگیں ایک کوس کی گہرائی سے بھی زیادہ گہری ہیں۔ اور بعض جگہ تو ریل دریائے ٹیمس کے نیچے سے چلی جاتی ہے۔ ان کا نقشہ ہر اسٹیشن پر لگا رہتا ہے اور چھوٹا سا ہر جگہ مفت ملتا ہے۔ اس نقشے میں یہ ریلیں آٹھ مختلف رنگوں سے دکھائی گئی ہیں۔ جس شخص کو جس جگہ جانا ہو وہ اس نقشے سے معلوم کرسکتا ہے۔ جہاں بدلنا ہو وہ بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ان کے اسٹیشن کہیں زمین کے اندر بنے ہوئے ہیں۔ کہیں زمین کے اوپر۔ جہاں ٹکٹ ملتے ہیں اگر کچھ پوچھنا ہو تو پوچھا جاسکتا ہے۔ بعض بڑے بڑے اسٹیشنوں پر دکانیں بھی ہوتی ہیں۔

(۲) موٹر بس بڑی بڑی دو منزلہ لاریاں ہیں



دنیا کی سب سے موٹی بلی جو امریکہ کی ایک عورت کے پاس ہے اس کی عمر چھ سال اور وزن ۳۰ پونڈ (۱۹ سیر) ہے



دعوت



اوریقہ د میڈل

یہ مختلف نمبروں کی ہوتی ہیں۔ علیحدہ علیحدہ نمبروں کی بسیں شہر کے مختلف حصوں کو جاتی ہیں۔ کسی جگہ جانے کے لئے بس کا نمبر معلوم ہونا چاہئے۔ ان کا بھی نقشہ علیحدہ ملتا ہے۔ جس شخص کو شہر دیکھنا ہو وہ ان سے سفر کرے تو اچھا ہے۔ اوپر کے حصے میں بیٹھ کر تمام شہر کی سیر ہو سکتی ہے۔

(۳) ٹرام۔ ان میں سفر کرنا سستا ہے مگر دیر بہت لگتی ہے۔ ان کے بھی نمبر یاد رکھنے پڑتے ہیں۔ جس کو کہیں جلدی جانا ہو اسی زمین کی ریل سے سفر کرنا چاہیے۔

مکرمی سلام مسنون

پیامِ تعلیم کا سالگرہ نمبر گوالیار ہوتا ہوا یہاں پہنچا۔ شکریہ۔ عنایت نامہ بھی موصول ہوا۔ ماشاء اللہ امسال کا تاسیس نمبر خوب ہے۔ اور تعلیمی نقطۂ نظر سے نہایت جاذب توجہ۔ یہ نمبر اپنی نوعیت مضامین اور گوناگوں دلچسپیوں کے لحاظ سے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔ ویسے سب ہی مضمون خوب ہیں لیکن ذیل کے مضامین مفید معلومات کا خزانہ ہیں اور یقیناً بڑے اور بچے اسے پسند کریں گے (۱) سلطان العلوم (۲) مولینا حالی مرحوم (۳) اسلام کی کہانی (۴) ہندوستان کی کہانی (۵) جاپانی بچے (۶) امپیریل لائبریری (۷) اکبر کی تفریحیں (۸) یونان کی پارلیمنٹ (۹) اٹلی اور حبش کی لڑائی (۱۰) عقاب کی کہانی (۱۱) تعلیم یافتہ لڑکا (۱۲) چیزیں بنانے کا فائدہ۔ تصویروں میں دادی اماں کا مکتب اور ایک صفحہ میں ہندوستان کی مصور تاریخ لاجواب ہے سیدین، منشی پریم چند، اور رشید احمد صاحب صدیقی کے اجتماع پر میں آپ کے ادارے کو بارک باد پیش کرتا ہوں ممکن ہو تو آئندہ تاسیس نمبر میں آپ دلی کے چند اہل قلم مولینا راشد الخیری، خواجہ حسن نظامی، مولینا احمد سعید صاحب وغیرہ کو بھی اس تعلیمی مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دیں تاکہ یہ اردو کے چند چراغ سحری بھی اس علمی روشنی کے زمانے میں جامعہ کے ارتقائی اثرات سے محروم نہ رہ جائیں اور ان پر خدانخواستہ "چراغ کے نیچے اندھیرا" کی مثال صادق آئے۔

مظفر حسین صاحب شمسی۔ از بھوپال


ابا جان ہمیشہ یہی کرتے ہیں جب
سارا رسالہ ختم کرلیں گے تب
مجھے دیں گے۔

تیل کیسے نکالا جاتا ہے

از حضرت جلیل قدوائی ایم اے لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پھاگن کا مہینہ ہے۔ گیہوں کے کھیت زرد پھولوں سے اٹے پڑے ہیں۔ بسنت رت آگئی ہے۔ سرسوں پھولی ہوئی ہے۔ کسی کسی کھیت میں لاہی کے پودے بھی کھڑے ہیں۔ ان میں بھی زرد پھول ہیں۔ لاہی کے پھول سرسوں کے پھولوں سے ذرا الگ ہیں۔ ان کا رنگ ہلکا زرد ہے۔

گیہوں کی فصل کے ساتھ ساتھ سرسوں اور لاہی بھی تیار ہو جائے گی۔ کسان ان کو کاٹ کر بازار میں بیچ آئے گا۔ تیلی مول لے جائیں گے اور کولھو میں پیل کر اُن کا تیل نکالیں گے۔ جس اناج سے تیل نکلتا ہے اسے تلہن کہتے ہیں۔ سرسوں لاہی، تل یہ سب تلہن کہلاتے ہیں۔ اور جو آدمی تیل نکالنے کا کام کرتا ہے اسے تیلی کہتے ہیں

آؤ ذرا تیلی کے ہاں چل کر دیکھیں کہ وہ تیل کس طرح نکالتا ہے۔ وہ دیکھو سامنے چھپر کے نیچے کولھو چل رہا ہے۔ ایک بیل کولھو کے چاروں طرف چکر لگا لگا کر اُسے کھینچ رہا ہے وہ صبح سے شام تک یوں ہی چکر لگاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے کہ کہیں اسے چکر نہ آجائے۔ اس کے گلے میں گھنٹی بھی لٹک رہی ہے جو چلتے میں ٹن ٹن بجتی جاتی ہے۔ یہ اس لئے لٹکادی گئی ہے کہ اگر تیلی کسی کام سے باہر جائے تو اسے گھنٹی کی آواز سے پتہ چلتا رہے کہ بیل رکا نہیں۔

کولھو کو بھی تم نے دیکھا؟ کس ترکیب سے بنایا ہے۔ پہلے ایک لکڑی کی اوکھلی زمین میں گاڑی پھر ایک گول لکڑی ہی کا لٹھا اس میں کھڑا کر دیا اس میں ایک اور لکڑی جوڑ کر ہل کی طرح بیل کے کندھے پر رکھ دی۔ اوکھلی میں سرسوں بھری ہے۔ لکڑی کے بوجھ سے دب کر اس میں سے تیل نکل آتا ہے اور نالی میں سے ہو کر نیچے رکھے

ہوئے برتن میں ایک ایک بوند ٹپک کر رہا ہے اسے کڑوا تیل کہتے ہیں

تیلی اس کو کپڑے میں چھان لیتا ہے اور بڑے بڑے برتنوں میں بھر کر بازار لے جاتا ہے اس سے سب لوگ تیل مول لے کر اپنے اپنے کام میں لاتے ہیں۔ تیل کھانے اور جلانے دونوں کے کام میں آتا ہے۔ تیل کی پکی ہوئی چیزیں بڑی سوندھی اور مزے دار ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ کڑوے تیل کے چراغ سے پڑھنے میں آنکھوں میں ٹھنڈک اور روشنی آتی ہے جب سے تیل نکالنے کی کلیں چل گئی ہیں تیلیوں کا کام بھی ذرا مندا ہو گیا ہے۔ پھر بھی انھیں اتنا کام مل جاتا ہے۔ کہ پیٹ کا دھندا اچھا خاصا چلتا ہے۔ کیوں کہ کولھو کے نکلے ہوئے تیل کو اب بھی سب پسند کرتے ہیں۔ کل کے نکلے ہوئے تیل میں وہ بات نہیں ہوتی

معلومات

سائبریا میں اتنی برف گرتی ہے کہ وہاں پودے پنپ ہی نہیں سکتے۔ پھر بھی وہاں کے ایک گاؤں میں کھجور کا ایک بہت اونچا درخت ہے اس گاؤں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں اور اسے جنت کا درخت کہتے ہیں سال میں ایک مرتبہ بہت دھوم دھام سے اس کی پوجا کی جاتی ہے جب برف کا طوفان آنے والا ہوتا ہے تو اس درخت میں سے آدمی کی سی آواز سنائی دیتی ہے آج تک کوئی اس کا پتہ نہ لگا سکا کہ یہ آواز کہاں سے نکلتی ہے۔

● نیو یارک میں ایک کیمرہ تیار ہوا ہے جس سے آنکھ کے اندر کے حصے کی تصویر اتر آتی ہے اور اس کی مدد سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص مجرم ہے یا نہیں

چین کا بہت ہی لمبا آدمی چینگ اپنا نام گیارہ فٹ کی اونچائی پر لکھ رہا ہے

(از ریپلے)



شیشے کے گھر شاید بہت جلد بننے لگیں ۔ اب ایسا شیشہ تیار ہو گیا ہے۔ جس کی پرچھائیں نہ پڑتی ہو ۔ اس شیشے میں یہ فائدہ بھی ہے۔ کہ گرمی کو دور رکھتا ہے ۔ علاوہ اس کے اگر اس سے مکان بنے گا تو اس کے اندر رہنے والے باہر کی چیزیں اچھی طرح دیکھ سکیں گے ۔ مگر باہر والے اندر کی کوئی چیز نہ دیکھ سکیں گے ۔

اٹلی کے ایک سائنس جاننے والے نے نقلی یا مصنوعی اون تیار کیا ہے جو فائدے میں اصلی اون کے قریب قریب برابر ہی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اون نقلی دودھ سے بنایا گیا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ تھوڑے دنوں میں المیونیم سے ایسے کپڑے تیار ہونے لگیں

گے جو گرمی میں سرد اور سردی میں گرم رہیں گے۔ اس وقت اون کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

امریکہ میں ایک نئی قسم کا ہوائی جہاز تیار ہوا ہے اس میں دُم نہیں ہے۔ یہ ہوائی جہاز سیکھنے والوں کو کم داموں میں مل سکتے ہیں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ ہوا باز چاہے جتنی بھی غلطی کرے۔ یہ صحیح سلامت زمین پر اُتر آتے ہیں

لندن میں قمیص تیار کرنے کا ایک کارخانہ ہے اس میں شروع سے آخر تک تمام کام مشینوں کے ذریعے ہوتا ہے طرح طرح کے فیشنوں کی قمیصیں پانچ منٹ میں نہ صرف تیار ہو جاتی ہیں۔ بلکہ تہ کر کے رکھ دی جاتی ہیں۔

لندن کی پولیس نے مجرموں کی گرفتاری کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ پولیس کے سپاہیوں کے پاس بہت سے کانچ کے بم رہتے ہیں۔ ان میں خوب گاڑھا رنگ بھرا ہوتا ہے پولیس کو کسی کے مجرم ہونے کا شبہ ہو جائے تو وہ یہ بم ان پر پھینک کر مارتے ہیں۔ بم فوراً پھٹ جاتا ہے اور وہ شخص سر سے پیر تک رنگ میں شرابور ہو جاتا ہے۔ اگر یہ رنگین شخص بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو بھی بڑی آسانی سے پہچان لیا جاتا ہے۔



پٹیرس برگ (افریقہ) کا ننھا پیٹر۔ اس کا قد تین فٹ سے بھی کم ہے۔ اس کے ۱۰ بیویاں ہیں اور ۳۷ بچے (از ریلیے)

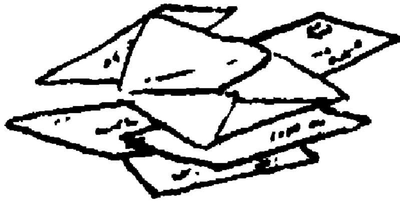
اندھوں کے لئے اب ایسے ریکارڈ بننے لگے ہیں جس سے انھیں پڑھنا یا کسی چیز کو صرف کان سے سن کر یاد کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ یہ ریکارڈ کوئی کتاب یا ڈرامہ بغیر رکے ہوئے گھنٹے بھر تک مسلسل سناتے رہتے ہیں اور اندھے جب چاہیں اسے بجا کر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ (سائنس)

کیچوا ایک برساتی کیڑا ہے اس کے آنکھیں نہیں ہوتیں اگر اس کے کئی ٹکڑے کر دئے جائیں۔ تو ہر ٹکڑا بطور خود زندہ مخلوق بن جاتا ہے

(شنکر سنگھ صاحب صدر مدرس - ملگ دکن)



خط کتابت



جناب ایڈیٹر صاحب

تسلیم۔ میں ماہ فروری کے پرچے کے انتظار میں تھا جب مجھے پرچہ ملا۔ میں کلب میں تھا۔ جب ڈاکیے نے پرچہ دیا تو اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی میرے سب دوست مجھ پر ٹوٹ پڑے چاروں طرف سے مجھے "دکھاؤ" کی آوازیں آنے لگیں۔ باری باری سب دوست اُسے دیکھنے لگے اور سب نے اسے پسند کیا اور کئی ایک کے دل میں تو منگانے کا شوق پیدا ہوگیا۔ جب میں نے رسالے کو پڑھا تو اس میں اچھی اچھی کہانیاں اور مضمون دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے۔ والسلام

مکھی پربھو دیال جماعت ہشتم۔ علی پور (پنجاب)

مکرمی ایڈیٹر صاحب تسلیم

مجھے پیام تعلیم کے چند پرچے (اپریل، مئی، جون ۱۹۵۸ء) کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی بھائی قیمتاً یا مفت مندرجہ بالا پرچے دینا چاہیں۔ تو پتہ ذیل یا پیام تعلیم کے ذریعے مجھ کو مطلع فرمائیں بہت مہربانی ہوگی۔ پتہ یہ ہے

ابرارالرحمن قدوائی۔ بڑاگاؤں۔ بارہ بنکی

مکرمی تسلیم۔ میرے پاس نزاد ٹکٹ کے مختلف قسم کے ٹکٹ ہیں ان کا میں حیدرآباد کے علاوہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں ۱۱ مختلف ٹکٹ بھیجنا ضروری ہیں۔

محمد شمیم۔ میڈیکل کالج ہوسٹل بانکی پور۔

مکرمی تسلیم

پیام تعلیم میں سمجھے نہیں ہوتے فرصی کے رسالے میں رنگ بھرنے کی تصویر نہیں ہے۔ سب سے اچھا مضمون جو مجھے پسند آیا رضیہ ہے اس کے علاوہ تم کیا بنوگے؟ یہ مضمون بھی اچھا ہے۔ بھاگ نگر کے مضمون سے مجھے بہت لطف آیا اور "دوسرے ملکوں کے بچے" بھی مزے کا مضمون ہے۔ گلائڈر کے مضمون سے اچھی خاصی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ والسلام

عبدالحی علوی لکھنوی۔ تعلیمی مرکز نمبر ا جامعہ

مکرمی ایڈیٹر صاحب دام کرمۂ۔ تسلیم۔

فروری کا پرچہ دیکھا ماشاءاللہ خوب ہے۔ خداوندکریم ترقی دے۔ مضمون بھی عام فہم ہیں۔ اگر کچھ ایسے مضامین کا اور اضافہ کر دیا جائے جیسے بمبئی سے لندن تک تو شاید اس کی خوبیوں میں اور اضافہ ہو جائے۔ کیوں کہ میں میرے رفقا ایسے مضامین

زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بہت سے پرچے نکلے اور جاری ہیں مگر جو کامیابی ہمارے پیام تعلیم کو ہوئی ہے وہ نہ کسی کو میسر ہے اور نہ ہوگی۔ خداوند کریم اور ترقی دے۔ آمین ثم آمین۔ میں اس کی اشاعت کے واسطے کوشش کروں گا۔

پیام تعلیم کا بہی خواہ۔ سید حشمت علی نقوی حشمت دہلی

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم۔

"پیام تعلیم" پہنچا۔ ایک ایک لفظ پڑھا۔ اس کا ہر ایک مضمون قابل تعریف ہے۔ میرے پاس سے فروری ۳۵ء کا پیام تعلیم گم ہوگیا ہے۔ اگر کوئی صاحب فائل نہ رکھتے ہوں اور وہ قیمتاً یا یوں ہی جدا کرنا چاہتے ہوں تو اس پتے پر بھیج دیں ورنہ تو میرا فائل خراب ہوجائے گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے

محمد بشیر اعظمی۔ سیالکوٹ۔

مکرم بندہ۔ تسلیم

اس ماہ کے پیام تعلیم نے مجھے پڑھتے ہی مسرور کر دیا۔ اور دل تو یہ چاہتا ہے کہ مسلسل پڑھے جاؤں۔ اس میں گلائڈر کے بنانے کا قاعدہ مجھے بہت بھاتا ہے۔ میں نے کئی گلائڈر بنائے۔ براہ کرم مجھے کسی پیام بھائی کے ہاں سے قیمتاً غیر ملکوں (فرانس، جرمنی، اٹلی) وغیرہ کے ٹکٹ دلوا دیجئے تو مہربانی ہوگی۔

خلیل الرحمٰن خریداری نمبر ۸۶۸

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

پیام تعلیم کا پرچہ ملا۔ طبیعت بہت خوش ہوئی لیکن ٹھپے میں دلچسپی کا سامان نہیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے ممکن ہے ہو۔ میرے خیال میں یہ چار صفحے اخبار میں شامل کر دیجئے تو بہتر ہوگا۔ کہ سب ان سے فائدہ حاصل کریں۔ آپ نے پندرہ روزہ اخبار نکالنے کے متعلق کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ کیوں کہ ایک مہینہ تک انتظار کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔

سلطان احمد۔ کلکتہ

مکرمی۔ تسلیم

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے ہندوستان سے باہر بھی اپنے دوست بنائے ہیں اور ان سے برابر ٹکٹوں کا مبادلہ کرتا ہوں۔ یہ لوگ معاملے کے بہت صاف ہوتے ہیں۔ ویسے تو ہندوستان سے باہر میرے کئی دوست ہیں۔ لیکن ان میں سے چارلس نازولینڈ نے بہت سے ٹکٹ بھیجے ہیں۔ بعض دوستوں نے مجھے سکے بھی بھیجے ہیں۔ میں نے انھیں بڑی احتیاط سے رکھا کہ ان سب دوستوں کی وجہ سے میرے پاس دو ہزار ٹکٹ جمع ہوگئے ہیں۔

عبدالعزیز مظفر نگر

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

ایک دن میرے بڑے بھائی نے مجھے رسالہ ارکان اسلام پڑھنے کے لئے دیا جس کے ٹائٹل پر آپ کے رسالے کا اشتہار تھا میں اشتہار پڑھ کر مچل گیا کہ رسالہ مجھے جاری کروا دو۔ انھوں نے ہزار سمجھایا مگر میں اپنی بات پر اڑا رہا میں نے کہا کہ میں خود اپنی جیب سے یا ابا جان سے ڈھائی روپے لے کر بھیج دوں گا۔ آپ صرف منی آرڈر فارم بھر دیں۔ اب رسالہ آیا تو وہ خود دیکھ کر خوش ہوئے۔ خصوصاً جب انھوں نے رضیہ کی کہانی پڑھی تو بہت

؎ ہنسے۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ والسلام۔ محمد اشرف جماعت چہارم۔ لائل پور


پیام تعلیم

سرکارِ دوعالم

مرتبہ

محمد حسین حسان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں یہ کتاب نہایت سہل زبان اور دل نشیں اندازِ بیان میں لکھی گئی ہے۔ بچوں کے لئے سیرۃ پر اور بھی اچھی اچھی کتابیں ہیں مگر اس کتاب میں خاص بات یہ ہے کہ عرب کا جغرافیہ تفصیل سے لکھا گیا ہے آں حضرت کے اخلاق کے بیان پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ ویسے بھی عام کتابوں سے اس میں معلومات بہت زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی صوبوں کے مدرسوں میں سرکاری طور پر نصاب میں شامل ہے اور بہت سے اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ پانچویں اور چھٹی جماعت کے طلبہ کے لئے موزوں ہے۔

دوسرا ایڈیشن قیمت آٹھ آنے

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی



پنڈت جواھر لال نہرو ھندوستان کی سب سے بڑی قومی
انجمن آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کے صدر ان کے
بارے میں اس پرچے میں ایک مضمون بھی ھے



پچھلے مہینے ۱۹ مارچ کو راجہ راجاں راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنة بالقابہ کے اعزاز میں جامعہ کی طرف سے اوکھلے میں چاء کی دعوت کی گئی تھی مہاراجہ بہادر تو بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے تھے۔ اپنے صاحبزادوں کو بھیج دیا تھا۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے اس میں سامنے کے رخ (دائیں سے) امیر جامعہ جناب ڈاکٹر انصاری صاحب مدظلہ، شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب، رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر، ڈاکٹر سر اکبر حیدری (جامعہ کے دو بچوں کے ساتھ) جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی، عالی جناب نواب سر محمد اکبر خان صاحب آف ہوتی، جناب سر محمد یعقوب صاحب، صاحبزادگان مہاراجہ بہادر اور حضرت ثقة الاسلام بلبلۂ باد کوبا کھڑے ہیں۔

فی پرچہ ۴ر

پیام تعلیم دہلی

قیمت سالانہ عہ

جلد ۱۹ | مئی سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

اڈیٹر: محمد حسین حسان جامعی ندوی۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی۔ایچ۔ڈی۔

بچوں سے باتیں

منیجر صاحب سے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ یوپی کے محکمہ تعلیم میں بھی پیام تعلیم باقاعدہ منظور ہو گیا ہے۔ ریاست حیدرآباد میں محکمہ تعلیم کے افسروں نے اس رسالے کی جس طرح سرپرستی فرمائی ہے اس کی وجہ سے ہماری ہمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یوپی میں بھی محکمہ تعلیم کے افسران اس رسالے کی طرف توجہ فرمائیں گے تاکہ ہم اسے بچوں کے لئے نمونے کا رسالہ بنا سکیں۔

پچھلے پرچے میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ بچیوں کے فائدے اور دلچسپی کی چیزیں بھی بڑھائی جائیں گی۔ اس پرچے میں ہم وعدے کے مطابق محترمہ بیگم صاحبہ عبدالغنی کا ایک مضمون شایع کر رہے ہیں۔ ابھی تک محترمہ بیگم صاحبہ، ڈاکٹر عباد الرحمٰن صاحب اور بیگم صاحبہ غلام السیدین صاحب اور دوسری بہنوں نے ہماری درخواست کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے البتہ محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ کا ایک خط ہمیں ملا ہے، ہم اسے خط و کتابت میں شایع کر رہے ہیں ہمیں اپنی محترم بہن کی تمام باتوں سے اتفاق ہے لیکن کامیابی کی صورت یہی ہے کہ سب بہنیں اس معاملے میں ہماری مدد کریں۔ ہم اُن سے دوبارہ درخواست کرتے ہیں کہ ہماری اس گذارش پر توجہ فرمائیں مضمون بھیجیں، اور ہمیں اس بارے میں مفید مشورے دے کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

تمھاری آپا جان اپنے خط کے جواب کا اب تک انتظار کر رہی ہیں اب وہ کچھ ناراض سی ہیں۔ ناراض ہونے کی بات بھی ہے، سوائے کلکتے کے سلطان احمد صاحب کے کسی نے اُن کے خط کا جواب نہیں دیا۔ ہم جب اُن کے پاس مضمون کے لئے جاتے ہیں تو وہ پہلا سوال یہی کرتی ہیں اور ہم بہت شرمندگی کے ساتھ نہیں کہہ دیتے ہیں، ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں پیام تعلیم سے اُن کی دلچسپی میں کمی نہ آ جائے۔ کیا اچھا ہو کہ اس پرچے کو دیکھتے ہی تم فوراً آپا جان کے خط کا جواب دے دو، جواب سے پہلے اُن کا خط ضرور دیکھ لینا یہ مارچ کے پرچے میں چھپا ہے۔

پیام تعلیم کی موجودہ ترقی سے بچے اور بڑے سب خوش ہیں ہمارے پاس بہت سے خط رسالے کی تعریف میں آتے ہیں، ان میں دو ایک خط ہم نے شایع بھی کر دیئے ہیں۔ ان خطوں سے ہماری ہمت بہت بڑھ جاتی ہے اور ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ پیام تعلیم کی ترقی کے لئے ہم جو کچھ کر رہے ہیں آپ سب پسند کرتے ہیں۔

اگلے پرچے میں چند اچھے اچھے مفید اور دلچسپ مضمون چھپیں گے جنھیں تم بہت پسند کرو گے۔ ان میں سے ہر شہلر راز ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی) (۲) ایجادوں کا بادشاہ (۳) نپولین اپنے بچپن میں (۴) شہد کی مکھی (نظم از نیّر صاحب) (۵) دیسی بابا کے اسکول اور منا بھیا اور ننھی بٹیا۔ خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت اچھی اچھی کہانیاں اور دوسرے مضمون ہیں۔

نظموں کے انعامی مقابلے میں تاریخ بڑھا دینے پر بھی صرف سات بچوں اور بچیوں نے حصہ لیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مس جمیلہ عبداللہ لاہور (۲) عمر کامل دہلی (۳) صالحہ خاتون دہلی (۴) فیروز سہراب حیدرآباد (۵) امان اللہ خاں وزیرستان (۶) عزیزۃ النساء صدیقہ اورنگ آباد (۷) منصور لگ درنگل ان میں فیروز سہراب اول اور عزیزہ النساء صدیقہ دوم آئی ہیں دونوں کو انعام کی کتابیں بھیج دی جائیں گی۔

۱۳۔ اپریل کو جامعہ میں قومی ہفتہ بہت اہتمام سے منایا جاتا ہے اس دن جامعہ کے سب نوکروں کو چھٹی دے دی جاتی ہے اور جامعہ کے استاد اور شاگرد سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، اب کے بھی ایسا ہی ہوا۔ تمام نوکروں یہاں تک کہ بھنگی تک کو سارے دن کی چھٹی دے دی گئی۔ اور جامعہ کے چھوٹے بچوں اور بڑے لڑکوں نے اپنے استادوں کے ساتھ اپنے اپنے بورڈنگوں کی خوب صفائی کی، کچھ لوگوں کے ذمے باورچی خانہ کا انتظام تھا۔ انھوں نے پہلے باورچی خانہ صاف کیا چولھوں کی مرمت کی۔ اور پھر کھانا پکایا۔

شام کو ساڑھے سات بجے جلسہ شروع ہوا۔ اس کا انتظام اس مرتبہ تعلیمی مرکز کے بچوں نے اپنے ذمے لیا تھا۔ چنانچہ ایک چھوٹے بچے کی صدارت میں جو مدرسے کی انجمن کا نائب صدر تھا جلسہ شروع ہوا تقریریں بھی چھوٹے بچوں نے کیں۔ ان تقریروں میں ہندوستان کی

تاریخ شروع سے کر جلیا نوالہ باغ کے حادثے تک ترتیب سے بیان کی گئی۔ ہر ایک بچے نے ایک ایک عہد کی مختصر تاریخ بیان کی مثلاً آریوں سے پہلے کا عہد آریوں کا عہد، مسلمانوں کا عہد اور انگریزوں کا عہد، ثانوی کے ایک طالب علم نے جلیا نوالہ باغ کے حادثے کی تفصیل بتائی۔ اور بتایا کہ آزادی کے کیا معنی ہیں۔ آخر میں بچوں نے ایک ترانا پڑھا۔ یہ مولوی شفیع الدین صاحب نیر کی ایک حمد تھی۔ جو بچوں کے تحفے میں شائع ہو چکی ہے کچھ تو خود یہ نظم بہت اچھی ہے اور پھر بچوں نے ایسے میں پڑھی کہ جلسے میں چھوٹے اور بڑے سب متاثر تھے ہم اپنے محترم بھائی نیر صاحب کو ایسی اچھی نظم لکھنے پر اور ماسٹر عبدالغفار مدھولوی صاحب کو اس نظم کے انتخاب پر مبارکباد دیتے ہیں جلسہ ختم ہونے پر کھانا کھایا گیا۔ کھانے میں سب ملازم بھنگی بھشتی، بیرے باورچی وغیرہ سب شریک تھے۔ اور استادوں اور لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا رہے تھے۔

---

۱۹ اپریل کو پانچ بجے جامعہ کے ورزشی کھیلوں کا مقابلہ ہوا۔ سر عبدالرحیم پریسیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی نے انعام تقسیم کئے۔

کھیل کا میدان خوب آراستہ تھا، مہمانوں کے لئے شامیانے کا انتظام کیا گیا تھا مجمع کافی تعداد میں تھا۔ ان میں امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مدظلہ، مولینا شوکت علی، بیگم محمد علی، مسز کیلی بوڈاپسٹ کے مفتی چودھری خلیق الزماں حاجی محمد ابراہیم۔ مسٹر غلام محمد اور نواب قدیر الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مہمانوں کے لئے چائے اور پھلوں کا بھی انتظام تھا۔

لڑکوں میں مختلف قسم کے مقابلے ہوئے۔ ان میں استادوں کی دوڑ سب سے دلچسپ رہی، قریب قریب سب استادوں نے اس میں حصہ لیا، جناب شیخ الجامعہ صاحب بہر حال اول آنے بعض نوجوان استادوں نے دوڑ جیتنے کی بہت کوشش کی لیکن چند تجربہ کار استادوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ یہاں تک کہ جناب شیخ الجامعہ صاحب جیتنے کے نشان تک پہنچ گئے۔ یعنی اول آگئے۔ اس کے بعد دوسری دلچسپ چیز رسہ کشی تھی۔ اس میں استادوں اور طالب علموں کا مقابلہ تھا بھلا یہ مقابلہ ہی کیا، ہمارے استادوں میں ماشاءاللہ اکثر بھاری بھرکم اور بھر علم اور تجربے کار وزن۔ لڑکوں نے جامعہ کے سابق طالب علم ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب کو اپنی طرف ملا لیا تھا۔ لیکن اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا۔ پہلے پہل تو کچھ کھینچا تانی رہی لیکن دو تین ہی منٹ میں تمام لڑکے مع محمود حسین خاں صاحب کے کئی گز تک گھسٹتے ہوئے چلے آئے۔ اساتذہ کی ٹیم کے کپتان حضرت مولانا سید محمد شرف الدین صاحب ٹونکی تھے اور ان ہی کو اچھا سا انعام ملا۔

انعام تقسیم کرنے کے بعد سر عبدالرحیم نے ایک مختصر تقریر بھی کی اور فرمایا کہ یہ دیکھکر انھیں مسرت آمیز تعجب ہوا کہ بچوں کو مختلف کھیلوں کے تئے اس خوش اسلوبی سے تربیت دی گئی تھی۔ مجھے جامعہ کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی رہی وہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور ان کے ساتھیوں کا ایثار اور بے غرض خدمت ہے۔ جامعہ نے ایک نمونے کی تعلیم گاہ کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر لی ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ ملک میں اس نمونے کی بہت سی جامعین قائم ہو جائیں گی۔

اس کے بعد امیر جامعہ سر عبدالرحیم، شیخ الجامعہ اور مسٹر کیلی کے چیرز کے بعد جلسہ بہت کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔

ہمیں افسوس ہے کہ کتاں والی دلچسپ کہانی کا باقی حصہ ہمارے کاتب صاحب (جو آج کل چھٹی پر ہیں) شاید اپنے ساتھ لے گئے ہمیں وقت کے وقت اس کی خبر ہوئی۔ اس لئے مجبوراً یہ باقی حصہ جون کے پرچے میں شائع ہوگا۔ امید ہے کہ جناب سر اسمٰعیل احمد خاں صاحب اور پیام بھائی ہمیں معاف فرمائیں گے

مضامین کی کثرت کی وجہ سے اس مرتبہ ہم کئی مضمون اور خریداروں کی فہرست شائع نہ کر سکے امید ہے کہ تمنائی صاحب اور دوسرے مضمون نگار بھائی معاف فرمائیں گے۔ یہ مضمون اگلے نمبر میں شائع ہوں گے۔ خریداروں کی فہرست بھی اگلے پرچے میں ضرور شائع ہوگی۔

آہ! مولانا راشد الخیری

از جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر استاد ماڈرن ہائی اسکول
نئی دہلی

آؤ بچو! سناؤں ایک خبر
جس کو سُن کر ہوا ہے ٹکڑے جگر

شہر دہلی، ہے جس کا نام بڑا
ساری دنیا میں جس کا ہے چرچا

جہاں گذرے ہیں ایسے اہلِ کمال
جن کی دیکھی نہیں جہاں نے مثال

یہیں رہتے تھے اک بزرگ ابھی
نام تھا اُن کا راشد الخیری

نیک دل، نیک نام، مرد شریف
وضع دار اور خوش مزاج وظریف[۱]

اُردو لکھنے میں نیک نام تھے وہ
رہتے اِس دھن میں صبح وشام تھے وہ

نثر اُردو کے تھے وہ ایک امام
تھا ترقی کا اس کی شوق مدام[۳]

صاحبِ طرز[۴] اک ادیب تھے وہ
تھے انوکھے بڑے عجیب تھے وہ

فکر اُن کی بلند اور عالی[۵]
میٹھی میٹھی زبان ٹکسالی[۶]

کھینچتے خوب تھے وہ نقشۂ غم
تھا بیان اُن کا سربسر[۷] ماتم

اُن کا مضمون جو کوئی سُنتا
فرطِ[۸] غم سے وہ اپنا سر دُھنتا

---

۱ لطیفہ کہنے والا۔ خوش طبع۔ ۳ ہمیشہ ۴ یعنی اردو نثر لکھنے کا انھوں نے ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جو سب اردو لکھنے والوں کے طریقوں سے الگ تھا ۵ اونچی۔ بلند ۶ مستند اور صحیح زبان۔ جسے اہل زبان صحیح جانتے ہوں ۷ سراسر ۸ فرط معنی زیادتی یعنی غم کی زیادتی۔

ہند کی بیبیوں کی خدمت بھی — ہو سکی جس قدر اُنھوں نے کی
کچھ کتابیں لکھیں عجب پیاری — کچھ رسالے بھی کر دیے جاری
اُن کے مدّاح[1] سارے اہلِ زباں — اُن کا ممنون طبقۂ[2] نسواں
آہ! دنیا سے وہ سدھار گئے — چھوڑ کر ہم کو اشکبار[3] گئے
اُن کی بیوقت موت سے اِس دم — بزم اُردو بنی صفِ ماتم
سچ ہے بس موت پر نہیں چلتا — وقت آیا ہوا نہیں ٹلتا
کسی شاعر نے یہ کہا ہے خوب — شعر اُس کا یہ مجھ کو ہے مرغوب
کیا بھروسا ہے زندگانی کا — آدمی بُلبلہ ہے پانی کا
ایک دن سب یہاں سے جائینگے — داغ دے کر جہاں سے جائینگے
جب کہ دنیا کا ہے یہی دستور — پھر مرا دل ہے کیوں غموں سے چور
میں ہوں اِس فکر اور اِس غم میں — اچھے لوگوں کی ہے کمی ہم میں
اور اگر ہے کوئی گذر جاتا — کوئی اُس کی جگہ نہیں آتا
مرنے والوں کا ایک ہے پیغام — کرے دنیا میں آدمی کچھ کام
موت سے اُن کی ہم نصیحت لیں — ہم بھی کام ایسا کچھ جہاں میں کریں

جائیں تو اس طرح سے جائیں ہم
مدتوں سب کو یاد آئیں ہم

---

[1] تعریف کرنے والا [2] عورتوں کا طبقہ [3] رونے والا۔ یہاں مراد ہے روتا ہوا۔ [4] پسند۔

گھونسلے میں ہاتھ نہ ڈالو



از بدیع الحسن خانصاحب رنگون

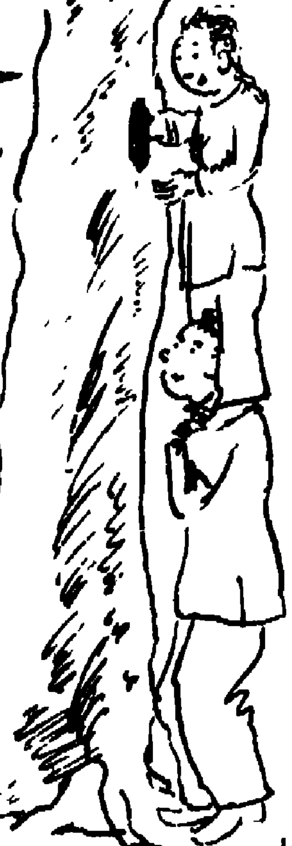
"بچو! چڑیوں کے گھونسلے میں کبھی ہاتھ نہ ڈالنا" آؤ میں تمھیں ایک قصہ سنائیں
ایک گاؤں میں حامد اور محمود نام دو بچے رہتے تھے دونوں میں بہت دوستی تھی مدرسے ساتھ ساتھ جاتے۔ ساتھ ہی کھیلتے اور ساتھ ہی سیر کو جاتے۔ ان دونوں کو چڑیوں کے پالنے کا بہت شوق تھا۔ طرح طرح کی ترکیبوں سے چڑیوں کے بچے پکڑ لاتے اور انھیں بڑی دلچسپی اور توجہ سے پالتے۔

ایک دن دونوں گاؤں سے باہر ایک باغ میں پہنچے حامد کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کے تنے میں اونچائی پر ایک سوراخ تھا۔ پاس ہی ایک چڑیا بیٹھی تھی حامد نے کہا: محمود بھیا اس درخت میں ایک سوراخ نظر آرہا ہے۔ ایک چڑیا بھی پاس ہی بیٹھی ہے ہو نہ ہو اس میں گھونسلا ہے۔ بچے بھی ضرور ہوں گے



آؤ نکال نہ لیں؟ محمود نے کہا "بات تو ٹھیک ہے مگر درخت میں نیچے کوئی شاخ بھی تو نہیں چڑھیں گے کیسے؟"

حامد "میرے کندھے پر کھڑے ہو جاؤ سوراخ تک پہنچ ہی جاؤ گے" حامد کو اور کیا چاہیئے تھا۔ جھٹ اُچک کر محمود کے کندھے پر سوار ہو گیا ادھر بے چاری چڑیا مارے ڈر کے اور اونچی شاخ پر جا بیٹھی اور شور مچانا شروع کیا کہ یہ ظالم میرا گھر تباہ کیے دیتے ہیں۔

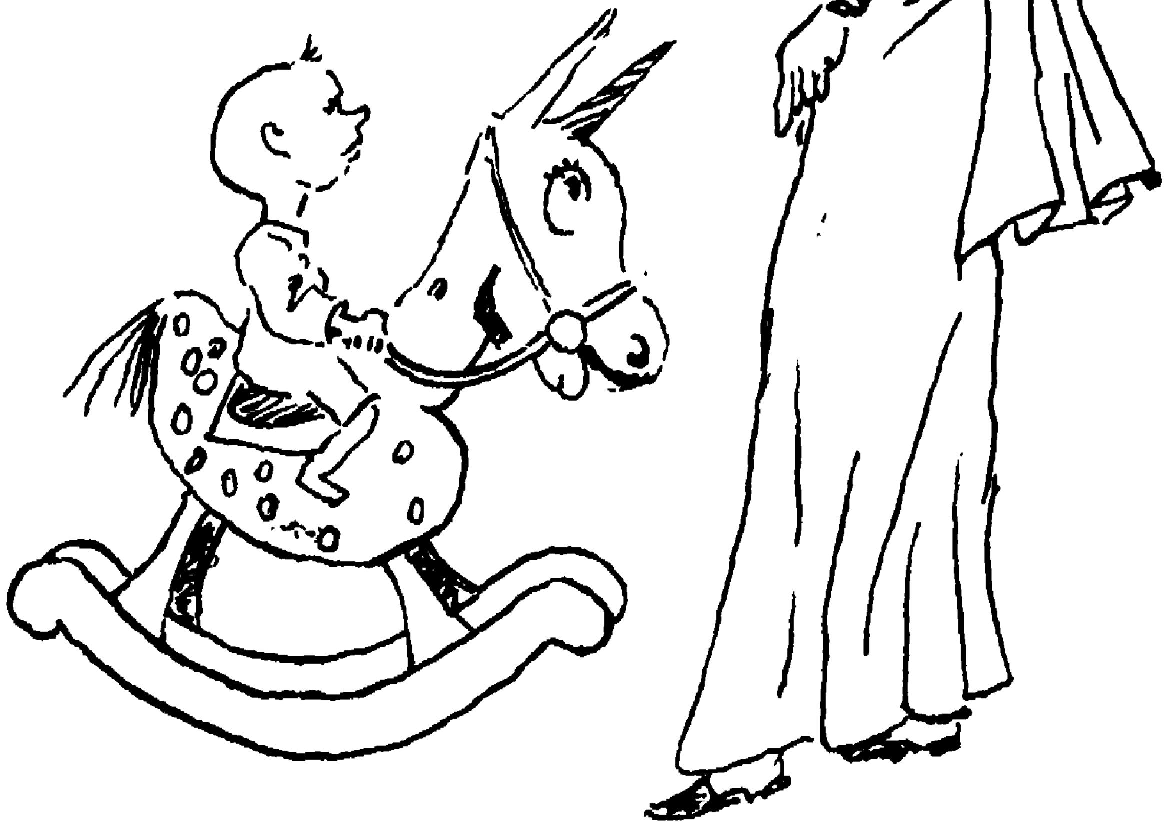


حامد نے جوں ہی بچے نکالنے کے لئے سوراخ میں ہاتھ ڈالا کر کسی نے زور سے چٹکی لی اور وہ ایکا ایکی دھم سے نیچے آ رہا۔ محمود تم جانو بچہ تو تھا ہی گھبرا گیا۔ حامد کو ہلایا ڈلایا مگر وہ تو بے ہوش ہو چکا تھا محمود نے اوپر دیکھا تو ایک کالا سانپ سوراخ سے سر نکالے اپنی زبان اندر باہر کر رہا تھا۔

محمود زور سے چلایا "لوگو دوڑنا۔ سانپ نے کاٹ لیا!" آواز سن کر بہت سے لوگ آس پاس سے بھاگے بھاگے آئے۔ مگر سب گنوار کوئی جانے نہ بوجھے۔ وہ تو کہو خیریت ہوئی اور حامد کی قسمت میں زندگی لکھی تھی۔ کہ اتفاق سے ایک ڈاکٹر صاحب اُدھر سے گذر رہے تھے آن کے پاس سانپ کے کاٹے کی دوا تو تھی نہیں مگر خدا کا نام لے کر انھوں نے جھٹ پٹ زخم سے اوپر دو تین جگہ باندھ دیا اور زخم کو نشتر سے چیر کر خون نکال دیا۔ اس سے حامد کی جان تو بچ گئی۔ مگر بہت دنوں بعد جا کر اچھا ہوا۔ ماں باپ کو

بھی بہت پریشانی ہوئی۔

اب دونوں دوستوں نے تمام چڑیوں کو پنجرے سے آزاد کر دیا ہے۔ اور قسم کھالی ہے کہ کبھی گھونسلے میں ہاتھ نہ ڈالیں گے۔



پنڈت جواہر لال

از رفیق احمد صاحب زکریا

پنڈت موتی لال کا نام تم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہوگا یہ الہ آباد ہائی کورٹ کے مشہور وکیل اور ملک کے سچے قومی خدمت کرنے والے تھے۔ اُن کے دل میں قوم کی خدمت کی لگن تو شروع سے تھی مگر جب سے اُنھوں نے اپنے پیارے وطن کی خاطر وکالت یا یوں کہوں کہ لاکھوں روپے سالانہ کی آمدنی پر لات ماری اُس وقت سے تو انھیں دن رات یہی دُھن رہتی تھی کہ کسی طرح ہماری قوم دوسری آزاد قوموں کی طرح آزاد اور اپنی قسمت کی آپ مالک ہو۔

پنڈت جی نے اس راستے میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں مصیبتیں سہیں لیکن جو قدم آگے بڑھ چکے تھے وہ پیچھے نہیں ہٹے۔ اور زندگی کے آخری گھڑیوں تک وہ اپنے ملک ہی کی خدمت میں لگے رہے۔

پنڈت جواہر لال ان ہی موتی لال جی آنجہانی کے اکلوتے سپوت ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں الہ آباد کے ایک محلے میر گنج میں پیدا ہوئے ان کی تربیت اور تعلیم کا انتظام انگریزی ڈھنگ پر کیا گیا پانچ برس کی عمر میں انگریزی اُستانیاں مقرر کی گئیں، گیارہ سال کی عمر تک یہ ان ہی سے پڑھتے رہے۔ پنڈت موتی لال جی ان کی تندرستی کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اسی لئے ۱۸۹۶ء میں انھیں اپنے پورے خاندان کے ساتھ کشمیر لے گئے

۱۹۰۰ء میں پنڈت موتی لال جی نے ان کی تربیت ایک ایسے استاد کے سپرد کی جو بہت نیک دل اور سادہ مزاج تھے اور جنھوں نے ان تین باتوں کو اپنی زندگی کا اصول قرار دے لیا تھا یعنی۔ سب مذہبوں کے لوگوں سے یکساں بھائی چارے کا برتاؤ۔ ہر انسان سے پریم محبت اور دوستی، اور نیک کام۔ اس اچھے اُستاد کی نیک دلی اور سادہ زندگی کا پنڈت جواہر لال پر بہت اچھا پڑا اور یہ تینوں باتیں ان کی طبیعت میں جڑ پکڑ گئیں۔

۱۹۰۵ء میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ انگلستان گئے اور وہاں کے مشہور پبلک اسکول ہیرو (Harro.) میں داخل ہوگئے ۱۹۰۷ء میں یہاں سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کیمبرج کے ٹرنیٹی کالج میں پائی۔ یہاں ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، جناب تصدق احمد خاں صاحب شروانی مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمود۔ جناب عبدالمجید خواجہ صاحب اور چیف جسٹس سر شاہ محمد سلیمان خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی حیثیت سے ملک میں عزت اور شہرت حاصل کی ۱۹۱۲ء میں پنڈت جواہر لال نے ام اے اور بیرسٹری کی ڈگری لی اور یورپ کے ملکوں کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان واپس آگئے۔ اور الہ آباد ہائی کورٹ میں بیرسٹری شروع کردی۔

۱۹۲۰ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس کام میں آپ کا جی نہ لگتا تھا۔ اس زمانے میں وہ قومی کاموں میں بہت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

۱۹۱۶ء میں دلی کے مشہور کشمیری خاندان میں جواہر مل کول کی لڑکی کملا کول سے ان کی شادی ہوئی ۱۹۱۷ء میں ان سے ایک لڑکی اندرا پیدا ہوئی یہ آج کل سوئٹزرلینڈ میں پڑھ رہی ہے۔ کملا نہرو بڑی نیک بی بی تھیں۔ انھوں نے قومی کاموں میں اپنے شوہر کا بڑے جوش سے ساتھ دیا ہر طرح کی تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھائیں یہاں تک کہ ان کا نازک جسم ان تکلیفوں کا بوجھ نہ سہار سکا ایک عرصہ تک بیمار رہیں اور فروری ۱۹۳۶ء میں جرمنی میں انتقال کیا۔

پنڈت جی نے ۱۹۱۲ء سے اب تک ۲۴ سال میں قوم و ملک کے لئے جو کام کئے ہیں ان کی تفصیل کی اس مختصر سے مضمون میں کہاں گنجایش پھر بھی ہم ان کا تھوڑا تھوڑا حال بیان کریں گے۔

وہ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کی سب سے بڑی قومی انجمن کانگریس کے باقاعدہ ممبر بنے ۱۹۱۴ء میں انھوں نے اس زمانے کے مشہور قومی خادم مسٹر گوکھلے کی اپیل پر افریقہ کے ہندوستانیوں کے لئے پچاس ہزار روپیے جمع کئے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں صوبہ متحدہ کے غریب کسانوں کی اصلاح کا کام کیا۔ اسی زمانے میں مہاتما گاندھی کی تحریک میں شریک ہوگئے۔ بیرسٹری چھوڑ دی اور اپنی ساری زندگی قومی کاموں کے لئے وقف کر دی۔ ۱۹۲۱ء میں انگریزی حکومت نے قومی کاموں کے سلسلے میں چھ مہینے کی سزا دی لیکن چند ہفتوں کے بعد چھوڑ دئے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں پھر اٹھارہ مہینے کی سزا ہوئی ۱۹۲۳ء میں جیل سے چھوٹے اسی سال پنجاب کی ریاست نابھہ میں سکھوں پر سخت ظلم کئے جا رہے تھے پنڈت جی اس کی تحقیقات کے لئے نابھہ روانہ ہوگئے۔ ریاست کے افسروں کی طرف سے انھیں ریاست میں داخل ہونے سے حکماً روکا گیا اور جب یہ حکم انھوں نے نہ مانا تو گرفتار کر لئے گئے مقدمہ چلا اور ڈھائی سال کی سزا دے دی گئی لیکن بعد میں راجہ کے حکم سے چھوڑ دیئے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں ان کی بیوی شریمتی کملا نہرو زیادہ بیمار ہوگئیں تو انھیں لے کر سوئٹزرلینڈ گئے ۱۹۲۷ء میں روسی حکومت نے انھیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور یہ وہاں تشریف لے گئے وہاں سے واپسی کے بعد روس کے حالات پر ایک کتاب لکھی ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک ہندوستان کی مختلف قومی انجمنوں کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں وہ کانگریس کے سالانہ اجلاس (لاہور) کے صدر منتخب ہوئے اور یہ سب سے بڑی عزت تھی جو ہندوستان اور ہندوستانی قوم اُن کے سامنے پیش کر سکتی تھی، اپریل ۱۹۳۰ء میں حکومت نے انھیں پھر چھ مہینے کی سزا دی ۱۴-اکتوبر کو رہا ہوئے لیکن صرف ۸ دن جیل سے باہر رہے- ۱۹/اکتوبر کو پھر گرفتار کئے گئے ابکی انھیں دو سال کی سزا دی گئی- دسمبر ۱۹۳۱ء میں حکومت نے پھر گرفتار کیا اور ڈھائی سال کی سزا دی۔ ۳۰- اگست ۱۹۳۳ء میں اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے رہا ہوئے - ۱۵-جنوری ۱۹۳۴ء میں بہار میں زلزلہ آیا پنڈت جی زلزلے کے علاقے میں خود تشریف لے گئے

اور بابو راجندر پرشاد کے ساتھ وہاں فرد وروں کی طرح کام کیا۔ بہار سے کلکتے گئے وہاں دو تین تقریریں کیں ان تقریروں کی وجہ سے پھر گرفتار کئے گئے اور جیل میں پہونچا دیے گئے اس زمانے میں شریمتی کملا نہرو برابر بیمار رہیں اگست ۱۹۳۵ء میں حالت زیادہ نازک ہوئی تو رہا کر دیے گئے لیکن ۷۔ دن کے بعد پھر جیل واپس بھیج دیے گئے۔ اور کملا نہرو کو جرمنی بھیجنے کا انتظام کیا گیا وہاں جب اُن کی حالت دن بدن خراب ہونے لگی تو ۳۔ ستمبر کو پنڈت جی رہا کر دیے گئے اور ۴۔ ستمبر کو ہوائی جہاز سے جرمنی روانہ ہو گئے۔ ۸۔ فروری کو شریمتی کملا نہرو کا انتقال ہو گیا۔

پنڈت جی ابھی جرمنی ہی میں تھے کہ ملک نے دوسری بار انھیں کانگریس کا صدر چنا مارچ میں وہ ہندوستان تشریف لائے اور ۱۲۔ اپریل کو لکھنؤ میں کانگریس کے سالانہ جلسے کی صدارت کی۔

تم نے اس مختصر سے بیان سے اندازہ لگایا ہوگا کہ اس ۴۲ برس کے عرصے میں ان کا زیادہ وقت جیل ہی میں گزرا۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ جیل کی زندگی بھی پنڈت جی نے بہت مفید کاموں میں گزاری اپنی بیٹی اندرا کو انھوں نے جیل ہی میں بیٹھ کر خط لکھے تھے۔ یہ خط کتابی صورت میں بھی چھپ گئے ہیں ان میں سے ایک حصے کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے تمھیں موقع ملے تو انھیں ضرور پڑھنا۔ ان میں دنیا کی تاریخ بیان کی گئی ہے نہایت سادہ اور دلچسپ انداز میں۔ انھوں نے اپنی آپ بیتی بھی لکھی ہے، سنا ہے کہ اس کا ترجمہ مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے بہت جلد شائع ہوگا۔

پنڈت جواہر لال کی زندگی شروع میں بعیش آرام سے گزری۔ کسے یقین تھا کہ شہزادوں کی زندگی بسر کرنے والا جواہر قوم کی خاطر اس طرح مصیبتوں کی آگ میں کود پڑے گا۔ اور اپنے لئے وہ راستہ اختیار کرے گا جس میں شروع سے آخر تک کانٹے ہی کانٹے ہیں اور منزل بہت دور! واقعہ یہ ہے کہ اپنے ہم وطنوں کی محتاجی غریبی اور مفلسی کی مصیبت اور سب سے بڑھ کر غلامی کی ذلت کے احساس نے یہ راستہ اختیار کرنے پر انھیں مجبور کر دیا ہے۔

اس مضمون کے آخر میں ہم اُس رائے کو نقل کرنا چاہتے ہیں جو مہاتما گاندھی نے پنڈت جی کے متعلق ظاہر کی ہے۔

"بہادری میں کوئی اُن سے بڑھ نہیں سکتا وطن کی محبت میں کوئی ثانی نہیں۔ ان میں ایک بہادر آدمی کی سی تیزی اور پڑھے لکھے سمجھ دار آدمی کی سی سمجھ بوجھ ہے وہ ایک ہیرے کی مانند پاک و صاف ہیں۔ سچائی سے انھیں عشق ہے۔ اور اس میں شبہے کی مطلق گنجائش نہیں وہ ایک بے داغ اور بہادر سپاہی ہیں قوم ان کے ہاتھ میں محفوظ ہے"

طلسمی بانسری

آج میں اپنے عزیز عابد حسین صاحب عرف للن میاں مرحوم کا ایک ڈرامہ بھیج رہا ہوں خدا بخشے للن میاں بہت ذہین اور ہونہار تھے اور اگر بے رحم موت انہیں اس قدر جلد ہم سے جدا نہ کر دیتی تو وہ ملک اور قوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے انہیں بچوں کے ناٹک (Children's Play) لکھنے کا خاص شوق تھا اگر یہ ناٹک بچوں کو پسند آیا۔ تو ان کے لکھے ہوئے کئی دوسرے ناٹک بھی پیش کردوں گا۔

یہ ناٹک گرم (Grimm) کی ایک کہانی میجک فڈل (Magic Fiddle) کو سامنے رکھکر لکھا گیا ہے۔ (اطہر)

(از جناب سید عابد حسین صاحب مرحوم لکھنوی)

ایک کوتوال، دو سپاہی، چند لڑکوں کی ایک جماعت، (سین، گاؤں کی ایک سڑک۔ چند طالب علم ہنستے کھیلتے چلے جاتے ہیں، دوسری طرف سے ایک فقیر بھیک مانگتا آتا ہے)

دے دے خدا کی راہ میں بابا! ہمت ہے گر دینے کی
چاہے اگر تو مانگ لے مجھ سے ہمت ہے گر لینے کی
دیدے خدا کی راہ ....

سب لڑکے۔ قہقہہ لگاتے ہیں، کوئی بڈھے فقیر کا منہ چڑھاتا ہے۔ کوئی اس کی نقلیں اتارتا ہے، فقیر سڑک پر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

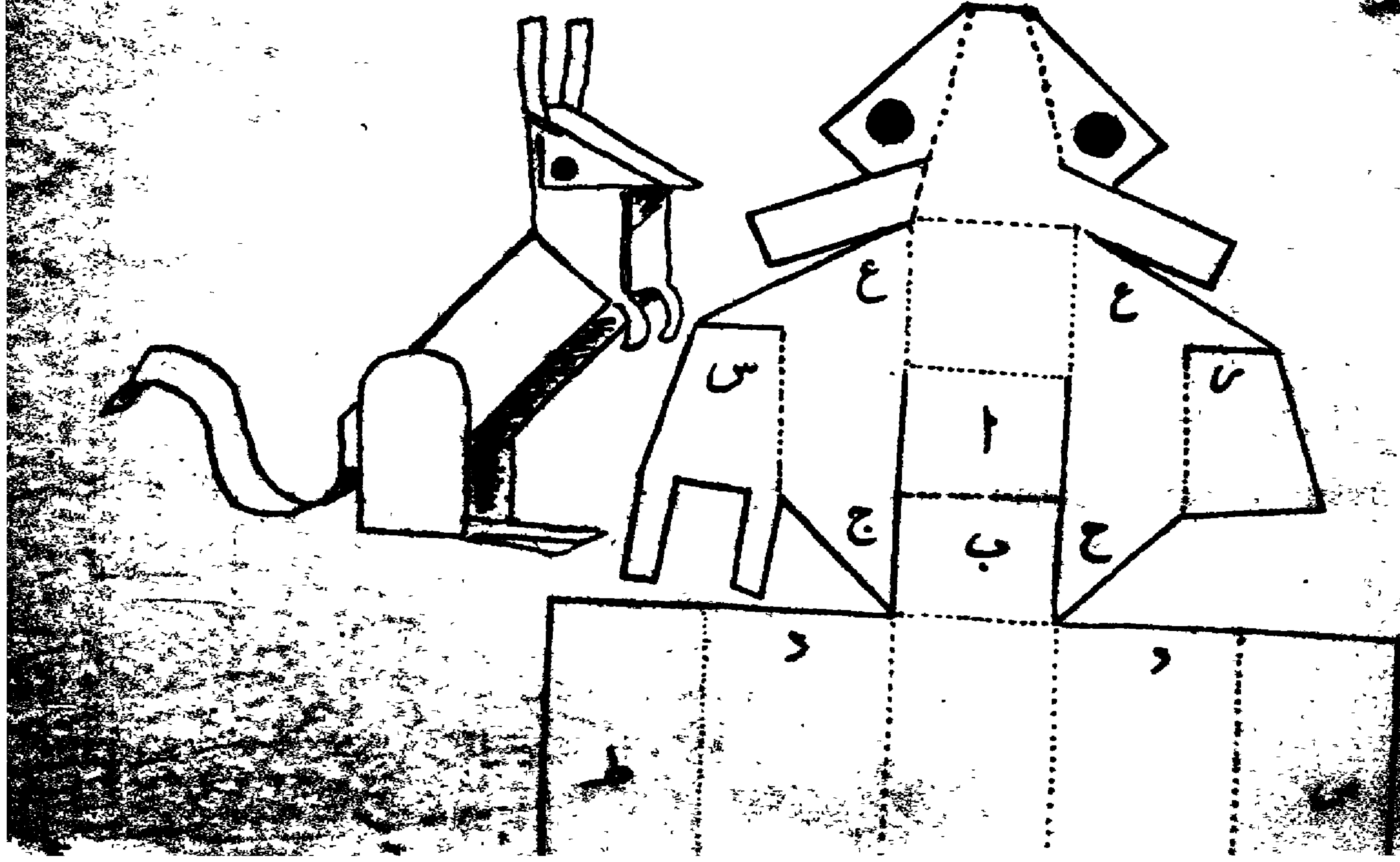


ڈرامے میں کام کرنے والے۔
ایک بڈھا فقیر، ایک نیک دل لڑکا، ایک مسافر

ایک خوبصورت بھولا بھالا لڑکا گاتا ہوا آتا ہے

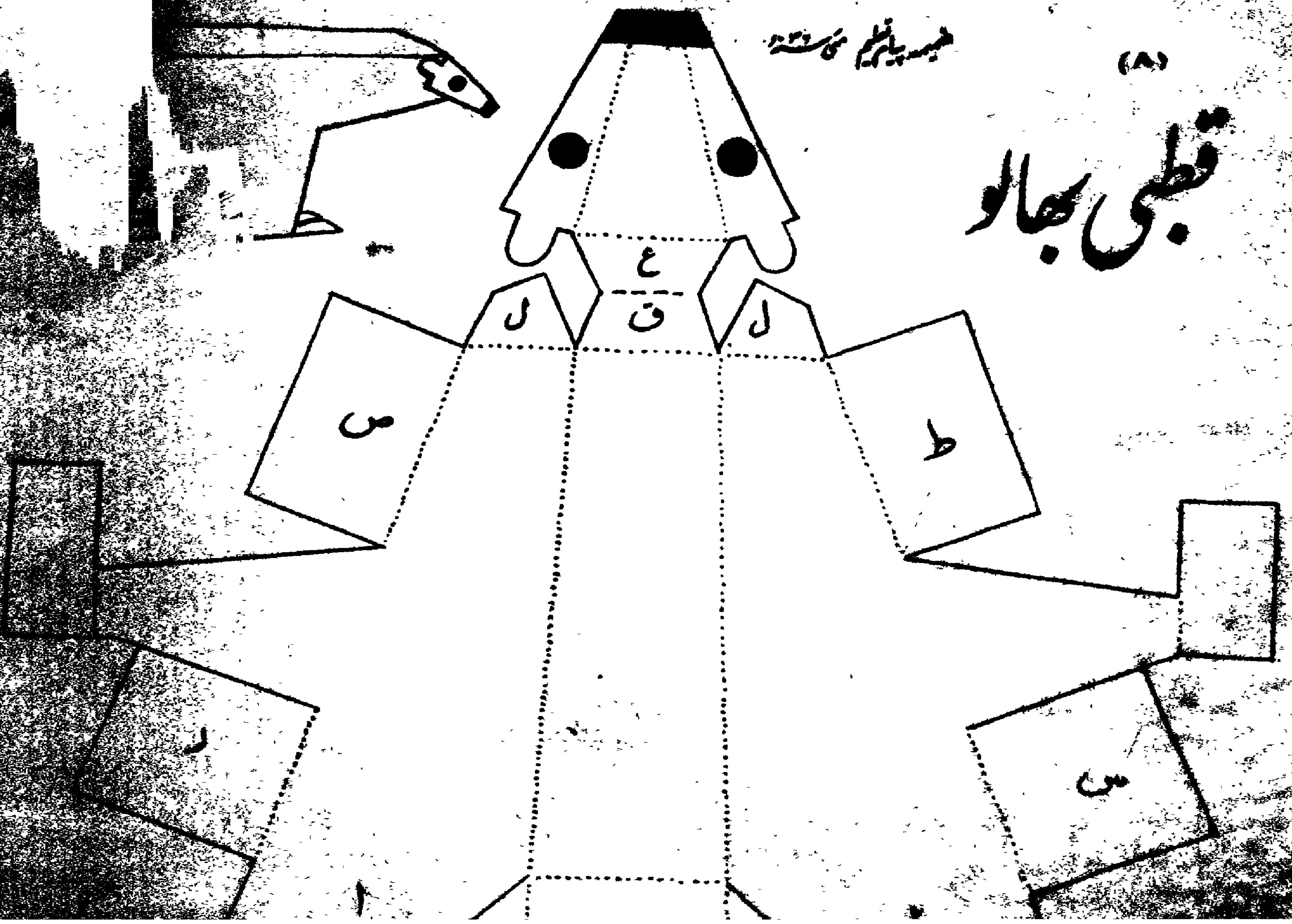
---

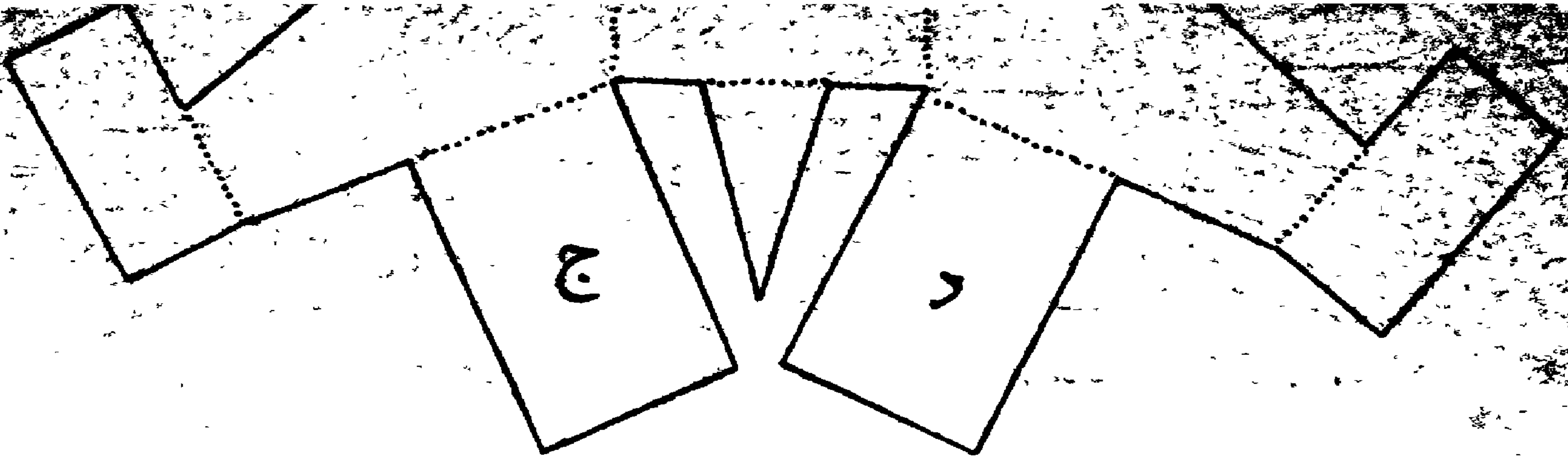
(٩) کنگرو



قطبی بھالو

(۸)





۱۔ تمام حرفوں اور ٹکڑوں کا ٹھیک ٹھیک عکس اُتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کو اصلی نقشے سے مقابلہ کرو اور غلطیوں کو درست کر لو۔

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو رنگ یا سیاہی سے رنگ لو اور انہیں خوب سوکھ جانے دو۔

۴۔ تمام باہر کی ٹکڑوں کو قینچی سے کاٹ لو۔

۵۔ سب ٹکڑیوں کو وہیں جہاں تک وہ کھنچی ہوئی ہیں کاٹ لو۔

۶۔ نقطوں والی اور ڈیشوں والی لکیروں کو سوئی سے کھرچ دو۔

۷۔ تمام نقطوں والی لکیروں کو نیچے کی طرف اور ڈیش والی لکیروں کو اوپر کی طرف موڑ دو۔

۸۔ "ب" کی پشت کو "ا" کی پشت پر چپکا دو۔

۹۔ "ج" کی پشت والے حصے کو "د" پر چپکا دو

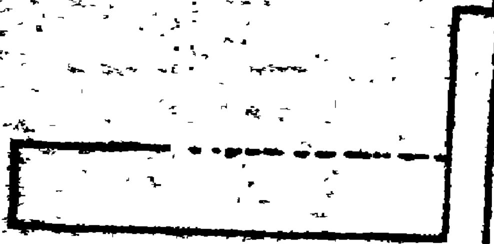
۱۰۔ "ذ" کی پشت کو "س" پر چپکا دو۔

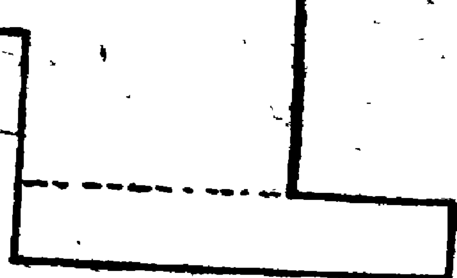
۱۱۔ "ص" کی پشت کو "ط" پر چپکا دو۔

۱۲۔ "ع" کو ف پر چپکا دو

۱۳۔ "ل" کی پشتوں کو "ع" کی پشت پر چپکا دو۔

۱۴۔ کانوں کی اصلی جگہ پر جو تم تصویریں دیکھتے ہو۔ گوند یا لئی لگا دو





۱۔ تمام حرفوں اور لکیروں کا ٹھیک ٹھیک عکس اتار لو۔

۲۔ اپنے عکس کا اصل نقشے سے مقابلہ کرو۔ اور غلطیوں کو درست کر لو

۳۔ تمام سیاہ جگہوں کو تم بھی رنگ یا سیاہی سے بھر لو اور انہیں خوب سوکھ جانے دو

۴۔ باہر کی لکیروں کو قینچی سے کاٹ لو۔

۵۔ جہاں جہاں پوری لکیریں ہیں انہیں بھی قینچی سے کاٹ لو۔

۶۔ تمام نقطے والی اور ٹکڑے والی لکیروں کو کھرچ لو۔

۷۔ جہاں نقطے والی لکیریں ہیں وہاں کاغذ کو نیچے کی طرف موڑو اور جہاں ٹکڑے والی لکیریں ہیں۔ وہاں اوپر کی طرف موڑو

۸۔ "ا" کو "ب" پر چپکا دو۔

۹۔ "م" کو "ص" کی پشت پر چپکا دو۔

۱۰۔ "ق" کے حصوں کی پشت "د" پر چپکا دو (اصل تصویر سے مقابلہ کر لو)

۱۱۔ "ص" کی پشت کو "ط" پر چپکا دو۔

۱۲۔ انگلیوں کے حصوں کو "ج" پر چپکا دو

۱۳۔ "ق" کے حصوں کی پشت کو "ل" کے حصوں پر چپکا دو (اصل تصویر سے مقابلہ کر لو)

۱۴۔ اب دم بناؤ۔ آدھے حصے سے آخر تک دم پیچھے کی طرف ہونی چاہیے اس لئے اپنا انگوٹھا اوپر اور پنسل نیچے رکھ کر کھینچو۔ دم کا دوسرا آدھا حصہ جو ٹنک اوپر کی طرف مڑا ہونا چاہیے۔ اس لئے انگوٹھا نیچے اور پنسل اوپر رکھ کر کھینچو تاکہ دم کی شکل انگریزی حرف "S" کی طرح ہو جائے

۱۵۔ اب اپنے کنگرو کا بچی ہوئی تصویر سے مقابلہ کرو۔ اور کوئی غلطی ہو تو ٹھیک کر لو۔

ہر ایک طرف گرم ہے بازار خدا کا

لڑکا۔ ہر ملت و مذہب ہے خریدار خدا کا
ہر پھول میں ہر رنگ میں خوشبو ہے اسی کی
کیا کیا ہے نہ پھولا ہوا گلزار خدا کا
ہر ایک طرف گرم ہے۔ . . . .

(اپنی جیب سے چمکدار پیسے نکالتا ہے۔ اور دیکھ کر آپ ہی آپ ہنستا ہے)

بڈھا فقیر۔ سلام۔ چھوٹے میاں سلام! آپ تو ایسے خوش ہیں کہ پھولے نہیں سماتے۔

لڑکا۔ کیوں نہ خوش ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے نہ تو دنیا کی کوئی فکر ہے اور نہ کوئی تکلیف، میری جیب بھری ہے (پیسے بجاتا ہے) بس اتنا سا کام ہے کہ ان پیسوں کو خرچ کر دوں۔

بڈھا فقیر۔ اچھا چھوٹے میاں! بھلا آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں؟

لڑکا۔ (مسکرا کر) دیکھئے کیسے چمکدار پیسے ہیں! جیسے ابھی ٹکسال سے نکلے ہوں.... ایک...... دو.... تین...... چار...... پانچ......

بڈھا فقیر۔ ارے میاں! مجھ غریب دکھیا کے حال پر ترس کھاؤ۔ در در پھرتا رہا۔ مگر ابھی تک ایک ڈبل نہیں ملا اللہ کے نام پر خدا کے واسطے کچھ اس غریب کو بھی دے دو!

لڑکا۔ شوق سے۔ ایک.... دو.... تین....

بڈھا فقیر۔ (خوش ہو کر) اللہ تمھیں سلامت رکھے بڑی عمر پاؤ سچ ہے سخی کا دل ناریل کے مانند ہے کہ ظاہر میں سخت مگر اندر سے نرم۔ اور بخیل کا دل بانس کے مانند ہے کہ ظاہر میں سخت اور اندر سے خالی۔ سنو میاں! مجھ غریب کی زبان میں خدا نے ایسا اثر دیا ہے۔ کہ جو کہہ دوں وہی ہو جائے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہر پیسے کے عوض ایک خواہش پوری ہوگی۔

لڑکا۔ پہلی خواہش یہ ہے۔ بابا کہ مجھے ایک بانسری مل جائے جب میں اسے بجاؤں تو ہر شخص ناچنے لگے۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ کوئی بدمعاش مجھے ہرا نہ سکے، تیسری یہ کہ ہر شخص میری مرضی کے مطابق کام کرے۔

بڈھا فقیر۔ (کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے تھیلے سے ایک بانسری نکالتا ہے۔)

لو یہ ہے بانسری۔ اس سے تمھاری دوسری دونوں خواہشیں بھی پوری ہو جائیں گی۔

لڑکا۔ سلام! شکریہ

بڈھا فقیر۔ سلام! بیٹا جیتے رہو۔

(بڈھا چلا جاتا ہے۔ ایک مسافر آتا ہے، لڑکا بانسری بجاتا ہے۔ مسافر ناچنے لگتا ہے۔ جتنی تیز بانسری بجاتا ہے اتنی ہی جلد جلد مسافر ناچتا ہے)

مسافر۔ بند کرو۔ بند کرو۔ خدا کے لئے بند کرو! میں اب زیادہ ناچنا نہیں چاہتا۔

لڑکا (بانسری بجاتے ہوئے) خود کیوں نہیں رک جاتے۔

مسافر۔ بند کرو۔ خدا کے واسطے۔ میرا دم پھول رہا ہے۔ ارے میں مرا.... مرا (لڑکا بانسری بجائے جاتا ہے)

مسافر۔ اگر تم بجانا بند کرو، تو میں اشرفیوں کا ایک توڑا حوالے کر دوں۔ رحم کرو، میاں! رحم کرو (لڑکا بانسری بجانا بند کر دیتا ہے)

لڑکا۔ (ہنس کر) واقعی آپ اتنا اچھا ناچتے ہیں کہ
دل بند کرنے کو نہیں چاہتا۔ مگر آپ کی خاطر منظور ہے۔
مسافر۔ خیر اشرفیوں کا یہ توڑا لو۔
لڑکا۔ شکریہ (دل میں) خدا کا لاکھ لاکھ احسان
ہے۔ جس نے مجھے یہ دولت بخشی۔ شاید یہ اسی خیرات کا بدلہ ہے
جو میں نے اس بڈھے فقیر کو دی تھی۔
مسافر۔ (کچھ دور جا کر پھر لوٹتا ہے) اچھا اب خیریت



اسی میں ہے کہ سیدھے ہاتھ سے واپس کردو۔ (غصہ ہو کر)
میں کہتا ہوں کہ میرا توڑا مجھے واپس کردو۔
(چھیننے کی کوشش کرتا ہے لیکن لڑکا اسے مضبوطی
سے پکڑے رہتا ہے)
اچھا! وہ دیکھو کوتوال صاحب آرہے ہیں کانسٹبل
بھی ساتھ ہیں۔ (چلا کر اور اپنے ہاتھ بڑھا کر) مدد! مدد!!

دہائی ہے حضور کی! دہائی ہے۔ (زمین پر گر پڑتا ہے)
کوتوال۔ (دوڑ کر) ارے! کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟
مسافر۔ (آہستہ آہستہ) حضور! میں مر گیا۔ میرا مال
لٹ گیا۔
کوتوال۔ کیا اسی لڑکے نے تمھیں لوٹ لیا؟
مسافر۔ حضور! کیا اس کے پاس بانسری ہے؟
کوتوال۔ ہاں۔

مسافر۔ یہی لڑکا ہے۔ اسی نے میری اشرفیوں کا توڑا
لے لیا ہے۔
لڑکا۔ نہیں جناب! اس نے خود مجھے یہ تھیلی دی ہے
میں بانسری بجا رہا تھا، لیکن اس نے بڑی خوشامد کی کہ میں
اسے روک دوں، اور اس کے بدلے میں اس نے مجھے یہ رقم
دی ہے۔

مسافر۔ (ہنس کر) واہ! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے چوری اور سینہ زوری۔

کوتوال۔ (کانسٹبل سے) گرفتار کر لو اور حوالات میں بند کر دو۔ (کانسٹبل رسی باندھتا ہے)

مسافر۔ (قہقہہ لگا کر) مجھے میاں! ہر فرعون نے راموسیٰ۔

لڑکا۔ (مسافر سے) بیوقوف! سانچ کو آنچ کہاں کیا تیرے الزام لگانے سے میں چور بن سکتا ہوں۔ (دل میں) کسی طرح ایک بار بانسری پھر بجاؤں۔ اور اسے مزا چکھاؤں۔ (کوتوال سے) جناب میری ایک عرض ہے۔

کوتوال۔ میں پوچھنے والا ہی تھا۔ کہو؟

لڑکا۔ میں ایک مرتبہ بانسری بجانا چاہتا ہوں۔

مسافر۔ (خوشامدانہ لہجے میں) حضور نہیں! خدا کے واسطے رحم کیجئے۔ بانسری بجانے کی اجازت نہ دیجئے۔

کوتوال۔ (کچھ سوچ کر) کوئی ہرج نہیں بجاؤ۔

(لڑکا بانسری بجاتا ہے۔ اور سب ناچنے لگتے ہیں)

کوتوال۔ بند کرو۔ اگر تم بند کر دو تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔

(لڑکا بانسری بجانا بند کر دیتا ہے۔ کانسٹبل رسی کھول دیتا ہے اور کوتوال ہانپتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے)

لڑکا۔ (مسافر سے) بولو۔ یہ اشرفیوں کا توڑا تمھیں کہاں سے ملا؟ سچ بتاؤ ورنہ میں ...... پھر بجاتا ہوں۔

مسافر۔ نہیں! نہیں!! اب نہ بجانا۔ میں نے یہ ایک رئیس کے ہاں سے چرایا ہے۔

کوتوال۔ (کانسٹبل سے) گرفتار کر لو اس موذی کو لڑکے ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ کہ تم نے ایک سچی بات کا سراغ لگانے میں مدد دی۔

لڑکا۔ جناب! یہ اس بانسری کی برکت ہے۔ اور سچ پوچھئے تو یہ اُن پیسوں کی برکت ہے۔ جو میں نے خیرات کئے تھے۔

(کوتوال، کانسٹبل مسافر کو لے جاتے ہیں اور وہی بڈھا فقیر آتا ہے۔ دونوں گاتے ہیں۔)

دے دے خدا کی راہ میں بابا! ہمت ہے گر دینے کی
چاہے اگر تو مانگ لے اس سے ؛ ہمت ہے گر لینے کی
دیدے خدا کی راہ میں ....

لطیفے

ہم پیام تعلیم میں ہر مہینے ایک صفحہ لطیفوں کے لئے خاص کر دینا چاہتے ہیں۔ اور یہ انتظام مستقل رہیگا۔ بچے اچھے اچھے لطیفے چن کر بھیجیں۔ جس بچے کے لطیفے سب سے اچھے ہوں گے وہ پیام تعلیم میں شایع کئے جائیں گے۔ اور اُسے اچھا سا انعام بھی دیا جائے گا۔ جون کے پرچے کے لئے اچھے اچھے لطیفے بھیج دو۔

(ایڈیٹر)

ایجادوں کی کہانی

(از جناب مرزا سیفی دہلوی)

اس سے پہلے ہم تمہیں مسلمان بادشاہوں کی چند دلچسپ باتوں کا حال سنا چکے ہیں۔ آج ایک اور مفید اور دلچسپ مضمون ایجادوں کی کہانی بھی سنو۔ اس کہانی کے پڑھنے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ ہر کام کی طرح کسی چیز کی ایجاد یا دریافت میں بھی علم، ارادے، ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے، کولمبس میں اگر ہمت اور ارادہ نہ ہوتا تو وہ نئی دنیا (امریکہ) کو کبھی دریافت نہ کر سکتا تھا۔ درختوں سے پھل ہمیشہ ہی گرتے ہیں اور ہم تم روز سیب یا دوسرے پھلوں کو زمین پر گرتے دیکھتے ہیں کبھی اس طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔ اسحاق نیوٹن بھی اگر عالم فلسفی اور سائنسدان نہ ہوتا تو اس کے دل میں کبھی وہ خیال نہ پیدا ہوتا۔ جس نے علم کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اسی طرح دوسری ایجادوں کا حال ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض عجیب وغریب باتیں اس طرح ایکایکی معلوم یا دریافت ہو جاتی ہیں کہ پہلے سے اُن کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اُن کو سمجھنا۔ اُن سے کام لینا۔ اور اُن کے ذریعے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا، بغیر علم، عقل اور تجربہ کے کس طرح ممکن ہو۔ اچھا آؤ اب دلی کے مرزا سیفی صاحب کی زبانی یہ دلچسپ کہانی سنو! (ایڈیٹر)

(۱) تم نے اپنے اسکول کی کسی کتاب میں پڑھا ہوگا۔ کہ یورپ والوں کو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے مدت سے ہندوستان جیسے دولتمند ملک کی تلاش تھی نہر سویز اس وقت تک کھلی نہ تھی، خشکی کے راستے بہت دشوار تھے۔ یورپ کا ایک مشہور جہازران کولمبس نامی اپنے چند ٹوٹے پھوٹے جہاز لے کر جنیوا (اٹلی) سے سیدھا مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا خیال تھا زمین گول تو ہے ہی، میں سیدھا مغرب کی طرف جانے سے ہندوستان پہنچ جاؤں گا لیکن اتفاق کی بات وہ دو مہینے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو ہندوستان کی بجائے، ایک بالکل نئی سرزمین (امریکہ) پر جا اُترا۔ جس کے نام سے بھی پرانی دنیا والے اس وقت تک بے خبر تھے۔ آج اسی امریکہ سے ہزاروں من سونا کھود کر نکالا جا چکا ہے۔ اور وہی امریکہ آج دنیا کا سب سے دولتمند ملک شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سر اسحاق نیوٹن انگلستان کا ایک بہت بڑا سائنس داں اپنے باغیچہ میں بیٹھا تھا سامنے درخت میں سے ایک سیب ٹوٹ کر زمین پر آن پڑا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ سیب درخت سے ٹوٹ کر زمین پر کیوں گرا؟ آسمان پر یا اِدھر اُدھر کیوں نہ چلا گیا ضرور زمین میں کوئی ایسی طاقت ہے کہ ہر چیز کو اپنی ہی طرف کھینچ لیتی ہے۔ سوچتے سوچتے اور بہت سے تجربے کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ زمین کے علاوہ چاند سورج اور ستارے سب اسی آپس کی کھینچ تان[1] کی بدولت اپنا اپنا مقررہ کام انجام دے رہے ہیں۔ جس دن یہ کھینچ

[1] اسے اصطلاح میں کشش ثقل کہتے ہیں

کی طاقت ان سے چھین لی گئی۔ اسی دن ساری دنیا لوٹ پوٹ ہو جائے گی۔ کبھی کبھی تم نے کوئی تارا ٹوٹ کر گرتے دیکھا ہوگا۔ غالباً اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کھینچنے کی قوت کمزور پڑ گئی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر زمین کی طرف کھنچ آیا۔

(۳) یونان کے کسی بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک تاج خالص سونے کا بنوایا تھا۔ جب وہ بن کر تیار ہو گیا۔ تو بادشاہ کو شبہ ہوا کہ جتنا سونا دیا گیا تھا اتنا ہی اس تاج میں موجود ہے یا کچھ کم۔ اس بات کی تحقیق کے لئے اپنے تمام امیروں وزیروں کو جمع کیا۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ بات کس طرح معلوم کی جائے سب اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ سب سے بڑا عقلمند حکیم ارشمیدس نامی ایک روز حمام میں غسل کرنے گیا۔ وہاں حوض میں اُسے سونے کے آبخورے (کٹورے) پانی پر تیرتے دکھائی دیئے۔ جن کا کچھ حصہ پانی کے اندر ڈوبا ہوا تھا۔ اور کچھ اوپر تیر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر تاج کا اصلی سونا معلوم کرنے کی تدبیر اس کی سمجھ میں آ گئی۔ کہتے ہیں یہ بات معلوم ہوتے ہی خوشی میں وہ ایسا بے خود ہوا کہ بے تحاشا حمام سے "میں نے پالیا۔ میں نے پالیا" کہتا ہوا ننگا باہر چلا آیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ اس نے پہلے تاج میں پانی بھر کر دیکھا، اب جتنا پانی اس تاج میں سمایا تھا اس کا وزن معلوم کیا تو تاج کے اصلی وزن کے برابر تھا، بس اس دن سے "وزن مخصوص" معلوم کرنے کا طریقہ دریافت ہو گیا۔

(۴) شیشے اور کانچ کے ہزار ہا قسم کے برتنوں، جھاڑ فانوس وغیرہ کا کچھ دنوں پہلے کوئی نام بھی نہ جانتا تھا اتفاق کی بات اہل فونیشیا کے ایک قافلے نے رات کے وقت ایک جنگل میں پڑاؤ کیا۔ کھانا پکانے اور سردی سے بچاؤ کے لئے آگ سلگائی۔ صبح کو چلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس جگہ انھوں نے رات بھر آگ جلائی تھی۔ وہاں زمین پر کانچ کے بڑے بڑے ٹکڑے سورج کی روشنی میں پڑے چمک رہے تھے۔ معلوم ہوا اس زمین میں کانچ کے ذرے تھے جو آگ کی گرمی سے پگھل کر کانچ کی شکل میں جم گئے۔ وہ لوگ ان ٹکڑوں کو تحفہ سمجھ کر اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اسی دن سے دنیا کانچ یا شیشہ کے نام سے واقف ہو گئی۔ پھر کیا تھا۔ آہستہ آہستہ ہر جگہ شیش محلوں میں آئینہ بندی ہونے لگی۔ اور اور ہزاروں قسم کے ڈاکٹری اوزار اور دوسری آرائش کی چیزیں روزانہ ڈھلنے لگیں۔

(۵) ایک روز کا اتفاق سنئے۔ کسی تھیٹر کا منیجر بہت رات گئے اپنے دفتر میں بیٹھا۔ دوسرے روز شہر میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ اشتہار وغیرہ لکھ رہا تھا اس کے کمرہ کی کھڑکی میں سے ہوا کا جھونکا آیا۔ جس سے ایک کاغذ اڑ کر پانی کے ٹب میں جا پڑا۔ منیجر اپنا کام ختم کر کے اٹھا۔ کمرہ کی کھڑکی بند کی، پانی میں سے کاغذ اٹھایا، میز پر جاذب بچھا تھا۔ اس پر گیلے کاغذ کو رکھ کر اوپر سے استرہ تیز کرنے کا پتھر رکھ دیا۔ تاکہ دوبارہ ہوا میں نہ اڑے اور لیمپ گل کر کے اطمینان سے سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ اس کے لکھے ہوئے اشتہار کے حروف پتھر پر بجنسہٖ موجود تھے۔ اور روشنائی لگنے سے دوسرے کاغذ پر ویسے ہی اتر آئے تھے۔ یہ معلوم کر کے منیجر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اُسے اپنے ٹکٹوں اور اشتہاروں وغیرہ کے لکھنے اور چھاپنے میں بہت محنت کرنی پڑتی تھی لو صاحب — اب مسٹر سینی فیلڈر نے لیتھو یا پتھر کا چھاپہ

بھی ایجاد کرلیا۔ یہ ۱۴۵۰ء کی بات ہے۔ اس سے پہلے لکڑی اور سیسہ کے حرفوں سے چھاپنے کا طریقہ ۱۴۳۸ء سے جاری تھا آج لاکھوں کتابیں دنیا میں اس چھاپہ کے طفیل محفوظ ہیں اور لوگ اس صنعت کی بدولت کروڑوں روپیہ کما کر مالامال ہورہے ہیں۔

(۶) ایک اور صاحبزادے کی کہانی تم نے اپنی اُردو کی کتاب میں پڑھی ہوگی۔ ان کا نام تھا جارج اسٹیفن۔ یہ قوم کے لوہار یا خدا معلوم کیا تھے۔ مگر بچپن سے انہیں مشینوں کے کل پرزے درست کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ بھی ایک رات اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھے چاء کے واسطے پانی گرم کررہے تھے۔ اتفاقاً پانی ضرورت سے زیادہ کھول گیا۔ اور کیتلی کا ڈھکنا بھاپ کے زور میں اُچھل اُچھل کر اوپر ہوا میں ناچنے اور گر گر پڑنے لگا۔ پہلے پہل یہ صاحبزادے بھی ڈر کر اُچھل پڑے اور سمجھے کہ کمرے میں کوئی بھوت گھس آیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ بات اُن کی سمجھ میں آگئی کہ کمرے میں ان کے سوا اور کوئی بھوت نہیں۔ اور یہ صرف بھاپ کی طاقت کا کرشمہ ہے۔ پھر کیا تھا اب تو انھوں نے بھاپ کے بھوت کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اسی بھوت نے ایک طرف پانی پر دُخانی جہاز اور دوسری طرف خشکی پر بہت سی مشینیں جاری کردیں۔ ان ہی جارج اسٹیفن نے اپنی انجنیری کے کمال سے ۱۸۱۴ء میں ریلوے انجن بنا کر کھڑا کر دیا۔ بلکہ ۱۸۳۰ء میں میلوں تک ریل بھی دوڑا دی۔ اور اس غیر معمولی بھوت کو قبضہ میں کرنے کے طفیل بہت دولت بھی جمع کرلی۔

(۷) ایک اور صاحب کی سنئے۔ یہ بھی ایک روز رات کو کمرہ بند کئے انگیٹھی کے پاس اکیلے بیٹھے تاپ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی ایک قمیص انگیٹھی کے اوپر کھونٹی پر ٹنگی تھی آستین میں جو انگیٹھی کی گیس بھری۔ تو وہ کمرے میں چکر لگانے لگی۔ اوّل اوّل یہ بھی بڑے چکر میں آئے۔ کہ کھڑکیاں سب بند ہیں۔ نام کو ہوا کا گذر نہیں۔ پھر میری قمیص پر یہ کس جن نے قبضہ کرلیا۔ سوچتے سوچتے آخر کچھ سمجھ میں آگیا۔ اب کیا تھا۔ چلو حضرت انسان کو بھی چیل کوؤں کی طرح آسمان پر اُڑنے کی سوجھنے لگی۔ تو صاحب پہلے محض غبارے ہی ہوا میں اُڑا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بیلون بننے لگے۔ کل کی بات ہے کہ جنگ عظیم میں زپلن صاحب نے وہ اودھم مچائی کہ خدا کی پناہ۔ آج جدھر دیکھو ہوائی جہازوں کی دوڑیں ہیں اور ہوائی مقابلہ۔ جگہ جگہ ہوائی ڈاک کے اسٹیشن بن رہے ہیں

(۸) امریکہ میں تھامس اڈیسن کا نام آج بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ انھوں نے ابھی چند سال ہوئے قریب قریب ۹۰ برس کی عمر میں انتقال کیا ہے۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے موجد شمار کئے جاتے ہیں۔ بجلی اور بجلی کے متعلق بہت سی ایجادیں انھوں نے کر ڈالیں۔ زمانۂ حال کی ایک سو سے اوپر ایجادوں کا سہرا ان کے سر ہے۔ اور اپنی ان ہی ایجادوں کی بدولت وہ امریکہ میں کروڑپتی بن گئے۔ بجلی کے دیو کو قبضے میں لانے کا خیال بھی اول اول عجیب اتفاق سے پیدا ہوا تھا۔ کوئی صاحب بہت لمبی پتنگ اڑا رہے تھے۔ یکایک ان کی پتنگ بادلوں میں پھنس گئی۔ اور انہیں اپنے ہاتھ کے پاس دو تین مرتبہ ڈور پر بجلی سی دوڑتی ہوئی معلوم ہوئی بس پھر کیا تھا۔ بجلی بنانے اسے قبضہ میں رکھنے اور اس سے طرح طرح کے کام لینے کے متعلق تجربے شروع ہوگئے بجلی کی روشنی، بجلی کے پنکھے، ٹیلیفون، ٹیلیگراف (تاربرقی)

وائرلیس ٹیلیگراف (لاسلکی) ریڈیو، فوٹوگرافی، سینما، ٹاکی (بولتا فلم) وغیرہ جیسی مشہور و معروف ایجادیں آڈیسن صاحب کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں۔ ٹڈے کو دیکھکر ساؤنڈ بکس «درگراموفون کی ایجاد کا خیال بھی آپ ہی جیسے بیدار مغز شخص کا کام تھا۔ ٹڈا اُس چھلی منڈھے ہوئے کھلونے کو کہتے ہیں جس میں تانت باندھ کر دوسرا سرا سرکنڈے پر گھمانے سے مینڈک کے ٹرانے کی سی آواز نکلتی ہے۔ بعد میں لاؤڈ اسپیکر یا آلۂ صوت بھی اسی اصول کو سامنے رکھکر بنایا گیا ہے۔ غرض ان میں سے ہر ایک ایجاد کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔

(۹) ایجادوں کا کام کچھ یورپ و امریکہ والوں ہی پر ختم نہیں۔ کسی زمانہ میں ہندوستان اور عرب والوں نے بھی بہت سی ایجادیں کر ڈالی تھیں۔ بارود خاص عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ اس سے وہ پہاڑوں اور سرنگوں کے اڑانے میں مدد لیتے تھے۔ بھنگ بھی عربوں کی دریافت ہے۔ اسے عربی میں حشیش کہتے ہیں، اور سب سے پہلے اس کا اثر حسن بن صباح نے اپنے مریدوں پر آزمایا تھا۔ اس لئے اس فرقے والوں کو "حشیشین" کہنے لگے۔ بعد میں طبیب و جراح علاج میں سہولت کے لئے اپنے مریضوں کو دینے لگے جس طرح آجکل ڈاکٹر شراب استعمال کراتے ہیں۔

(۱۰) اسی طرح ہندوستان میں بھی اکثر ایجادیں ہوئی تھیں۔ بھلا نورجہاں بیگم کا نام کس نے نہ سنا ہوگا۔ یہ اکبر بادشاہ کے اکلوتے بیٹے نورالدین جہانگیر بادشاہ کی چہیتی ملکہ تھی۔ کہتے ہیں گلاب کا عطر اس کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ بات یہ تھی کہ شاہی حمام میں خوشبو کے لئے گلاب کے پھولوں سے حوض کو بھر کر گرم پانی سمویا جاتا تھا۔ ایک روز اتفاق سے ملکہ کو حوض کے پانی پر ایک قسم کی چکنائی سی تیرتی ہوئی نظر آئی، سونگھ کر دیکھا تو اس میں گلاب کے پھولوں کی خوشبو مہک رہی تھی، خیال کا آنا تھا کہ اسی وقت حکم دے دیا آج سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظل سلطانی کے لئے گلاب کا عطر کھینچا جایا کرے۔" بس پھر کیا تھا سینکڑوں من گلاب کے پھولوں کا عطر روزانہ کھنچنے لگا۔ گویا دیکھتے دیکھتے عطر کا ایک زبردست کارخانہ قائم ہوگیا۔ اور اسی بہانے ہزاروں خدا کے بندے پلنے اور مالا مال ہونے لگے۔

پیارے بچو! تم یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا میں ایجادوں کا سلسلہ اب بند ہوگیا۔ نہیں علم کا سمندر بے تھاہ ہے۔ جتنا اس میں غور کرو اور غوطے لگاؤ اتنا ہی اسے وسیع پاؤ گے۔ سر اسحاق نیوٹن جیسا عالم فاضل بھی آخر میں کہہ اٹھا کہ علم الٰہی کے سامنے میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے بیٹھا کنکریوں سے کھیلتا ہو۔ تم نے سنا ہوگا اسی جنگ عظیم میں جرمنی نے ایسا ایسا عجیب و غریب سامان جنگ تیار کیا کہ دنیا حیرت میں رہ گئی۔ معمولی سی بات ہے کہ زمانہ جنگ میں سمندری راستے بند ہونے کے سبب ہندوستان اور جاوا وغیرہ سے شکر جانا بند ہوگئی تو سنا جرمنی نے فوراً چقندر وغیرہ سے قند تیار کرلی۔

تم نے دیکھ لیا کہ لوگ بطخوں کے پنجے اور پروں کو دیکھ کر کشتیوں کے چپو اور بادبان بنا سکتے ہیں۔ مچھلی کو دیکھ کر آبدوز کشتیاں تیار کر سکتے ہیں۔ چیل کوؤں کو دیکھ کر ہوائی جہاز اور ٹڈے کو دیکھکر گراموفون ایجاد کر سکتے ہیں، پھر کیا وجہ کہ تم اپنی عقل سے کام لے کر کوئی نئی یا پرانی چیز نہ بنا سکو کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔

کسان

محمد ظہور الحق صاحب معلم ابتدائی پنجم تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی



تم نے کسان کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ تم میں سے جو گاؤں میں رہتے ہیں وہ تو کسان کو خوب جانتے ہوں گے کسی کسان سے اُن کی جان پہچان بھی ہوگی ہمارے ملک میں کسان بہت زیادہ رہتے ہیں۔ بہت سے آدمیوں نے بتایا ہے کہ ان کھیت میں کام کرنے والوں کی تعداد ۱۰۰ میں سے ۸۰ ہے۔ اور باقی ۲۰ آدمی اور دوسرے کام کرتے ہیں۔

تم کہو گے ہیں ان باتوں سے کیا مطلب کسان کوئی قطب صاحب کی لاٹ تو ہے نہیں کہ اس کو دیکھنے اور اس کی باتیں سننے کو جی چاہے

ہاں بچو! بالکل ایسی ہی بات ہے۔ کسان

قطب صاحب کی لاٹ نہیں۔ نہ اُس کی باتیں سننے میں کوئی مزا آتا ہے اور نہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے پھر بھی وہ کام کا آدمی ہے، اسی لئے ہم اس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

تم کسان کا کام تو جانتے ہی ہوگے۔ صبح شام دونوں وقت تم اس کی محنت کا پھل چکھتے ہو یہ غلّے، یہ دالیں، یہ ترکاریاں، سب اسی کی محنت سے تو پیدا ہوتی ہیں۔ اور تم ان سے اپنے لئے مزے مزے کے کھانے پکاتے ہو، تم کہوگے کہ یہ سب چیزیں تو ہمارے ابا جان یا بھائی صاحب بازار سے خرید لاتے ہیں ٹھیک ہے۔ مگر بازار میں کہاں سے آتی ہیں، دوکانوں میں تو پیدا نہیں ہوتیں، کھیت ہی سے آتی ہیں۔ کسان محنت کرکے جو کچھ پیدا کرتا ہے وہ بازار میں لاکر دوکانداروں کے ہاتھ مہنگا سستا بیچ جاتا ہے۔ اور پھر دوکاندار ہمارے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ ہم اُن سے کھانے پکاتے ہیں، اچھی اچھی مٹھائیاں بناتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم انہی چیزوں کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں اگر ہمیں ایک وقت بھی روٹی نہ ملے تو دن میں تارے نظر آجائیں۔

مگر تمہیں یہ سُن کر تعجب ہوگا۔ کہ یہ کسان جو ہمارے لئے اتنی محنت کرتا ہے، ہماری زندگی کا سہارا بنتا ہے، خود بڑی تکلیف میں رہتا ہے، نہ تو اُس کے پاس ہماری طرح بڑے بڑے مکان ہوتے ہیں۔ نہ ہماری طرح اس کے پاس اچھے اچھے کپڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ تو بڑی چیزیں ہیں اُسے پیٹ بھر کھانے کو بھی نہیں ملتا، اُس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہوتی ہے۔ اُسی میں وہ خود رہتا ہے اپنے بیوی بچوں کو رکھتا ہے۔ اور اُسی میں اپنے گائے بیل بھی باندھ لیتا ہے۔ بے چارے کے پاس بستر تو کہاں سے آیا۔ چارپائی تک نہیں ہوتی۔ موٹے کھدر کی ایک میلی سی چادر ہوتی ہے۔ اُسی کو بچھا لیتا ہے۔ سردی کے وقت اُسی کو اوڑھ بھی لیتا ہے۔ ہمارے ایک استاد نے ایک کسان کے گھر کا حال ہمیں سنایا تھا، کہتے تھے "ایک دفعہ میں ایک گاؤں میں گیا ہوا تھا۔ رات کو ایک کسان کے گھر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، کسان ہوتا تو غریب ہے۔ مگر مہمان کی خاطر بہت کرتا ہے۔ خود تو خیر زمین پر سوتا تھا، مگر

میرے لئے کہیں سے ایک چارپائی مانگ لایا۔ اُسی جھونپڑی میں ایک طرف کو میں بھی چارپائی پر لیٹ رہا۔ رات کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا کسان اپنی چادر میں لپٹا زمین پر پڑا ہے۔ اُسی کے آس پاس اُس کے بیوی بچے بھی لیٹے ہیں۔ قریب ہی مجھے کچھ "سوں سوں" کی آواز آئی، پلٹ کر دیکھا تو میری چارپائی کے پاس ہی ایک بیل بھی بندھا تھا۔ مجھے یہ دیکھکر بہت ہی افسوس ہوا۔

سردیوں کا زمانہ تو اُس کے لئے بہت ہی تکلیف کا زمانہ ہوتا ہے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے جن کے گلوں میں کُرتا تک نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو پھٹا پرانا، میلا کچیلا، سردیوں کے دنوں میں اِدھر سے اُدھر ٹھٹھرتے پھرتے ہیں۔ بارہ مہینے بیمار رہتے ہیں۔ غریب کسان کے پاس پیسے کہاں سے آئیں کہ اپنے بچوں کی دوا دارو کرے اور اگر کبھی کسان ہی خود بیمار پڑ جائے تو پھر گھر کا خدا ہی حافظ۔

اب تم کسان کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے، اُس کی مصیبتوں کا حال سن کر تمہیں اس سے ہمدردی بھی پیدا ہوگئی ہوگی۔ اگر ہمیں موقع ملا تو ہم تمھیں بتائیں گے کہ کسان کی حالت ایسی کیوں ہے؟ تم بھی اس پر غور کرنا، ہم بھی سوچیں گے۔

کبوتروں کے کرتب

از جناب سید نصیر احمد صاحب بی، اے (جامعی)

تم نے طرح طرح کے کھیل تماشے دیکھے ہوں گے، روپے یا پیسے سے کئی روپے بنانا۔ خالی ٹوکری سے کبوتر یا کوئی اور جانور نکالنا۔ تاش کے پتوں سے طرح طرح کے کھیل۔ جادوگر تو ایسے ایسے تماشے دکھاتے ہیں۔ کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے، پھر جانور بھی مختلف کرتب دکھاتے ہیں، اُن کو ایسی اچھی طرح سے تمام باتیں سکھائی جاتی ہیں کہ کبھی غلطی نہیں کرتے۔ ریچھ بائسکل کی سواری کرتا ہے۔ بندر موٹر چلاتا ہے، ہاتھی لکھنوی اور ہر قسم کے سلام کرتا ہے۔ یہ سب کرتب دیکھ کر سچ مچ عقل حیران رہ جاتی ہے، لیکن کل ہی میں نے طوطوں کے ایسے کرتب دیکھے ہیں کہ واہ واہ پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے میں سب حالات لکھتا ہوں۔

میں، میرے بہت سے بزرگ اور ساتھی ایک جگہ جمع تھے، باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک آدمی وہاں آیا، اُس کے پاس ایک پنجرہ تھا اُس میں چار پانچ طوطے تھے، اور ایک کبوتر! اُس نے کہا "بابو صاحب میں اپنے طوطوں کے کرتب دکھانا چاہتا ہوں"، ہم نے سوچا یوں ہی وقت ضائع ہوگا۔ اس لئے اُس سے کہدیا "میاں اس وقت جاؤ پھر دیکھا جائے گا"۔ لیکن اُس نے پھر کہا آپ دیکھئے تو سہی۔ طوطے ایسے ایسے تماشے دکھائیں گے کہ طبیعت خوش ہو جائے گی، خیر اس کے اصرار پر ہم مان گئے۔ اس نے ایک بڑا سا کپڑا فرش پر بچھایا۔ ایک طرف دروازہ کھول کر پنجرہ رکھ دیا، دوسری طرف خود بیٹھ گیا، اور ایک تھیلا اپنے پاس رکھ لیا۔ سارا انتظام کرنے کے بعد اُس نے تاش نکالا۔ اور پتے کپڑے پر بکھیر دیئے

پھر وہ اٹھا اور کچھ اشارہ کیا، ایک طوطا پنجرے سے باہر آگیا۔ اُس نے کہا اے سبز طوطے پان کی ڈگی لے آؤ، طوطے نے پتے اُلٹ پُلٹ کئے اور پان کی ڈگی لے آیا۔ اس نے پھر کہا پھول کا بادشاہ لاؤ، چنانچہ وہ پھول کا بادشاہ لے آیا۔ ہمیں بہت ہی تعجب ہوا، اس آدمی نے ہم سے کہا شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ میں نے پتوں پر خاص نشان لگا رکھے ہیں، آپ خود ہی کوئی پتا اس سے منگوائیے، چنانچہ ہم نے جو جو پتا منگوایا طوطا وہی اٹھا لایا، ہم نے پھر اس آدمی کے کہنے پر چپکے سے ایک پتے پر نشان لگا کر اُسے دوسرے پتوں میں ملا دیا، ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب طوطا چند منٹ کے بعد وہی پتا ڈھونڈھ لایا۔ اس کے بعد اس آدمی نے تاش تو اٹھا لیا اور بہت سے دھیلے، پیسے، اکنیاں، اور روپے وغیرہ فرش پر ڈال دیئے۔ اب کے ایک دوسرا طوطا پنجرہ سے باہر آیا۔ اُس آدمی نے کہا پیسہ اٹھا لاؤ۔ طوطا پیسہ لے آیا۔ اُس نے کہا دونی لاؤ، وہ دونی لے آیا۔ اُس نے ہم سے کہا بابو صاحب اس سے کسی خاص سال کا سکہ لانے کے لئے کہئے۔ ہم میں سے ایک صاحب نے کہا کہ سنہ ۱۹۲۰ء کی اکنی لے آؤ، چنانچہ طوطا چند منٹ کی تلاش کے بعد اکنی ہمارے پاس لے آیا، پھر اس نے کھرے اور کھوٹے سکے الگ الگ کئے اسی صفائی سے جیسے کوئی بڑا ماہر ہو،

اس کے بعد ایک چھلا نکالا گیا، اس کی گولائی ۲½ انچ ہوگی۔ اس آدمی نے زمین پر چھلا رکھ دیا اور کہا نکلو میرے پہلوان، پنجرے سے ایک طوطا نکلا، دبلا پتلا، بہت سے پر بھی ندارد، اس پہلوان کو دیکھ کر ہمیں بے اختیار ہنسی آگئی، صاحب وہ چھلے سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہوگیا، پھر اُڑا اور چھلے میں سے نہایت صفائی سے گذر گیا، پھر الٹا سیدھا اور بل کھا کر مختلف طریقوں سے چھلے میں سے گذرا، اور جب اس کا کام ختم ہوگیا تو پنجرے میں واپس چلا گیا۔

اب اس آدمی نے تھیلے سے ایک چھوٹا سا تانگہ نکالا، گھوڑے کی جگہ میاں کبوتر جوڑے گئے اس آدمی نے آوازیں لگانا شروع کیں" کوئی

سواری ہے دہلی دروازہ کی اکبری دروازہ کی"۔ جب اس نے دو تین مرتبہ یہ آوازیں لگائیں تو ایک طوطا بڑی سنجیدگی سے پنجرے میں سے باہر آیا اور تانگے پر بیٹھ گیا، اس آدمی نے پھر یہ آواز لگائی ایک سواری چاہیئے اسٹیشن کی" اس پر دوسرا طوطا پنجرے میں سے نکلا اور تانگے میں بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی کبوتر نے دوڑنا شروع کیا۔ اور اس پنڈے کے تین چار چکر کاٹے، جب وہ کھڑا ہو گیا تو طوطے پنجرے میں واپس چلے گئے، ہمیں اتنا لطف آیا اور اتنا تعجب ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

طوطوں کا سدھانا بہت مشکل ہے یہ لفظ اور جملے تو رٹ لیتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں سنا تھا کہ وہ ایسے ایسے حیرت میں ڈالنے والے کمال بھی دکھا سکتے ہیں۔ اس آدمی نے نہ معلوم ان پر کتنی محنت اور وقت صرف کیا ہوگا۔ سچ ہے محنت اور ہمت سے سب کچھ ہو سکتا ہے،


بچہ:- اماں اماں دیکھو وہ آدمی گھوڑا بنا رہا ہے۔ سب کچھ بنا چکا اور
اب پیروں میں کیلیں ٹھونک رہا ہے۔

سڑک پر مت چلو

(ازجناب اویس احمد صاحب ادیب ایم، اے، بی، اے آنرز)

ماں:۔ احمد بیٹے! سڑک پر نہیں چلا کرتے آؤ ہمارے ساتھ پٹڑی پر آجاؤ۔

احمد:۔ کیوں امی جان اس میں کیا حرج ہے

ماں:۔ حرج تو بہت کچھ ہے خدا نہ کرے اگر موٹر یا گاڑی کے نیچے آگئے۔ تو بس کچل کے رہ جاؤ گے۔

احمد:۔ امی جان اس وقت تو سڑک خالی پڑی ہے۔ دیکھو گاڑی یا موٹر کا کہیں دور تک پتہ نہیں۔

ماں:۔ ہاں اس وقت نہیں۔ مگر تمہیں معلوم ہے کہ موٹر کتنی تیز سواری ہے دم بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ تم تو خیر ابھی کس شمار میں ہو تیز سے تیز دوڑنے والے مرد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اچھا ادھر آجاؤ کہیں موٹر نہ آتی ہو۔

رشیدہ:۔ اچھا بھیا۔ پٹڑی پر آجاؤ نا! دیکھو یہاں کسی طرح کا ڈر نہیں،

احمد:۔ ابھی آیا آپا جان (پٹڑی پر آجاتا ہے) اچھا میں یہاں اپنی گیند سے کھیلتا چلوں!

ماں:۔ نہیں میرے لال! یہ جگہ کھیلنے کی ہے؟

احمد:۔ کیوں؟

ماں:۔ تم گیند کو اچھالو گے یا اسے زمین پر مارو گے تو وہ اچک کر سڑک پر چلی جائے گی۔

احمد:۔ تو میں اسے دوڑ کر اٹھا لاؤں گا۔

رشیدہ:۔ اور اگر اتنے میں موٹر آگئی تو دب کر رہ جاؤ گے

ماں:۔ اور کیا! میں بھی اسی لئے منع کرتی ہوں۔ (ایک موٹر تیزی سے گزرتی ہے) دیکھا تم نے یہ موٹر کتنی جلدی یہاں آئی۔ وہ پہنچی۔ ارے وہ غائب! تم سڑک پر ہوتے تو اتنی جلدی اور اس قدر تیز بھاگ کر بچ سکتے تھے؟

احمد:۔ میں پٹڑی کو اب بھی پسند نہیں کرتا وہ چوڑی تو ہے نہیں!

ماں:۔ بے شک چوڑی نہیں مگر خطرناک بھی نہیں ہے۔ سڑک چوڑی ضرور ہے مگر خطرناک بھی بہت زیادہ ہے۔ بیٹا! میری اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا سڑک پر کبھی نہ چلنا!

مختلف ملکوں کے بچّے

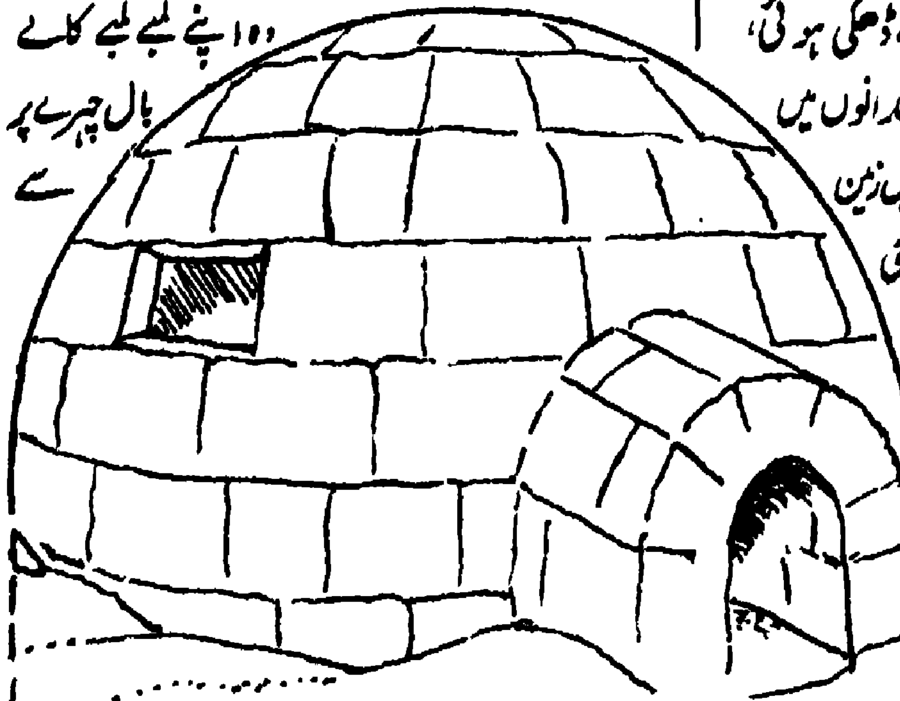
ننّھا کاک

(محمد حسین حسّان)



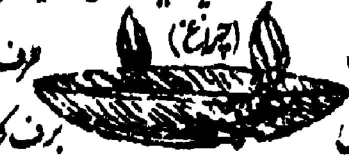
ننّھا کاک دور! بہت دور! قطب شمالی یعنی اسکیمو لینڈ میں رہتا ہے یہ عجیب و غریب ملک ہے۔ جدھر دیکھو برف ہی برف پہاڑ بھی بالکل سفید روئی کا گالا۔ ان پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں بھی برف سے ڈھکی ہوئی، میدانوں میں کہیں زمین نظر نہیں آتی جہاں کہیں ہوا سے برف پگھل گئی ہے۔ وہاں بھی کوئی دو تین فٹ نیچے سفید کائی سی دکھائی دیتی ہے۔ دریا جمے ہوئے سمندر دور تک برف سے ڈھکا ہوا، اسکیمو لینڈ میں یہ حالت ہر جگہ کوئی چھ مہینے سے زیادہ رہتی ہے۔ لیکن موسم بہار کے مختصر زمانے میں برف تھوڑا سا پگھل جاتا ہے۔ اور پھول اور گھاس کو نیچے سے سر اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اچھا آؤ ذرا کاک کا جاڑوں کا گھر تو دیکھیں۔ یہ کچھ ایسا زیادہ اونچا نہیں ہوتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے برف کی بہت بڑی آدھی گنبد بنائی ہو۔ یا پیالہ اُلٹ دیا ہو کاک کے ماں باپ نے برف کی سلیں کاٹ کر اور انھیں جوڑ کر بنایا ہے۔ گھر کے سامنے کاک کے بھائی بہن اپنے چاروں جھبرے کتّوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ وہ خوب ہنس رہے ہیں۔ شور مچا رہے ہیں۔ برف پر ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے موٹے موٹے اونی کپڑوں میں سے مُنہ نکالے جھانک رہے ہیں اُن کے چہرے زرد ہیں اور جب وہ اپنے لمبے لمبے کالے بال چہرے پر سے



ہٹاتے اور پیچھے لٹکاتے ہیں تو اُن کے موتی جیسے سفید دانت بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اسکیمو لوگ بہت ہنس مکھ اور زندہ دل ہیں۔ خوب ہنستے رہتے ہیں۔

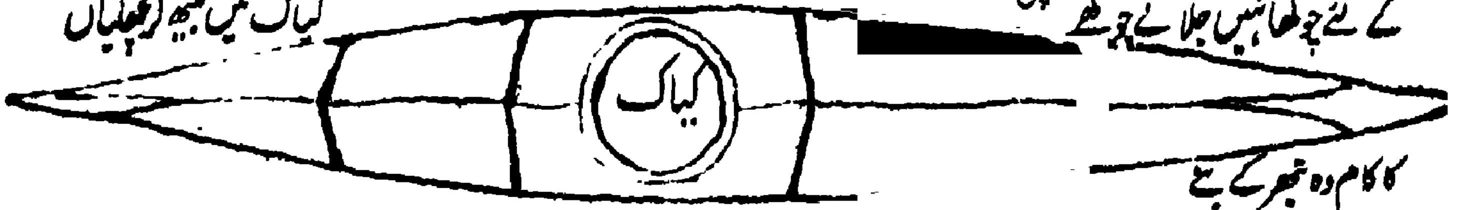
اب اتنے قریب آ گئے ہیں تو آؤ ذرا اندر سے بھی کاک کا گھر دیکھ لیں۔ ہمیں ایک نیچی سرنگ میں گھٹنوں کے بل چلنا ہو یہی دروازہ ہے۔ بھئی واہ کیا عجیب گھر ہے۔ جیسے ہم مرغی کے بہت بڑے انڈے کے آدھے چھلکے میں ہوں۔ دیواریں اور فرش برف کے، ایک طرف لمبا سا چبوترہ نکلا ہوا، یہ بھی برف کا اس پر



سیل مچھلی اور ریچھ کی بہت نرم کھالیں، پڑی ہوئی۔ بس یہی اُن کا بستر ہے کاک اپنے گھر کو اگلو کہتا ہے۔



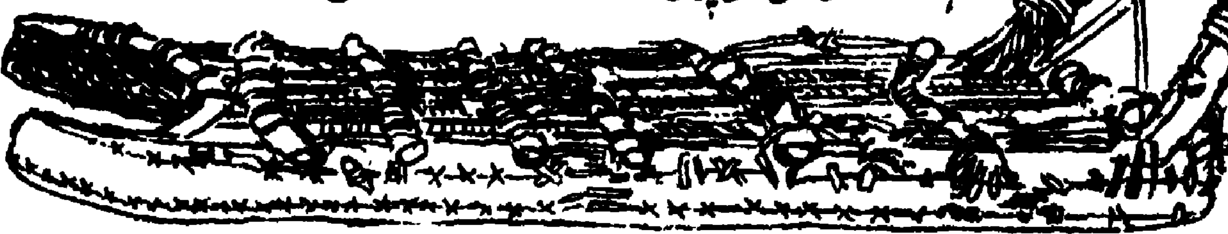
اسکیمو کھانا پکانے کے لئے چولھا نہیں جلاتے چولھے



کا کام وہ پتھر کے بنے ہوئے پیالے سے لیتے ہیں، اس میں سیل مچھلی کا تیل جلتا ہے، یہ چراغ، روشنی، کھانا پکانے اور گھر کو گرم رکھنے کے کام آتا ہے۔ کاک کی ماں اسی چراغ پر سیل کا شوربا پکا رہی ہے کاک کو یہ شوربا بہت پسند ہے، اُسے سیل کا گوشت اور چربی بھی بہت مرغوب ہے

چربی تمام اسکیمو قوم کو پسند ہے، چربی والا گوشت اُن کے جسم کو گرم رکھتا ہے، اسکیمو ریچھ، لومڑی، بھیڑیئے اور مچھوندر بھی کھاتے ہیں، کبھی کبھی اود بلاؤ اور جنگلی پرندے بھی پکڑ کر چٹ کر جاتے ہیں۔

کاک کو بہار کا موسم بہت پسند ہے۔ اس زمانے میں اسکیمو لینڈ کے بعض حصوں میں منقّے اور مختلف قسم کے بیر پائے جاتے ہیں اسکیمو انھیں خشک کر کے سردیوں کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ وہ سردیوں کے لئے مچھلی اور گوشت بھی سکھاتے ہیں، اس لئے کہ بہار کے موسم میں شکار بہت افراط سے مل جاتا ہے۔ کاک اور اس کے بھائی بہن اپنے ماں باپ کو شکار میں ہر طرح مدد دیتے ہیں۔ اس موسم میں یہ سیل کی کھال کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں، اسے گھر کو وہ ٹاپک کہتے ہیں۔ کاک اپنی چھوٹی سی کیاک میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑتا ہے، یہ اس کا من بھاتا مشغلہ ہے۔ جاڑوں میں وہ لمبی سلیج (برف پر چلنے والی بے پہیئے کی گاڑی)



پر بیٹھ کر برف کے میدانوں کا چکر لگاتے ہیں۔ یہ گاڑیاں کتے کھینچتے ہیں۔

ہمارا بچپن کا مشغلہ

(از محترمہ بیگم عبدالغنی صاحب)

اپنے بچپن کے زمانے میں ہم شہر کیمبل پور میں (جو پشاور سے کوئی ۴۵ میل ادھر ہے) رہتے تھے، مجھے اس زمانے میں باغبانی کا بہت شوق تھا۔ ہمارا امکان بھی ایسی زمین پر بنا تھا جہاں پہلے باغ لگا تھا۔ اس لئے یہ جگہ باغبانی کے لئے تھی بھی بہت مناسب میں نے پیاری اماں جان اور بھائی جان سے تقاضے کرکے گلاب، چنبیلی موتیا، گیندا، سورج مکھی، گل داؤدی، اور گلِ عباس وغیرہ کے بیج، پودے اور ٹہنیاں منگوائیں۔ پھر مالی کو بلوا کر زمین کھدوائی اور اپنی مرضی کے مطابق مختلف پھولوں کے لئے علٰیحدہ کیاریاں بنوائیں۔ ایک طرف چھوٹی سی کیاری باورچی خانے کی ضرورت کی چیزوں کے لئے خاص کردی، مثلاً ہرا دھنیا پودینہ، لال مرچ، ٹماٹر، لہسن پیاز وغیرہ۔

گلاب کے پودے میں یہ خاص بات ہے کہ اس کی ٹہنی کو تم زمین میں گاڑدو۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس میں جڑیں نکل آئیں گی۔ میں نے گلاب کی ٹہنی میں قلم لگا کر اُسے زمین میں گاڑ دیا۔ چنبیلی کے چھوٹے چھوٹے پودے مٹی سے ڈھکی ہوئی جڑوں سمیت لگائے گئے، گلِ عباس وغیرہ کے بیج بودئے گئے۔

باورچی خانے والی کیاری میں پودینے کی ٹہنی جڑ سمیت کنجڑے کے یہاں سے منگا کر زمین میں دبادی گئی۔ ہرے دھنیے (کشنیز) کے خشک بیجوں کو پہلے زمین پر خوب مسلا کہ اُن کے دو دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور پھر انھیں بو دیا گیا۔ لہسن کی گری موٹی طرف نیچے کرکے زمین میں گاڑ دی، پیاز کی گانٹھ کا استعمال کے قابل حصّہ کاٹ لیا گیا۔ اور جڑوں والا حصّہ زمین میں دبا دیا گیا۔ ٹماٹر کے بیج بوئے۔ اور لال مرچ کی پود منگا کر لگائی گئی۔ کیونکہ مرچ کا پودا اسی وقت پھلتا ہے، جبکہ اس کی پود ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگائی جائے۔

اِن شروع کے کاموں میں بہت محنت کرنی پڑی جب اِن سے فارغ ہو گئی تو بڑی بے چینی سے اِن کے اُگنے اور ہوا میں لہلہانے کا انتظار کرنے لگی۔ دن مشکل سے کٹتا رات میں بھی یہی دھیان رہتا کہ دیکھیں ہمارا باغ کب ہرا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں مَیں اِن کیاریوں کی، مرغیوں اور دوسرے جانوروں سے جی جان سے حفاظت کرتی۔ کسی کیاری پر کانٹے دار سوکھی ٹہنیاں ڈالتی، کہیں ... باڑ لگاتی اور کسی پر ٹوکرا رکھدیتی۔ اکثر پانی وغیرہ بھی دیتی رہتی۔

تم خوب محنت کرکے امتحان دیتے ہو، اور نتیجہ نکلتا ہے تمہاری مرضی کے مطابق۔ یعنی درجے میں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتے ہو تو سچ بتاؤ تمھیں کتنی خوشی ہوتی ہے، بس کچھ ایسا ہی حال میرا ہوا جب چند ہی دنوں میں ایک ایک کرکے سب کیاریاں ہری ہو گئیں، اب

تو میرے دن کا بہت سا حصّہ اپنے ننھے منّے باغ کی خدمت میں ہی گذرتا تھا۔ اصل میں زمین تھی بہت اچھی اوپر سے ہوئی خوب دیکھ بھال اور خدمت بس تھوڑے ہی دنوں میں پودے لہلہانے لگے اور اپنے معمولی قد سے کہیں زیادہ بڑھے، پھیلے اور پھولے، اور میں خود اپنے باغ کو یوں لہلہاتا ہوا دیکھ کر سچ مچ پھولی نہیں سماتی تھی!!

جون جولائی میں سورج مکھی کے پھول کھلے معمولی پھولوں سے بہت بڑے اور خوبصورت ایک ایک پھول کوئی ڈھائی فٹ قطر کا، ٹہنیاں دیواروں سے بھی اونچی نکل گئی تھیں۔ بڑے بڑے سبز پتے۔ میں ہر وقت ... اُن پھولوں کو دیکھتی رہتی تھی، اس لئے اُن کے بارے میں ایک عجیب بات معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ یہ پھول ہر وقت سورج کی طرف ٹکٹکی لگائے رہتا۔ صبح کے وقت اُس کا مُنہ پورب کی طرف ہوتا اور جوں جوں سورج چکر کھاتا قطب نما کی سوئی کی طرح پھول بھی اُسی رُخ گھومتا جاتا آخر شام کو سورج ڈوبتے وقت پچھم کی طرف اُسے بڑی حسرت سے تکتا رہ جاتا، پھر صبح کو پورب کی طرف مُنہ پھیر لیتا۔ جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو، مجھے خیال ہوا کہ رات میں بھی یہ اسی طرح گھومتا ہوگا۔ میں رات کے مختلف حصوں میں جاگ کر اُسے دیکھتی، چنانچہ مختلف وقتوں میں اُس کے مختلف رُخوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ زمین کی گردش[۱] کے ساتھ آہستہ آہستہ یہ بھی گھومتا ہے (لیکن باوجود گھنٹوں ٹکٹکی لگا کر دیکھتے رہنے کے میں اُسے رُخ بدلتے یا ایک طرف سے دوسری طرف حرکت کرتے نہ دیکھ سکی) چند دنوں میں مجھے اتنی مشق ہو گئی کہ میں رات کے وقت اور دن میں جب آسمان پر بادل چھایا ہوتا، سورج مکھی کے پھولوں کا رخ دیکھ کر بتا دیتی، گویا یہ پھول گھڑی کا کام دینے لگے۔ یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ پھول سورج ہی کی طرف اپنا مکھڑا کئے رہتا ہے۔ اس لئے اس کا نام ہی سورج مکھی رکھ دیا گیا۔ ایک اور خیال میرے دل میں آیا کہ اُسے سورج سے محبت ہے، اسی لئے یہ سخت گرمی کے زمانہ میں کھلتا ہے۔ اور اسی لئے اس نے سورج کی شکل پائی ہے۔ اس کی پتیوں کی شکل سورج کی کرنوں جیسی ہے شاید سنہرا رنگ بھی ان کرنوں ہی کا آگیا ہے میں سوچتی ہوں کہ کیا عجب جو یہ پھول سورج ہی کی اولاد ہو۔ اور سورج اس کی ماں اُستانی یا سہیلی ہو!!

(باقی اگلے پرچہ میں دیکھنا)

---

[۱] گھومنا۔ چکر

گانے والی چڑیاں

(از حضرت جلیل قدوائی ایم اے لکچرار، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

جس طرح کوئی پیاری سندر چیز دیکھ کر آنکھیں خوش ہوتی ہیں اسی طرح میٹھی بولیاں اور سہانے راگ کانوں کو بھلے لگتے ہیں۔ صبح کے وقت کسی باغ میں گئے ہو؟ رنگ برنگ کے پھولوں کے ساتھ وہاں چڑیاں بھی چہچہا رہی ہوں تو مزا ہی اور آتا ہے۔ کبھی تم نے غور کیا ہے کہ بہت سی چڑیاں ایسی ہیں جن کا، گانا اور اڑنا گائے جانا اور اڑتے رہنا۔ بس یہی کام ہے۔

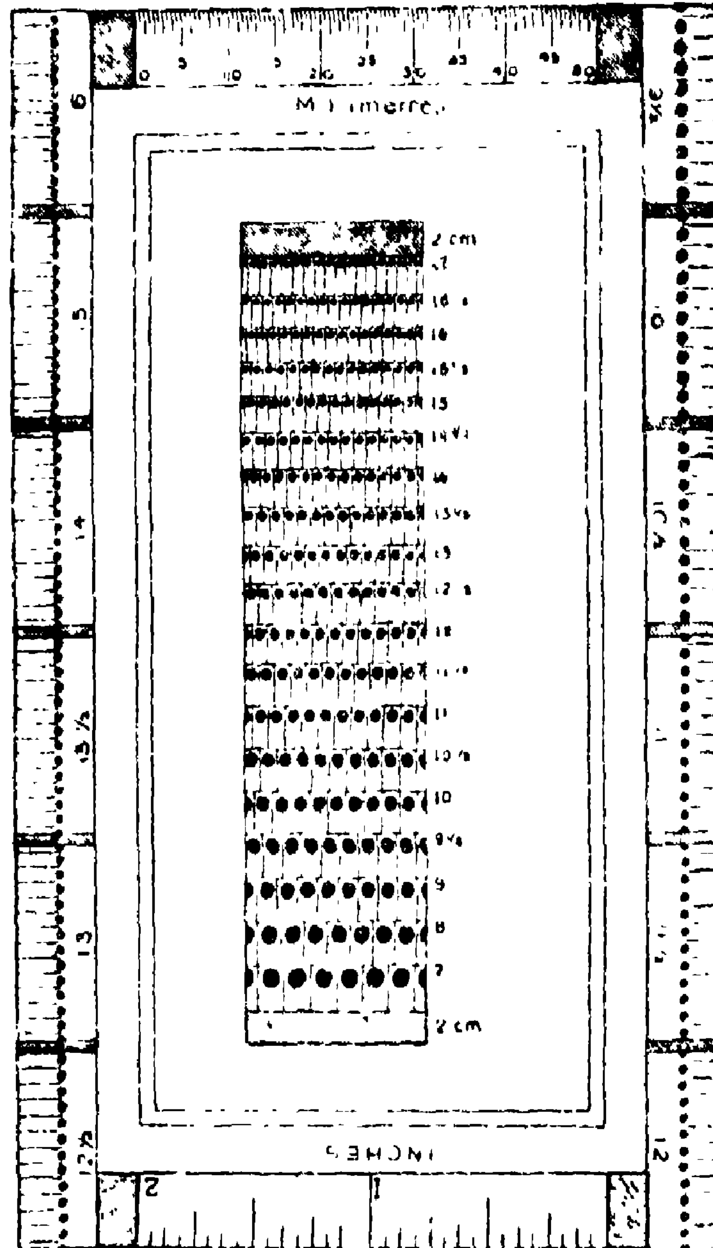
آم کا موسم آیا اور کوئل نے کوکنا شروع کیا۔ ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پہ جا پہنچی۔ اس ڈال سے اڑ کر اس ڈال پر گئی۔ سارا دن پھدک پھدک کر ہی گزارتی ہے یا گھنے پتوں میں چھپ کر بیٹھ جاتی ہے اور کوکو کوکو کرتی رہتی ہے۔ سناٹے میں اس کی آواز کانوں کو بہت بھلی لگتی ہے۔ اس کی آواز تو سنائی دیتی ہے مگر وہ خود نظر نہیں آتی۔ ایسی چنچل اور شریر ہوتی ہے کہ چھپی ہوئی بیٹھی رہتی ہے۔ لڑکے اس کی آواز کی نقل کرتے ہیں اور اسے ڈھونڈھتے ہیں، اسے لڑکوں کے ستانے میں مزا آتا ہے، کوئل ہر وقت خوش اور مگن رہتی ہے ہنسنا کھیلنا کوئی اس سے سیکھے۔ آواز پہ بولتی ہے۔ تم کوکو کر کے دیکھو برابر جواب دے گی کوکو کرتی رہے گی۔



کوئل کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ ایسی کالی جیسے کاجل یا کالا کوا۔ وہ اپنا گھونسلا نہیں بناتی۔ انڈے کوے کے گھونسلے میں دے آتی ہے۔ کوا کوئل کے انڈوں کو اپنے ہی انڈے سمجھ کر سیتا رہتا ہے جب بچے نکل آتے



۱۸ مارچ کو مکتبے میں عالی جناب مہدی یار جنگ کی دعوت تھی یہ تصویر اسی موقع کی ہے دائیں طرف عالی جناب مہدی یار جنگ بہادر جناب شیخ الجامعہ صاحب کے ساتھ تشریف فرما ہیں اسی طرف دوسری میز پر جناب نجف علی خاں صاحب پولیٹکل سکریٹری ریاست حیدر آباد تشریف رکھتے ہیں۔



دندانہ پیما PERFORATION

مارچ کے پرچے میں ٹکٹوں کے دندانے والے مضمون (صفحہ ۱۴۷) میں اس کا ذکر آیا ہے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے لئے یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ یہ تصویر ہمیں جناب سید شمیم صاحب جامعی کی مہربانی سے ملی ہے۔

ہیں تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس کے نہیں کوئل کے بچے ہیں۔ وہ انہیں ٹھونگیں مار کر نکال دیتا ہے۔

برسات سے پہلے ایک اور چڑیا گاتی رہتی ہے اسے پپیہا کہتے ہیں، تم نے کبھی کسی چڑیا کو پی کہاں کی رٹ لگاتے سُنا ہے۔



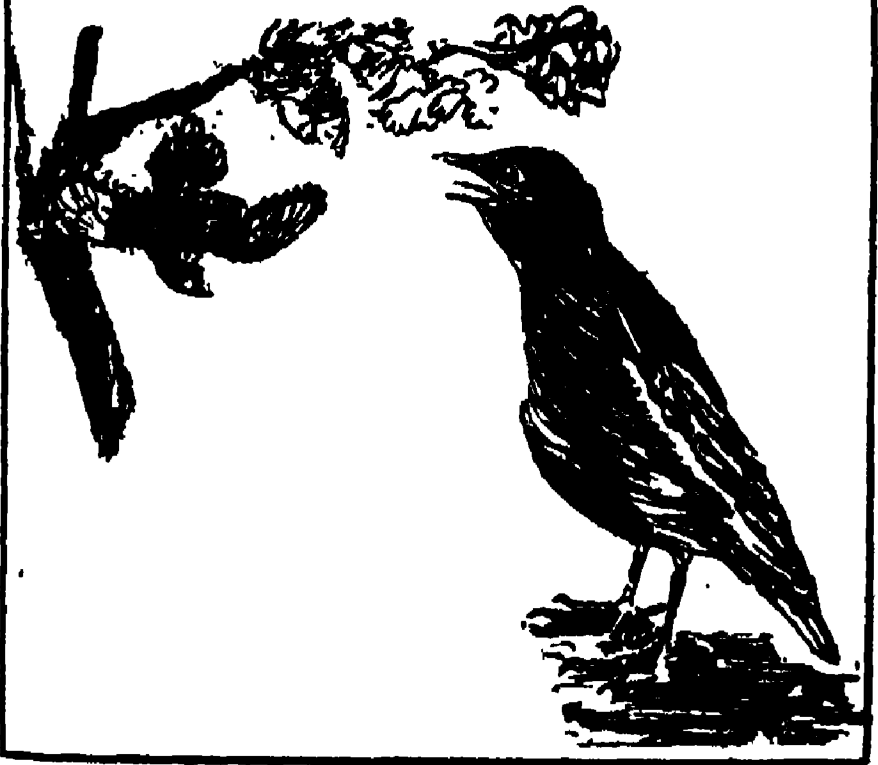
اندھیری رات کے سناٹے میں۔ یا پو پھٹنے سے پہلے پھیکی پھیکی چاندنی میں اس کی آواز ہوا میں گونجتی ہے یہ پپیہے کی ہوک ہے۔ پپیہا خوب مست ہو کر تان لگاتا ہے۔ اس کی آواز میں تڑپ ہوتی ہے جیسے اُس کا کلیجہ پھٹا جا رہا ہو۔

کوئل اور پپیہے کے سوا اور بھی گانے والی چڑیاں ہیں۔ ان میں سے ایک شاما بھی ہے۔ شاما گرمی کے دنوں میں گاتی ہے۔ جیٹھ کے مہینے میں دوپہر کو بڑی کڑی دھوپ پڑتی ہے۔ اور چاروں طرف سناٹا ہوتا ہے۔ اس وقت شاما سب سے الگ کسی ہرے بھرے گھنے پیڑ پر بیٹھ کر اپنا راگ چھیڑتی ہے۔ اس کا راگ بڑا سریلا ہوتا ہے خود بھی گاتے وقت مست ہو جاتی ہے۔

شاما بہت سی باتوں میں کوئل سے ملتی ہے۔ اُس کا گانا کوئل سے بہت ملتا جلتا ہے اس کے پَر کوئل کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ گلا بھی کالا ہوتا ہے۔ پروں پر صرف ایک سفید لکیر ہوتی ہے۔ اس کا سینہ پیلا پن لئے ہوئے لال ہوتا ہے۔ شاما کی دُم میں دو تہیں ہوتی ہیں۔ اوپر کی تہ کالی اور نیچے کی سفید۔ یہ زمین پر اُترآتی ہے اور ریت پر بڑے مزے سے جلدی جلدی چلتی ہے۔

کوئل، پپیہے اور شاما کی طرح مینا، بلبل اور فاختہ بھی گانے والی چڑیاں ہیں۔

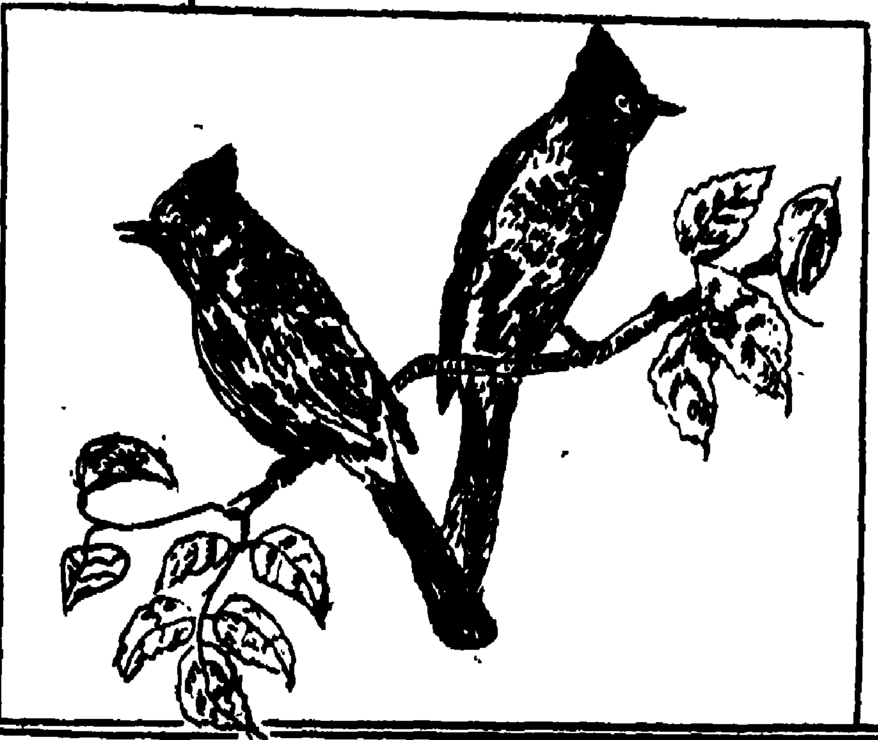
مینا کوے کی طرح ہوتی ہے مگر اُس سے چھوٹی۔ اس کی چونچ چمپئی یا نارنجی رنگ کی ہوتی ہے۔ نارنجی اس رنگ کو کہتے ہیں جو نارنگی کے چھلکے کا ہوتا ہے مینا کے کان ایسے ہوتے ہیں جیسے مرغی کے۔ مگر ان کا رنگ زرد یا پیلا ہوتا ہے۔ پیر بھی اسی رنگ کے۔ لوگ اسے چاہ سے پالتے اور بولنا سکھاتے ہیں بہت جلد بولنا سیکھ جاتی ہے۔ آدمی کی بولی کی نقل خوب اُتارتی ہے۔ جب بولتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بول رہا ہے۔ یہ بھیگے چنے بڑے مزے سے کھاتی ہے پھل پھلاری بھی



بلبل ہمارے ملک کی چڑیا نہیں۔ یہاں جو چڑیا اس نام سے مشہور ہے اُسے گل دُم کہنا چاہئے۔ یہ چھوٹی سی سیاہ چڑیا ہوتی ہے۔ اس کی دُم کے نیچے بالکل گچھے یا پھول کی طرح سرخ پر ہوتے ہیں اسی لئے اسے گل دم کہتے ہیں گل کے معنی پھول کے ہیں۔ اسے بھی لوگ شوق سے پالتے ہیں۔ اور پنجرے میں رکھتے یا اڈے پر بٹھاتے ہیں لانبے سیاہ دھاگے کا ایک سرا اڈے میں اور دوسرا سرا چڑیا کے پیر میں باندھ دیتے ہیں۔ گل دم اُڑتی ہے۔ اُچھلتی ہے اور پھر اڈے پر بیٹھ جاتی ہے۔ اُڑ کر بھاگ نہیں سکتی۔ اس کی آواز میں ایک طرح کا بانکپن پایا جاتا ہے گاتے وقت پر پھلاتی اور دُم اوپر کو اٹھا لیتی ہے۔

کھا لیتی ہے۔

جنگلی مینائیں بھی ہوتی ہیں مگر ان کی بولی میں کوئی اور کمی بات نہیں ہوتی یہ کیڑے کوڑے کھاتی ہیں۔ جنگلی مینا کسان کی بڑی دوست ہوتی ہے کسان کھیت میں ہل چلاتا ہے اور مینائیں زمین کو چونچ سے کرید کرید کر کیڑے کوڑے کھا جاتی ہیں۔



فاختہ کبوتر کی شکل کی مگر اس سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کا اوپر کا رنگ خاکی یا بہت ہلکا سُرمئی ہوتا ہے۔ پیٹ سفید ہوتا ہے۔ اس رنگ کو فاختہ کے نام سے فاختئی بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑی بھولی اور خوب صورت چڑیا ہے۔ فاختہ بھی جنگلی اور شہری ہوتی ہے۔ جنگلی فاختہ شہری فاختہ سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس کے نر کے پروں پر

سیاہ چتّیاں ہوتی ہیں۔



فاختہ ذرا الگ تھلگ اور کچھ سوچ بچار میں رہتی ہے۔ یہ ببول کے درخت پر زیادہ بیٹھتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کو اُسے گاتے ہوئے سُنا جا سکتا ہے اس کے گانے میں درد ہوتا ہے۔ یہ کچھ اس طرح کہتی ہے "اُٹھ رے پتو چنے پور پور پور"

کہتے ہیں یہ چڑیا پہلے ایک بڑھیا تھی اور پسائی کا کام کرتی تھی، اس کا لڑکا پتو بڑا نکما اور کاہل تھا، ایک دن بڑھیا چنے پیسنے کو لائی اسے شک ہو گیا کہ لڑکے نے چنے چرا کر کھا لئے غصّے میں ترازو کا ایک باٹ اُٹھا کر جو مارا تو وہ اچانک مرگیا۔ چنے تول کر دیکھے تو پورے اُترے تب تو بڑھیا غم سے پاگل ہو گئی پتو کو پکار پکار کر جگانے لگی مگر وہ جاگنا تھا نہ جاگا۔ اُس وقت سے بڑھیا مارے غم کے چڑیا بن گئی اور اب تک بھٹکتی، پتو کو ڈھونڈھتی اور پکارتی پھرتی ہے +

ضروری بات

پیام تعلیم خریدنے والے بچے اور دوسرے حضرات سے گذارش ہے کہ خط لکھتے وقت اپنا نمبر خریداری اور پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھا کریں۔ شکایتی خط یا ایسے خط جن کا تعلق انتظام سے ہو منیجر کے نام بھیجیں اور مضامین اور مضامین کے بارے میں خط ایڈیٹر کے نام۔ بہت سے بچے، اور بڑے ان باتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ جس کی وجہ سے انتظام میں بہت دقت ہوتی ہے۔ اور انہیں بھی اکثر جواب دیر سے ملتا ہے۔ علاوہ اس کے ہم پیام تعلیم پوری احتیاط سے بھیجتے ہیں پھر بھی آپ کے پاس نہ پہنچے۔ تو ہمیں خط بھیجنے کے ساتھ اپنے یہاں کے ڈاک خانے والوں سے بھی پوچھیں۔

(منیجر)

معلومات

سلطان مالدیپ کے شاہی خزانے میں بڑے بڑے گڑھے بنے ہوئے ہیں۔ جن کا منہ کھلا ہوا ہے۔ ان گڑھوں میں سونا چاندی اور جواہرات پڑے ہیں۔ کسی شخص کی مجال نہیں کہ شاہی خزانے میں قدم رکھ سکے۔ اس لئے کہ بڑے بڑے کالے ناگ اس خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں۔

پروفیسر لیفرائے کا بیان ہے کہ صرف مکھیوں کی وجہ سے ہندوستان میں ستر لاکھ موتیں ہوئیں کیوں کہ ان ہی کی وجہ سے ہیضہ اور پلیگ پھیلے۔

ارجنٹائن میں ایک قسم کی چیونٹی ہوتی ہے جو انسان کے گوشت کو بہت پسند کرتی ہے۔ ایک بار ایک عورت اپنے بچے کو پالنے میں لٹا کر کسی کام سے باہر چلی گئی، واپس آکر دیکھا تو بچہ ہڈیوں کا پنجرہ رہ گیا تھا۔ اور سارا گوشت یہ چیونٹیاں کھا گئی تھیں

میڈیرا کے جزیرے میں آج کل پرندوں کا نام و نشان نہیں پہلے یہاں ان کی بہتات تھی، ہوا یہ کہ کسی طرح یہ نامراد چیونٹی اس جزیرے میں جا پہنچی اور ان غریبوں کا صفایا کر دیا۔

ہندوستان میں ہر سال تقریباً دس کروڑ آدمی ملیریا میں مبتلا ہوتے ہیں ان میں سے کئی لاکھ تو مر جاتے ہیں اور ساڑھے سات کروڑ آدمی بہت دنوں کے بعد اپنے کام کاج کے قابل ہوتے ہیں۔ ان مریضوں کے علاج پر جو خرچ ہوتا اور ان مریضوں کی بیماری کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے، اس کا اندازہ اسّی کروڑ روپیہ کیا گیا ہے۔

عام طور پر پرندے اپنے بچوں کو دانہ وغیرہ کھلانے کے لئے اپنی چونچ ان کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر ایک پرندہ اپنا منہ کھول لیتا ہے حلق میں دانے رکھ دیتا ہے۔ بچہ حلق میں داخل ہو کر تمام دانے کھاتا ہے، اور خود بخود باہر آجاتا ہے۔

امریکہ کے ایک شہر فنکس میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے، اس کے نیچے کے جبڑے میں تمام دانت ہیں اور بہت مضبوط۔ اوپر کے جبڑے میں دونوں طرف کی داڑھیں بھی ہیں۔ اس کے جسم میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔

(مصباح)

کتا میلوں سے اپنے مالک کے جسم کی بو سونگھ کر اس کا پتہ لگا لیتا ہے۔

شیر بہت بھوکا ہوتا ہے۔ تو اپنی داہنی ہڈی کی پسلی کو سونگھ لیتا ہے، اس سے کچھ دیر کے لئے اسے تسکین ہو جاتی ہے،

بندر زہریلے کھانے کی بو سونگھ کر زور سے شور مچانے لگتا ہے اور اس کی آنکھیں یک لخت نیلی پڑ جاتی ہیں۔

انڈے دینے والے جانوروں یا پرندوں کے بظاہر کان نہیں ہوتے مگر سنتے خوب ہیں۔

خرگوش اپنے بچوں کو چاٹ کر کئی دن کے لئے اپنی پیاس بجھا لیتا ہے۔　(شنکر سنگھ صدر مدرس مدرسہ مگ)

خط استوا کے قریب ایک سمندری پرندہ اتنا تیز اڑتا ہے کہ اس کے اڑان کی رفتار کا صحیح اندازہ نہ لگایا جاسکا۔ ایک اور

پرندے کی اڑان کا اوسط ۵ء۳ میل فی گھنٹہ ہے۔ اگر یہ متواتر اسی تیزی سے اڑتا رہے تو سولہ گھنٹے میں انگلستان سے وسط افریقہ پہنچ سکتا ہے۔

جرمنی کا ایک جولاہا مئی ۱۹۳۳ء سے اب تک ایک منٹ کے لئے نہیں سویا۔ ڈاکٹروں نے بہت تدبیریں کیں مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا، باوجود اس کے وہ اپنا روزمرہ کا کام عام انسانوں کی طرح کرتا ہے۔ ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے نیند کیوں نہیں آتی۔ (احمد عزیز خاں ضیا)

روسی حکومت نے ماسکو میں ایک مینار تیار کیا ہے جہاں سے ہواباز چھتری کے ذریعے زمین پر آنے کی مشق کریں گے تاکہ وہ ہوائی جہاز سے آسانی کے ساتھ کود سکیں مینار پر چڑھنے کے لئے پیچ دار راستہ ہے۔ چھتری کا تعلق ایک اسپرنگ سے ہے جو مینار کے بالائی حصہ سے وابستہ ہے اور ہواباز کو صحیح سلامت اترنے میں مدد دیتی ہے۔

شکاگو میں ایک شخص نے ایسی دوربین ایجاد کی ہے جو دو میل سے بھی گھڑی کے اوقات معلوم کر سکتی ہے۔

انگلستان میں ایک جادوگر نے رسی کا ایک کمال دکھا کر تمام لوگوں کو حیران کر دیا۔ فقیر نے ایک رسی کو ہوا میں پھینک دیا جو لوہے کی سلاخ کی طرح کھڑی ہو گئی۔ اور ایک بچہ اس پر چڑھ کر لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا، جادوگر کا دعویٰ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کمال کو نہیں دکھا سکتا۔ سائنس دان بھی حیران ہیں لوگوں نے اس کے اس کمال کی گرفت کرنی چاہی لیکن تمام کوششیں بے کار رہیں۔

ایک سنگھالی ہندو لوہے کی سلاخ سرخ کر کے اپنی زبان پر رکھ لیتا ہے اور کسی قسم کا درد تک محسوس نہیں کرتا۔ پچھلے دنوں امریکہ کی نمائش میں یہ بھی بلایا گیا تھا۔

نیویارک میں ایک عجیب و غریب گھڑی بنائی گئی ہے یہ دنیا کے ہر مقام کا صحیح وقت بتاتی ہے۔ اس میں منٹ اور سکنڈ کی سوئیاں بھی لگی ہیں۔ وقت کے علاوہ اس سے تاریخ بھی معلوم ہو جاتی ہے اسے بجلی کے ذریعے روشن رکھا جاتا ہے۔

امریکہ میں ایک ایسی مشین ایجاد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے دوسرے ملک کی زبانیں بگانے سیکھنے اور ٹھیک طریقے سے بات چیت کرنے کا فن بہت آسان ہو گیا ہے۔

ریڈیو آئندہ صرف دور دور کی آوازیں ہی سنائی نہیں دیں گی بلکہ اس سے حادثوں کے روکنے کا کام بھی لیا جائے گا۔ ایسی جگہوں پر جہاں موٹریں ریل کی لائن سے گذرتی ہیں عموماً حادثے ہو جاتے ہیں۔ آئندہ سے ایسی جگہ ریڈیو کے خاص آلے لگا دئے جائیں گے ان کا کام یہ ہوگا کہ حادثے سے بچانے کے لئے موٹروں کو ٹھہرا دیں

تاشقند میں لوہے کا ایک بہت بڑا گلوب تیار کیا گیا ہے جو سائنس کے ذریعے مصنوعی موسم پیدا کرنے کے کام آئے گا۔

سانپوں کے متعلق یہ عام طور پر مشہور ہے کہ بہت تیز دوڑتے ہیں۔ لیکن کیلی فورنیا یونیورسٹی میں اس کے متعلق بہت سے تجربے کئے گئے۔ اس لئے یہ خیال غلط ثابت ہو گیا ہے ایک مشہور سانپ کو دوڑایا گیا تو وہ صرف ڈھائی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکا۔

(احمد عزیز خاں ضیا)

خط کتابت

کرمی۔ تسلیم کوئی صاحب ۲، ۳، رد اے جوبلی ٹکٹ
کسی قیمت پر بیچنا چاہیں تو اس پتہ پر خط کتابت کریں مجھے ان ٹکٹوں
کی ضرورت ہے۔ احمد حسین ۵،۲ بنارسی باغ لکھنؤ

کرمی تسلیم۔ میں پچھلے مہینے سے پیام تعلیم کا خریدار ہوں
ہر مہینے جب رسالہ پہنچتا ہے تو میں اس کا پچھلے مہینے سے مقابلہ کرتا
ہوں۔ اور اسے ہمیشہ پہلے سے بہتر حالت میں پاتا ہوں۔ آج میں
اس مہینے اور اکتوبر کے مہینے کے رسالہ کا مقابلہ کر رہا ہوں، واللہ
زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگر آپ ہر مہینے دو ایک نظموں کا انتظام
کر دیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ وائرلیس بنانے کی ترکیب سمجھ میں نہ آئی
(رجبی عزت بخش آدان مائی وال)

(وائرلیس کا مضمون پھر پڑھئے شاید سمجھ میں آجائے آپ
کے علاوہ اور کسی کی شکایت نہیں آئی ہے، نظمیں ہم ابھی ہی چھاپنا
چاہتے ہیں اب انتظام ہو گیا ہے مستقل انشاءاللہ (ایڈیٹر)

کرمی جناب اڈیٹر صاحب تسلیم۔ میں عرصہ سے پیام تعلیم
میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی تھی، لیکن پچھلے دنوں اس قدر پریشانیوں
میں گرفتار رہی کہ اس کا موقع نہ ملا۔ آپ میری تجویز پیام تعلیم میں
شائع کر دیجئے۔ اور اس کی بابت پیامی بھائی بہنوں سے بھی رائے
لے لیجئے۔

میں چاہتی ہوں کہ پیام تعلیم جس طرح لڑکوں میں
ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے اور ان کی ہر طرح سے خدمت کرتا ہے
اسی طرح لڑکیاں بھی اس سے محبت کریں۔ اگرچہ اب بھی اکثر
لڑکیاں پیام تعلیم پڑھتی اور اس میں دلچسپی لیتی ہیں لیکن پھر بھی
جب تک پیام تعلیم خاص ان کی ضرورت اور دلچسپی کے مضامین
وغیرہ پیش نہ کرے گا۔ وہ اس سے پورے طور پر خوش نہ ہوں گی

جس طرح آپ لڑکوں کی دلچسپی کے مضامین نظمیں تصویریں
وغیرہ چھاپتے ہیں اسی طرح آپ کو لڑکیوں کے لئے دستکاری
کھانا پکانے اور اس قسم کے کاموں کے متعلق مضامین وغیرہ جنکی
لڑکیوں کو ضرورت ہے دینا چاہیئے۔ اور افسانے نظموں وغیرہ
میں بھی لڑکیوں کی دلچسپی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ہندوستان میں
اب بڑی عمر اور زیادہ قابلیت کی عورتوں کے قابل کئی رسالے
اور دو ایک اخبار بھی نکل رہے ہیں۔ مگر کم عمر اور کم درجہ کے
طالب علم لڑکیوں کے لئے سوائے بنات کے اب تک کوئی اخبار
یا رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور میں اس کی بہت ضرورت
سمجھتی ہوں کہ پیام تعلیم نہ صرف لڑکوں کو تعلیم کا پیام دے بلکہ
لڑکیاں بھی اس پیام سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس کا انتظام ہو گیا
تو مجھے امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکیاں آپ کے رسالہ کی
خریدار بنیں گی۔

اس سلسلہ میں جو خدمت میں کر سکتی ہوں اور جو آپ میرے
ذمہ کریں گے اس کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔
آپ کی مخلص۔ صالحہ عابد حسین۔ نیر منزل۔ قرول باغ نئی دہلی

کرمی اڈیٹر صاحب تسلیم۔ مجھے ہندوستانی ریاستوں کے
ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ جو پیام بھائی کسی ریاست میں رہتے ہوں
یا ان کے پاس کسی ریاست کے ٹکٹ ہوں وہ مجھے بھیج دیں۔ میں
ان کے بدلے میں غیر ملکی ٹکٹ دوں گا۔
احسان الٰہی جامعی۔ بتوسط میاں فضل کریم صاحب نواب گنج دہلی

کرمی اڈیٹر صاحب تسلیم۔ اپریل کا پرچہ طباعت اعلیٰ
تھا۔ مجھے ضمیموں سے کوئی دلچسپی نہیں براہِ مہربانی ان چار

مضمون کو رسالہ میں شامل کرلیں اور اب تو ماشاء اللہ پیام تعلیم دو صوبوں میں محکمہ تعلیم کی طرف سے منظور ہو گیا ہے خریدار بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ مگر اب آپ اسے پندرہ روزہ کر دیجئے، کیوں کہ اب ایک مہینے پیام تعلیم کا انتظار بہت مشکل ہے فقط والسلام۔ سردار حسین درجہ ہشتم اکوڑہ

تعجب ہے کہ ضمیمہ آپ کو پسند نہیں۔ بچوں کے بے شمار خط اس کی تعریف میں آئے ہیں۔ خریدار بے شک بڑھ رہے ہیں۔ لیکن ابھی اتنی گنجائش نہیں کہ رسالہ پندرہ روزہ کر دیا جائے
(ایڈیٹر)

مکرمی۔ السلام علیکم! یوں تو آپ کے ہر پرچہ کا منتظر رہتا ہوں۔ لیکن اپریل کے پرچہ کا زیادہ خیال تھا کیوں کہ مارچ کا پرچہ بہت دلچسپ تھا۔ اور خیال تھا کہ اپریل کا پرچہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔ خیر۔ پرچہ ملا لیکن چھوٹے بھائی صاحب پرچہ ڈاکئے سے لے کر بھاگے۔ اور کیا نام کہ ہم ان کے پیچھے ......آخر کہاں تک بھاگتے پکڑ ہی لئے گئے۔ تھوڑی دیر میں گھمسان ہونے کے بعد آخر یہ طے پایا۔ کہ ایک جگہ بیٹھ کر دونوں دیکھیں۔ انھوں نے پرچہ ہاتھ میں لے کر کچھ ترچھا کر دیا۔ اور ہم کو بھی دیکھنے کا موقع دیا۔ پرچہ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ وہ دو یا تین ورق بھی الٹنے نہ پائے تھے کہ میں نے ان سے چھین لیا۔ اور کہا ہم تم کو دکھاتے ہیں۔ لیکن جیسا میں نے کیا تھا ویسا ہی دو منٹ بعد وہ کر بیٹھے۔ اور کئی دفعہ کی ایسی ہی چھینا جھپٹی سے ہم دونوں کو مجبوراً پرچہ "انصاف" کی غرض سے تدبیر انصاف ثناء محمد انور خاں صاحب صاحب جامعی بی۔ اے۔ کے حوالے کرنا پڑا۔ انھوں نے فرمایا کہ پرچہ شام کو ملے گا۔ چلئے اب دونوں کے ہاتھوں سے پرچہ گیا اور کہیں شام کو جاکر ملا۔

نہ پوچھئے کس قدر خوشی ہوئی۔ مارے خوشی کے پھول کر کُپّا کی طرح کُپا ہو گئے۔ اور خاں صاحب آئندہ میں ہم کی طرح سو کھ کر نہ جانے کیا ہو گئے؟۔ اور سلام کہتے ہیں۔ فقط آئندہ پرچہ کا منتظر
(عابد حسین صدیقی فرزند محمد حسین صاحب محوی صدیقی)

محترمہ آپاجان! تسلیم۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی اگر آپ مجھے جرمنی کے کسی، ایسے صاحب کا پتہ بتا دیں گی جنھیں ٹکٹ جمع کرنے سے دلچسپی ہو خواہ وہ بڑے آدمی ہوں یا طالب علم۔ مجھے اس مشغلے سے بہت دلچسپی ہے اور میں نے ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے بہت سے ٹکٹ جمع کرلئے ہیں۔

بمبئی میں اگر کسی صاحب یا صاحبہ سے آپ کی واقفیت ہو تو ان کا پتہ بھی بتا دیجئے۔ بشرطیکہ انھیں اس مشغلہ سے کچھ دلچسپی بھی ہو۔
والسلام　　(محمد ظہیر احمد)

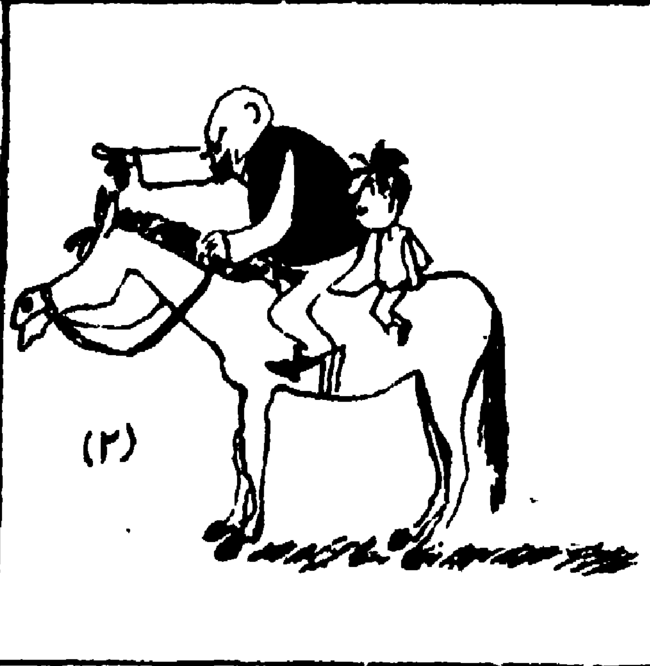
عزیزم سلمہ۔ تمہارا خط ملا بشکریہ میں تمہیں برلن کے ایسے شخص کا پتہ بتاتی ہوں جسے ٹکٹ جمع کرنے کے مشغلہ سے بہت دلچسپی ہے۔

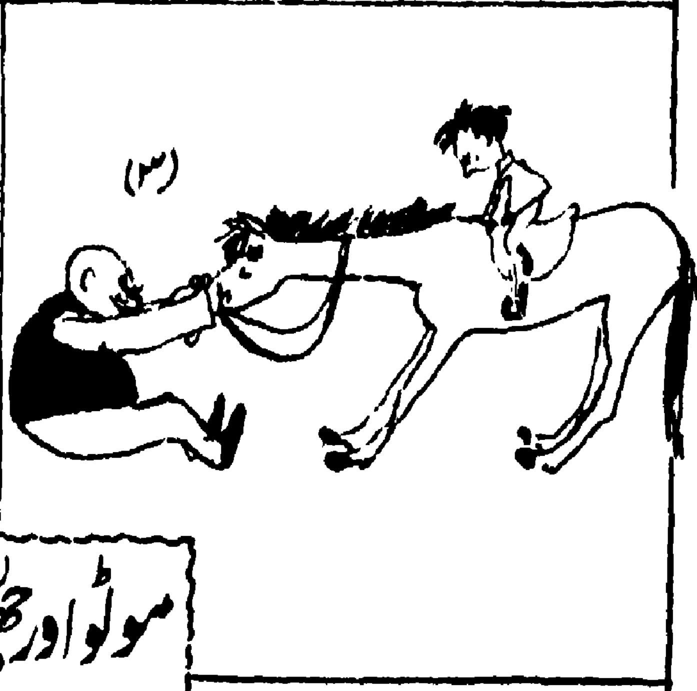
افسوس کہ بمبئی کے کسی ایسے شخص سے میرے تعلقات نہیں جسے اس مشغلے سے دلچسپی ہو۔ امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے۔
فقط
(تمھاری آپاجان)

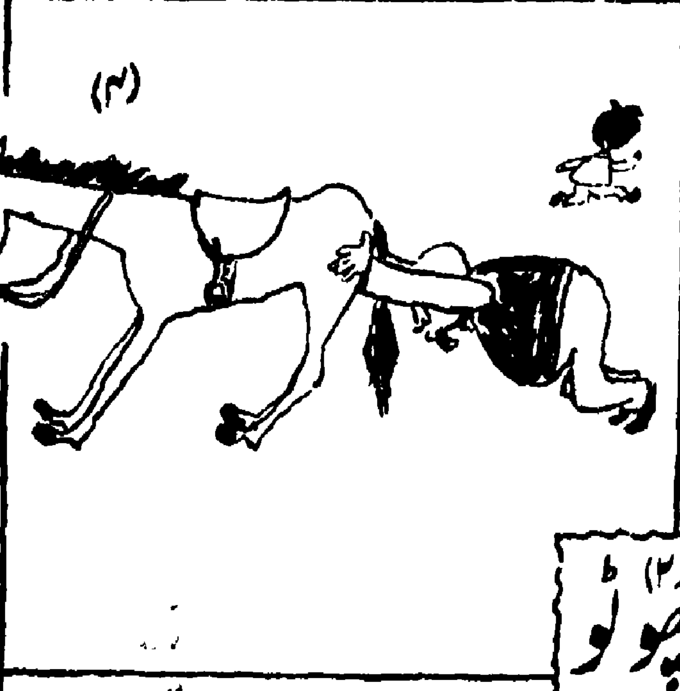
پتہ یہ ہے۔

Harry Gunther Berendt,
2/3, Kaiserallee,
Berlin W.15
(Germany)

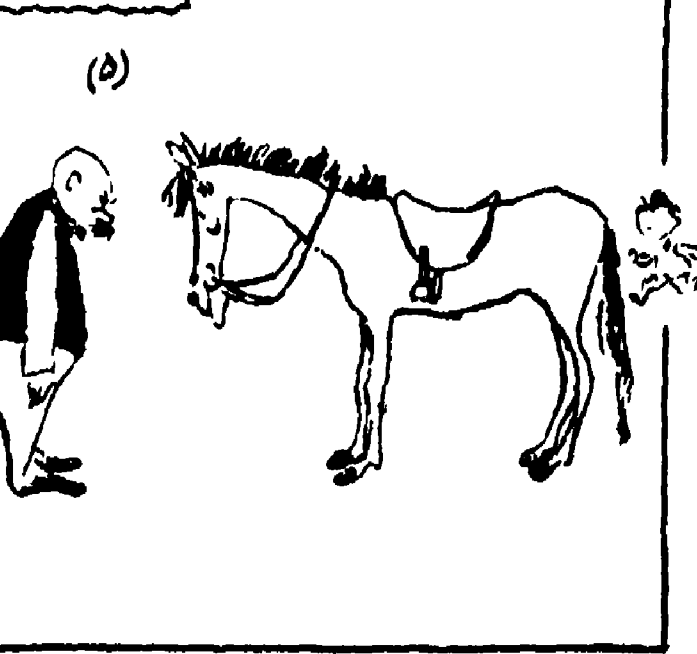


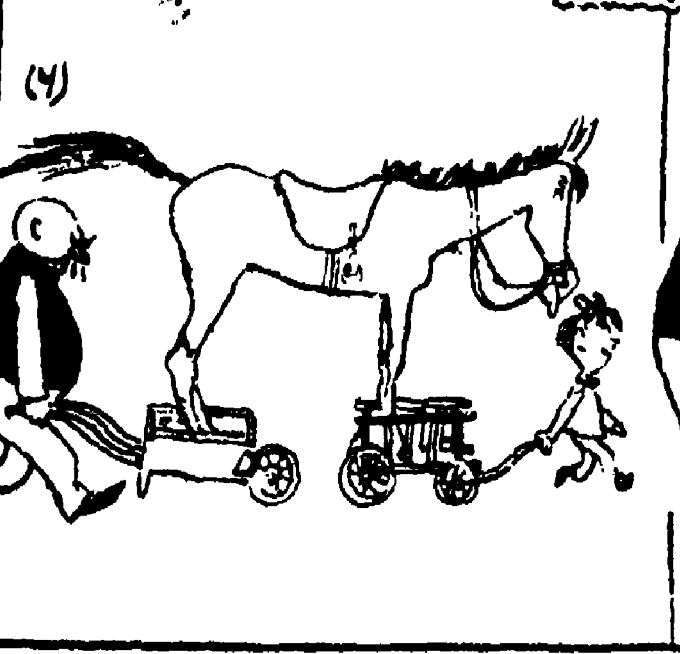




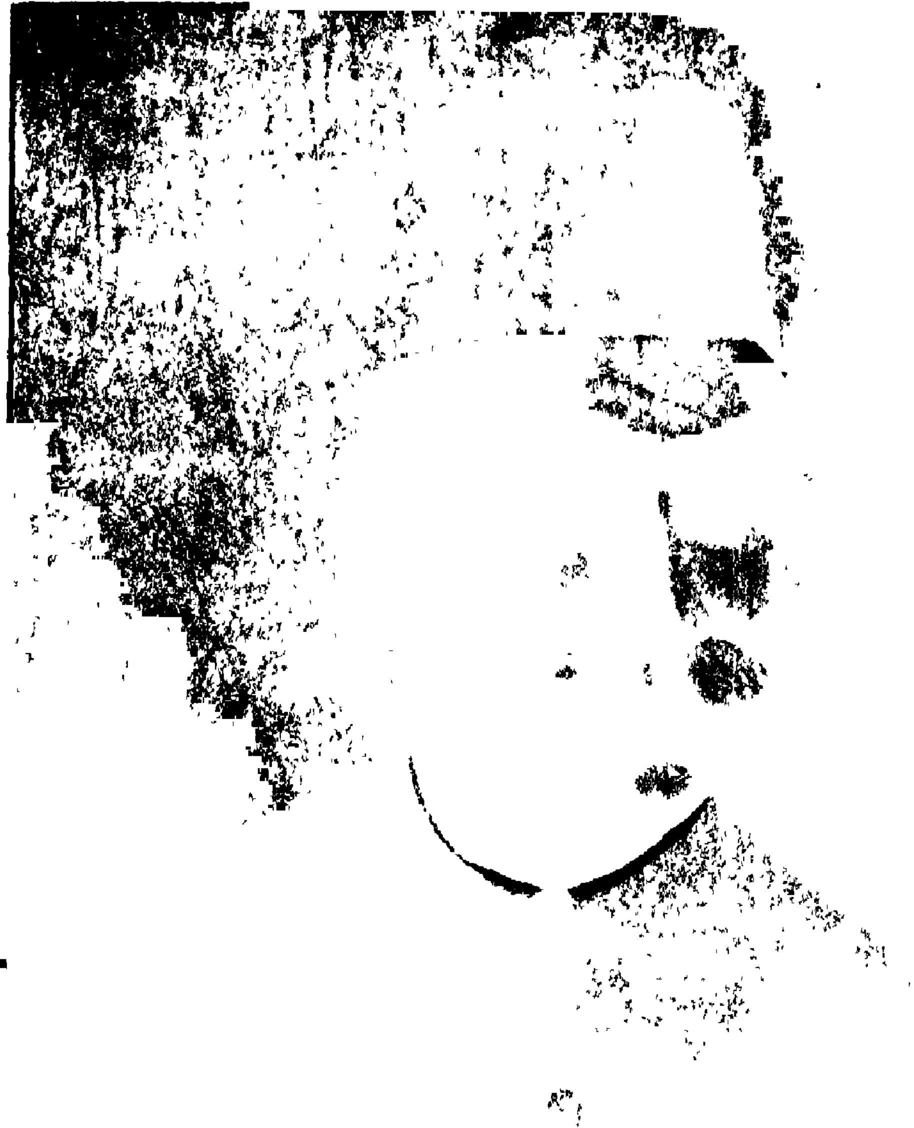


موٹو اور چھوٹو (۲)

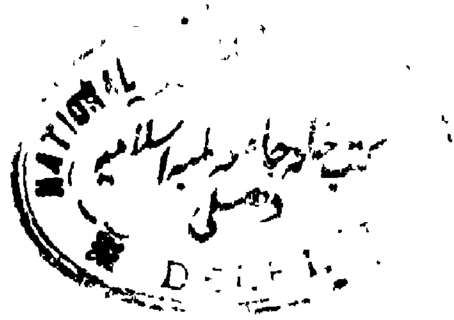





پیامِ تعلیم



ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم (امیر جامعہ)





مرحوم امیر جامعہ کے جنازہ کی نماز - جامع مسجد کے سامنے میدان میں

قیمت سالانہ عہ ر

پیامِ تعلیم دہلی

فی پرچہ ہر

جلد ۱۹ | جون سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

ایڈیٹر محمد حسین حسان جامعی ندوی۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم اے پی ایچ ڈی۔ جامعہ پریس

پیام تعلیم کے نئے خریدار

قاضی ضیاءالدین احمد صاحب ۔ احمد آباد
رشید و دھوچہ صاحبان ۔ راولپنڈی
سید محمد شفیع صاحب ۔ مدراس
اسسٹنٹ سکریٹری ۔ دہرہ دون
محمد ظہیرالدین صاحب صدیقی ۔ حیدرآباد
سید عبدالحکیم صاحب ۔ پٹنہ
عبدالرحیم صاحب ۔ سوجان پور (پنجاب)
محمد حسین صاحب ۔ مدراس
س ۔ محمد جنید صاحب ۔ سالارپور
سید ۔ ایس پاشا ۔ کولمبو
محمد طاہر صاحب عثمانی ۔ گیا
افسر حسین صاحب ۔ لکھنؤ
وحید احمد صاحب مارہرہ
سید ضیاءالاسلام صاحب ۔ دہرہ دون
سعید احمد صاحب ۔ بالاگھاٹ
محمد ابراہیم حسن صاحب گدھاوا ۔
منصور خاں صاحب پوسد ۔
سورج سنگھ صاحب ۔ سوڑی
ملا قربان حسین جیون بھائی صاحبان ۔ سونل
افسر بیگم صاحبہ ۔ مرادآباد
محمد احمد صاحب ۔ علی گڑھ
امین احمد صاحب ۔ میگاؤں

الف محمد جان اینڈ برادرس ۔ ٹوٹی کورن
میاں خورشید الدین صاحب ۔ پشاور
محترمہ صوفیہ خانم صاحبہ ۔ کوائٹہ
" خاتون جنت صاحبہ کوائٹہ
حکیم عبدالرزاق صاحب ۔ سوہ سرائے
عبدالرحمان صاحب ۔ حیدرآباد
محمد مجتبیٰ صاحب ۔ سندھولی
سید حامد صاحب ۔ پشاور
محمد ابو مسعود فاروقی ۔ حیدرآباد
جلال الدین احمد صاحب ۔ ڈھاکہ
فضل احمد کریم صاحب ۔ چٹاگانگ
محمد نسیم صاحب ۔ حیدرآباد دکن
مختار ارب صاحب ۔ کان پور
کیلاش بہاری صاحب ۔ فتح گڑھ
محترمہ بیگم عبدالغنی صاحب ۔ لاہور
اختر ثریا صاحبہ ۔ دہلی
سردار عطاءاللہ جان خاں صاحب ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں
نادر بخش صاحب ۔ فتح پور
عبدالرحمٰن صاحب ۔ رائے پور
گورنمنٹ ورنیکلر مڈل اسکول ۔ فتح گڑھ
گورنمنٹ ورنیکلر مڈل اسکول ۔ جونپور
سید ابوالحسن صاحب ۔ بلدور

گورنمنٹ ورنیکلر مڈل اسکول ۔ باندہ
قمر عائشہ بیگم صاحبہ ۔ شیخوپور
منظر حسین خاں صاحب ۔ بریلی
سکریٹری انجمن ترقی اردو ۔ والمباڑی
م ۔ ی ۔ ملا ۔ رنگون
عبدالسعید خاں صاحب ۔ بھوپال
محمد فصاحت علی صاحب ۔ نانگلوئی
محی الدین صاحب ۔ رائے پٹیہ
تسلیم بیگ صاحب ۔ کرت پور
ہزاری سنگھ صاحب ۔ نگینہ
معتمد دارالمطالعہ ۔ مانا کنڈور
مقبول احمد صاحب ۔ دہلی
مقصود حسین صاحب ۔ شیرکوٹ
میر محمد جان صاحب ۔ رام پور
ڈاکٹر علی زماں صاحب ۔ ملیح آباد لکھنؤ
طالب علی صاحب ۔ ملیح آباد
سید مجتبیٰ احمد صاحب ۔ مئو
عبدالرؤف صاحب ۔ بھیونڈی
رشید احمد صاحب ۔ سہسوان
محمد حبیب الرحمٰن صاحب ۔ گھگریا ۔
آنریبل شمس الدین حیدر صاحب ۔ رانچی

۱۰ رمئی کی صبح بھی کیسی وحشتناک صبح تھی۔ کوئی ساڑھے پانچ بجے ہوں گے۔ ہم لوگ غفلت کی نیند سو رہے تھے کہ ایک صاحب نے گھبرائی ہوئی آواز میں جگایا۔ "سنیئے اٹھئے ڈاکٹر انصاری صاحب کا انتقال ہوگیا۔ مسوری سے دلی آ رہے تھے۔ راستے میں دل کی حرکت بند ہو گئی۔ چھ بجے کی گاڑی سے لاش آ رہی ہے۔" ہم ششدر رہ گئے۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال جلدی جلدی وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اسٹیشن پہنچے۔ تھوڑی دیر میں گاڑی آگئی۔ کس دل سے کہوں کہ اس میں جامعہ کے امیر اور قوم کے محبوب ترین لیڈر ڈاکٹر انصاری کی لاش تھی۔ جامعہ کے استادوں اور طالب علموں کے علاوہ شہر کے اور بہت سے معزز لوگ بھی اسٹیشن پر آ گئے تھے۔ نعش ریل کے ڈبے سے نکالی گئی۔ ریلوے کی ہاتھوں سے چلنے والی گاڑی میں رکھی گئی۔ اور دریا گنج ان کی کوٹھی تک لائی گئی۔ آٹھ بجتے بجتے تمام کوٹھی مرحوم کے عزیزوں اور دوستوں سے بھر گئی۔ دس بجے بجے جنازہ تیار ہوگیا۔ جامع مسجد کے سامنے میدان میں نماز پڑھائی گئی۔ بہت کم وقت میں لوگوں کو اطلاع ملی تھی۔ پھر بھی ہزاروں آدمیوں نے نماز میں شرکت کی۔ پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ قبر جامعہ کی نئی بستی یعنی اوکھلے میں بنے گی۔ لاریوں کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ نماز کے بعد جامعہ والے اور بہت سے شہر کے لوگ لاریوں اور موٹروں میں جنازے کے ساتھ اوکھلے پہنچ گئے اور وہاں جامعہ کی عمارتوں کے سامنے ایک اونچی جگہ درخت کے سائے میں مرحوم کو سپرد خاک کیا گیا۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب کا خیال ہے کہ قبر پر مقبرے کی صورت کی نہایت خوب صورت اور سادہ سی عمارت بنوائی جائے

ہمارے امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مرحوم ہندوستان کے بہت بڑے ڈاکٹروں میں تھے۔ مگر لوگ ان کی عزت محض اُن کی ڈاکٹری کی وجہ سے نہیں کرتے تھے۔ ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ اپنی قوم اور ملک کے سچے اور مخلص خادم تھے اور اس مقصد میں انھوں نے تکلیفیں اور پریشانیاں بھی اٹھائیں۔ وہ بہت بلند حوصلہ، فراخ دل اور سیر چشم تھے آنکھوں میں مروت تھی۔ مزاج میں نرمی، تواضع اور خاکساری دوستوں کے سچے دوست، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے، غریبوں اور دکھیاروں کے ہمدرد اور غم خوار اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ان کی غلطیوں سے درگذر کرنے والے۔

ہماری جامعہ کی بنیاد علی گڑھ میں ان ہی جیسے بزرگوں کے پرخلوص ہاتھوں سے رکھی گئی اور ان کی اور مسیح الملک مرحوم کی کوششوں سے علی گڑھ سے دلی میں آئی۔ جامعہ سے انھیں جو تعلق تھا اس کا اندازہ باہر کے لوگ نہیں کر سکتے۔ وہ جامعہ کے امیر یا سرپرست تھے اور جامعہ کے استادوں اور بچوں کو اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہماری نئی بستی میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ جامعہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے محسن کی قبر پر جو محبت اور شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور انھیں پیار کرتا تھا ہر روز اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پھول چڑھائیں گے مرحوم کی روح کو اس سے کتنی خوشی ہوگی!

اس پرچے میں جناب شیخ الجامعہ صاحب کی ایک تقریر شائع ہو رہی ہے۔ یہ انھوں نے ۱۰ رمئی کو ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے دن دہلی کے ریڈیو اسٹیشن سے کی تھی۔ اسے ضرور پڑھنا۔ اگلے پرچے میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے حالات ذرا تفصیل سے لکھے جائیں گے۔ آخر میں ہم محترمہ بیگم انصاری مس زہرہ انصاری اور دوسرے عزیزوں سے اپنی اور پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں کی طرف سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں خدا سب کو صبر کی توفیق دے۔

بچوں سے باتیں

بچوں کے بنک کا ان صفحوں میں بار بار ذکر آچکا ہے۔ ۲۰ر اپریل کو اس کا جلسہ تھا۔ جناب چودھری اکبر علی صاحب ایم اے (امریکہ) اس کے صدر تھے پہلے ایک بچے نے پچھلے سال کی رپورٹ پڑھی پھر بچوں کو نفع تقسیم کیا گیا۔ نفع کم سے کم ایک پیسہ اور زیادہ سے زیادہ ۵ تھا۔ آٹھ ۱۲ بچوں کو ایک ایک روپے کی کتابیں انعام میں دی گئیں، جو زیادہ عرصے تک بنک کے ممبر رہے تھے اسی روز مدرسے کے آخری درجے (ابتدائی ششم) کے بچوں کی رخصتی دعوت بھی تھی اس جلسے میں بچوں کی کئی دلچسپ تقریریں ہوئیں۔ مدرسے سے جانے والے بچوں کے گلے میں ہار ڈالے گئے۔ ان کی جدائی پر رنج ظاہر کیا گیا اور ان کی ترقی پر انہیں مبارکباد دی گئی۔ اس کے بعد مہمانوں کی مٹھائی اور لسی سے تواضع کی گئی

موٹو چھوٹو سے بچوں نے بہت دلچسپی لی بڑوں نے بھی اسے پسند کیا چیز ہی ایسی ہے۔ اپریل کے انعامی مقابلے میں تیرہ بچوں نے حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مس جمیلہ عبداللہ لاہور
۲۔ محمد عمران ۔ فتح گڑھ
۳ سید التجا علی ۔ کانپور
۴ عظمت بخش اعوان ۔ خانیوال
۵ میر ظہور علی خاں ۔ حیدرآباد دکن
۶ محمد احسن ڈبائی
۷ عبدالحی ۔ دسنہ
۸ ذکی احمد ۔ سندیلہ
۹ بنت فضل اللہ ۔ حیدرآباد
۱۰ ۔ محی الدین فاروقی ۔ آرہ
۱۱ ۔ بنت منظور احمد خاں صاحب۔ حیدرآباد
۱۲۔ موسیٰ عبدالرحمٰن ۔ حیدرآباد
۱۳ ۔ ک س، احمد حسن قریشی ۔قرول باغ دہلی ۔

مس جمیلہ عبداللہ اس مقابلے میں اول آئیں۔ محمد عمران دوم اور سید التجا علی کانپور سوم ۔ مولوی عبدالغفار صاحب مدہولوی نے مضمونوں کو جانچنے کی تکلیف گوارا فرمائی ۔ ہماری اور سب بچوں کی طرف سے شکریہ قبول فرمائیں۔

مئی کے موٹو چھوٹو کی طرف اب تک کسی بچے نے توجہ نہیں کی حالانکہ وہ بھی توجہ کے قابل ہیں۔ ۲۰ر جون تک مضمون آجانا چاہئیں جون کے انعامی مقابلے کی آخری تاریخ ۱۵ر جولائی رکھی جاتی ہے ۔

پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کی تیاری شروع ہو گئی ہے اس پرچے میں کہیں تم اس کا اشتہار بھی پڑھو گے پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں اور بڑوں کا خیال ہے کہ پچھلے سال خاص نمبر نکلا ہے۔ اس نمبر دیکھ کر انشاءاللہ وہ اور بھی خوش ہوں گے اگلے پرچے میں اس بارے میں زیادہ تفصیل سے باتیں کریں گے ۔

اس پرچے کا سرورق تعلیمی مرکز نمبر ا کے طالبعلم عزیزی رحیم بخش بجم اللہ نے بنایا ہے۔ جناب اختر حسن صاحب فاروقی استاد جامعہ کی نوازش ہے یہ ڈیزائن ہمیں ملا ہے۔ بچے کی عمر ۱۱ سال ہے۔ امید ہے بچے پسند کریں گے

اس مہینے کے بعد جامعہ میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو جائیں گی اگست سے نیا سال شروع ہوگا۔ اوکھلے کی عمارت اس وقت تک بالکل تیار ہو جائے گی جامعہ کا ابتدائی مدرسہ وہیں چلا جائے گا۔ قرول باغ کا ابتدائی مدرسہ صرف شہر کے لڑکوں کے لئے ہوگا باہر کے لڑکے اوکھلے میں رہیں گے ۔

امیرِ جامعہ کا انتقال

یہ تقریر شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ۱۰ رمئی کی شام کو دہلی ریڈیو اسٹیشن سے براڈکاسٹ کی تھی۔ (ایڈیٹر)

کل رات کو کوئی ایک ڈیڑھ بجے، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر مختار احمد انصاری دنیا سے اچانک رخصت ہوگئے۔ ابھی پرسوں کسی کام سے مسوری تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں دل کی حرکت بند ہوگئی اور یہ بے شمار کاموں اور ان گنت قدر دانوں کو، اس دیس کو جس کی خاطر انھوں نے ہر طرح کی کڑیاں جھیلیں، ان مسلمانوں کو جن کی خدمت میں ساری عمر گذار کر اُن کا بُرا ہی سنا، اُن ہندو مسلمانوں کو جن میں میل ملاپ اور محبت پیدا کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کیا، ان مریضوں کو جن کی آخری امید دل کا سہارا اُن کا مطب تھا، اس جامعہ ملیہ کو، اس کے بچوں کو دیکھ کر ان کا خون چلّوؤں بڑھتا تھا۔ اور جن سے انھیں یہ امید تھی کہ ان کی زندگیوں میں وہ آرزوئیں پوری ہوسکیں گی، جو اس وقت بس ارمان ہی ارمان ہیں۔ ہاں گھر بار کو، بال بچوں کو، عزیزوں کو، دوستوں کو، سب کو چھوڑ کر نہ جانے جی میں کیا آئی کہ آدھی رات گئے اس راہ پر چل پڑے جس پہ چلنے والے پھر منہ موڑ کر نہیں دیکھتے۔ ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے ایک اُن کے اپنے گھر میں اندھیرا نہیں ہوا، اس وقت دیس کے ہر بچے بچے کے دل میں اس غم کی اندھیاری چھائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات فیض کا ایک چشمہ تھی اور یہ چشمہ اپنے پرائے سب کے لئے بہتا تھا۔ اُن کی شخصیت ایک سہارا تھی جو وقت پڑے سب کے کام آتا تھا۔ اُن کا دل ایک ٹھکانا تھا، جہاں ہر دکھی دل کو پناہ ملتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جس دم سے دنیا کے میدان عمل میں قدم رکھا اُن کی شخصیت نے سب کا من موہ لیا، اس لئے کہ وہ نیک تھے، سچے تھے، مخلص تھے، فیاض تھے ساتھیوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان

غم کو اپنا غم جانتے تھے۔ اس سے پہلے کہ اُن کی سیاسی خدمات انھیں مشہور کریں، ہزاروں آدمی انھیں اپنا سمجھنے لگے تھے، ان کی سوجھ بوجھ، تدبر، خلوص اور ایثار نے بہتیروں کو ان کا گرویدہ بنایا۔ لیکن ان کی محبت اور ہمدردی نے کہیں زیادہ لوگوں پر اپنا جادو کیا۔ اس وقت ان سب کی نظروں میں ان کی پریم بھری آنکھیں، اُن کا مسکراتا ہوا چہرہ پھر رہا ہوگا اور ان کی محبت کی یاد سے دل میں رہ رہ کر درد اٹھتا ہوگا۔ پھر سوچئے کہ اس سانحہ سے ان لوگوں کے دلوں پر کیسی چوٹ لگی ہوگی، جو ڈاکٹر صاحب کے خاندان، یا جامعہ ملیہ کے بچوں اور استادوں کی طرح خاص اُن کے سایے میں رہتے تھے۔ موت کی گھڑی سب کے لئے آتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب تو ابھی ۵۸ سال کے تھے۔ ان کے لئے تو وہ زمانہ آرہا تھا کہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودوں کو پھلتے پھولتے دیکھتے۔ اور جب وہ نہ ٹلنے والی گھڑی آتی تو انھیں کچھ نصیحت، کچھ وصیت کرکے اطمینان سے آنکھیں موند لیتے۔ پر یہ سب خدا کو منظور نہ تھا۔ اور ہوتا وہی ہے جو اُسے منظور ہو۔ وہ اکیلے چل دئے اور ہمیں اکیلا چھوڑ گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی ساری زندگی میں، سچ پوچھئے تو اُن کے خاندان کی روایتوں کا رنگ جھلکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے وطن یوسف پور کے انصار، حضرت ایوب انصاری کی اولاد ہیں جن کے گھر میں مکے سے مدینے ہجرت کرنے والے قافلے کے سردار نے جاکر قیام فرمایا تھا اس وقت جب مخالف اس کی حق کی پکار کو اپنے شور سے دبا دینا اور اس کی تعلیم کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے تھے، پر جس کی للکار سے سوتی دنیا چونک اٹھی اور دکھیا انسانیت نے بڑی ہی راحت پائی۔ اسی وقت سے سچائی کی مدد، مہمان نوازی، فیاضی اس خاندان کا حصہ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے تو اُن کے خاندان کا ستارہ ذرا گردش میں تھا۔ لیکن بچپن ہی سے ان کی طبیعت میں بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ ۱۸۹۶ء سے جب انھوں نے اپنے وطن کا مڈل اسکول چھوڑا، اس وقت تک جب وہ انگلستان میں تعلیم سے فارغ ہوکر ہندوستان واپس آئے۔ یہ اپنی محنت اور ذہانت سے ہمیشہ تعلیمی وظیفے حاصل کرتے رہے۔ اور ان وظیفوں سے اکثر چھپ چھپ کر اپنے کسی عزیز کو تعلیم دلاتے رہے۔ کامیابی کے ساتھ ساتھ اُن کا یہ مبارک شوق بھی بڑھتا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں، جب انھوں نے دلی میں فتح پوری

اپنا مطلب کھولا تو اُن کی غیر معمولی طبی لیاقت کے ساتھ اُن کی مہمان نوازی اور دریا دلی بھی مشہور ہوئی۔ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے ٹرکش میڈیکل مشن کی رہبری کے لئے اپنی پریکٹس چھوڑی، گھر میں جو کچھ بک سکتا تھا بیچ ڈالا اور زخمی ترکوں کی مرہم پٹی کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو ہاتھ خالی۔ پھر پریکٹس شروع کی۔ ذرا اطمینان ہو چلا تھا کہ خلافت کی تحریک شروع ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے پھر اپنا وقت اور روپیہ قوم پر نثار کر ڈالا۔ ۱۹۲۰ء میں جب وہ خلافت کا ڈیپوٹیشن لے کر انگلستان گئے، تو اپنا موٹر بیچ کر۔ جب واپس آئے تو ملک میں ایک تہلکہ تھا۔ اس وقت کوئی خدمت ایسی نہ تھی جسے انجام دینے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم جھجکے ہوں۔ وہ کون سودا تھا، جو اس سر میں نہ تھا۔ نہ دن چین سے گذرتے تھے نہ راتیں۔ اور ان کا حوصلہ تھا کہ بڑھائے جاتا تھا، اور بہت تھی کہ ہمیز لگائے جاتی تھی۔ ۱۹۲۲ء کے بعد کچھ ملک میں سکون سا تھا۔ پر اس سکون میں وہ اور بھی بے چین تھے کیونکہ ہندو مسلمانوں میں میل، جسے وہ جان سے عزیز رکھتے تھے، اس وقت فنا ہوتا نظر آتا تھا اور وطن کے دونوں بیٹوں میں پریم اور محبت کا رشتہ قائم کرنے کی خاطر کم لوگ ہیں جنھوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طرح اپنی عزت شہرت اپنے سُکھ، اپنے چین کو داؤں پر لگایا ہو۔ اس پاک کوشش میں انھیں جو دُکھ پہنچے اُن کا ذکر اس وقت کیا کروں۔ انھوں نے اس پاک طینت نیک نفس انسان کا دل چھلنی کر دیا تھا۔ آج جب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکا ہمیں سب کو، ہندو مسلمانوں کو، اس پاک کوشش میں اس کی ناکامی پر شرم سے سر اُٹھانے کا موقع نہیں ہے اور اس شرم کو بس آنسوؤں کی دو بوندیں نہیں دھو سکتیں۔ اس کے لئے ساری عمر اسی کام میں سر کا پسینہ ایڑیوں تک بہانا ہوگا جب بھی شاید نہ دھلے گی۔ اسی کام کی خاطر، ہاں جاننے والے جانتے ہیں کہ اسی کام کی خاطر، انھوں نے اپنی تمام پریشانیوں اور دشواریوں کو بھلا کر کانگریس کی صدارت ۱۹۲۷ء میں منظور کی۔ اسی کی خاطر سارے ملک میں مارے مارے پھرے، اسی کی خاطر اپنوں کے بُرے بنے۔ پر اپنی زندگی کے ہر کام سے آپس میں پھر دوسرا اعتماد، پریم اور محبت کا بیج بوتے رہے۔ اسی کی خاطر جامعہ ملیہ کے کمزور پودے کی آبیاری اپنے ذمہ میں لی اس لئے کہ ملک کا رنگ، اور ملک والوں کے ڈھنگ دیکھ کر ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ نئے ہندوستان کے لئے نئے آدمیوں

کی ضرورت ہے۔ ایسے آدمیوں کی جو اپنی اچھی چیزوں پر بھروسہ رکھیں۔ انھیں برتیں۔ انھیں ترقی دیں، تاکہ دوسروں کی اچھی باتوں کو سمجھیں اور ان کی عزت کریں، خود مضبوط ہوں اور دوسروں کی مضبوطی سے ڈریں نہیں۔ مانگیں ہی نہیں دینے کو کچھ رکھتے ہوں اور دینے کی ہمت بھی رکھتے ہوں۔ مسلمانوں میں ایسے آدمی پیدا کرنے کے لئے انھوں نے اپنی امیدیں اس تعلیم گاہ سے باندھی تھیں اور اسکی ترقی کو وہ ملک کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ آج سہ پہر کے وقت جامعہ ملیہ والوں نے اپنے سرپرست کو اپنی نئی بستی کے پہلو میں جاکر دفنایا ہے۔ خدا انھیں توفیق دے کہ وہ اس آرزو کو بھی پورا کرسکیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کا دکھا ہوا زخمی دل اپنے ساتھ لے گیا۔ اب اس مدرسے کے بچوں کے سر پر ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ نہ پھرے گا۔ اس کے کام کرنے والوں سے کوئی آآکر شرما شرما کر یہ نہ کہے گا کہ میں تمہارے لئے کچھ کام نہیں کرسکا تم سے آنکھ ملانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ وہ اپنے لڑکپن میں اب کس سے روٹھیں گے اور کون انھیں آکر منائے گا۔ ہاں کوئی نہیں، پر اس دکھی دل کا دکھ ہمیں یاد رہے گا۔ اور ہم میں کچھ ہے تو ہم سے کچھ کرائے گا بھی۔ ہمارا کام بڑھے گا، پھیلے گا، ہمیں ہزار دولتیں ملیں گی۔ پر ڈاکٹر انصاری کا سا دل نہ ملے گا۔





شہد کی مکھّی

از جناب محمد شفیع الدین صاحب نیّر، استاد موڈرن ہائی اسکول، نئی دہلی

اُڑتی، اُڑتی گرتی پڑتی — بُنتی، تُنتی اور اکڑتی،
شہد کی مکھی گاتی آئی — بین پروں سے بجاتی آئی
میں نے کہا اے شہد کی مکھی! — مجھ کو بتا اے شہد کی مکھی!
یوں اتراتی شور مچاتی — کیوں پھرتی ہے وقت گنواتی
بولی باغ سے آئی ہوں میں — پھولوں کا رس لائی ہوں میں

مجھ کو نہیں باتوں کی فرصت
مجھ کو نہیں کاموں سے مہلت

رس سے شہد بناتی ہوں میں
گھر میں ڈھیر لگاتی ہوں میں،

گھر بھی ایک بنایا میں نے
اس کو خوب سجایا میں نے

صاف پڑا ہے کونا کونا
موم کا تکیہ موم بچھونا،

کہیں مجھے تم چھیڑ نہ دینا
مفت کی آفت مول نہ لینا

ڈنک میں میرے زہر بھرا ہے
زہر بھرا ہے قہر بھرا ہے

لو اب مجھ کو جانے دو تم
کام سے جی بہلانے دو تم

کاہل بن کر میں نہیں سوتی
وقت کو اپنے میں نہیں کھوتی

کام ہی میں آرام ہے مجھ کو
کام سے دن بھر کام ہے مجھ کو

اِٹلی اور ابی سینیا

محمد حسین حسان

اگر تم اخبار پڑھتے ہو تو تمھیں حبش کی شکست اور اٹلی کی فتح کا حال معلوم ہوگا۔ نہ معلوم ہو تو اپنے بزرگوں یا استاد سے پوچھ لینا۔ یہ لڑائی پچھلے سال اکتوبر ۱۹۳۵ء میں شروع ہوئی تھی اور اب گویا سات مہینے بعد اٹلی کی فتح پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ ویسے تو جب دو لڑتے ہیں تو ایک ہارتا ہے۔ ایک جیتتا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو یہ دو طاقتیں ٹکر کی نہیں تھیں۔ اور فرق انیس بیس کا نہیں۔ ایک اور پچاس کا تھا۔ اب تم اس سے اندازہ کرو کہ اٹلی کے پاس۔ چار پانچ سو تو ہوائی جہاز تھے اور پھر بہتر سے بہتر اور نیا سے نیا لڑائی کا سامان، فوج بھی بہت باقاعدہ فوجی تعلیم پائی ہوئی۔ ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح۔ دوسری طرف بے چارہ حبش! جس کے پاس لے دے کے کل ۱۲ ہوائی جہاز اسی طرح دوسرا سامان بھی بہت کم۔ لڑنے والے ویسے تو بہت بہادر، نیزہ، تلوار اور بندوق کے دھنی۔ لیکن لڑائی کی نئی چالوں سے بے خبر اس کے علاوہ سب سے بڑھ کر روپے پیسے کا توڑ۔ شاہ حبش بہت دن تک لڑائی کو ٹالتے رہے کچھ تو ان ہی مجبوریوں کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ یورپ کی پنچایتی انجمن نے جو مختلف ملکوں کے جھگڑے چکاتی ہے شاہ کو یقین دلایا کہ وہ حبش کی حمایت کرے گی اور اٹلی کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دے گی۔ لیکن دشمن سر پر آن پہنچا۔ تو مجبوراً حبش کی فوجیں آگے بڑھیں اور اپنے بس بھر خوب مقابلہ کیا۔ پھر بھی ہار گئیں اور تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یورپ کی یہ پنچایتی انجمن مدد کو آگے بڑھنا تھی۔ نہ بڑھی۔

تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس نامراد لڑائی کی بنا کیا ہے بات یہ ہے کہ حبش کے جنوب میں اٹلی کا علاقہ ہے سمالی لینڈ اس سے ملا ہوا ایک مقام ہے۔ وال وال۔ یہاں دونوں ملکوں کی حد بندی ٹھیک سے نہ تھی۔ لیکن عام طور پر سمجھا یہی جاتا تھا کہ یہ حبش کے ملک میں ہے اسی وال وال پر اٹلی نے دسمبر ۱۹۳۴ء میں قبضہ کر لیا۔ حبش کے چند سرحدی دستوں نے اٹلی کی فوجوں کا مقابلہ کیا بس یہیں سے جھگڑا شروع ہوتا ہے۔ سرحدوں پر آئے دن اس قسم کی جھڑپ ہوتی رہتی ہے اور اس کا تصفیہ بھی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو نیت ہی کچھ اور تھی۔ اصل میں اٹلی کی آبادی بہت بڑھ رہی ہے اور روپے پیسے کی بھی کمی ہے اس لئے اسے ایسے ملک کی تلاش تھی۔ جہاں اٹلی کے لوگ کھپ سکیں اور دولت حاصل کرنے کے ذریعے بھی ہاتھ آئیں۔ خوش قسمتی

لہ نومبر ۳۵ء کے پیام تعلیم (سالگرہ نمبر) میں محمود علی خاں صاحب نے اٹلی پر بہت اچھا مضمون لکھا تھا (صفحہ ... تا صفحہ ...) اگر اس مضمون کو تم دیکھ لو، تو آج کے مضمون میں تمھیں بہت مدد ملے گی۔

بدقسمتی سے یہ دونوں باتیں یہاں موجود ہیں۔ ایک تو علاقہ بہت بڑا ہے اور نو آبادی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرے یہاں چیزیں بہت اچھی اچھی پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً کھجور، کیلا، قہوہ اور ربڑ۔ علاوہ اس کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سونے تانبے ٹین اور مٹی کے تیل کی بہت سی کانیں ہیں اسی لئے سب ملک اسے للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

بس یہی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اٹلی موقعہ پاتے ہی غریب حبش پر چڑھ دوڑا۔ اور وہاں کے لوگوں پر وہ ظلم کئے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم زہریلی گیس کا استعمال ہے جس کی وجہ سے بے شمار حبشی مرد، عورتیں، جوان اور بوڑھے دم گھٹ کر مر گئے۔

اس کی اس حرکت کی سبھی قوموں نے مخالفت کی طرح طرح کی دھمکیاں دیں۔ بہت سی پابندیاں لگائیں مگر وہ کسی بات کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ اٹلی والوں کی طرف سے کہا یہ جاتا ہے کہ حبش پر قبضہ کر کے ہم وہاں کے غیر مہذب اور وحشی لوگوں کو مہذب بنائیں گے۔ وہاں تمدن پھیلائیں گے۔ سڑکیں بنائیں گے ریلیں نکالیں گے، پل بنائیں گے اور مدرسے قائم کریں گے اور یہ انھوں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ ہر طاقتور قوم اپنے فائدے کے لئے جب کسی کمزور قوم کو غلام بنانا چاہتی ہے تو ایسے ہی حیلے تراشتی ہے۔ اٹلی نے تو یوں سمجھو کہ اس سبق کو دہرایا ہے ادھر حبش کا یہ حال کہ بہت سی قوموں برطانیہ اور بلجیم وغیرہ نے اسے لڑائی کا سامان دینے سے انکار کر دیا اس کی وجہ سے وہ اور بھی مشکل میں پڑ گیا۔

غرض لڑائی شروع ہوئی۔ ۳ر اکتوبر کو کئی اطالوی دستے موسائی کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ لیکن حبش کی فوج مقابلے پر نہ آئی۔ ۶ر اکتوبر کو حبش کے ایک شہر ادوا پر اتنے بم برسائے گئے کہ بالکل برباد ہو گیا انجمن صلیب احمر کے خیموں پر بھی بم پھینکے گئے جس سے کئی نرسیں ہلاک اور بہت سی زخمی ہوئیں۔ ۸ر اکتوبر کو بہت مقدس (پاک) شہر اکسوم کو فتح کیا۔ وہاں بھی اتنے بم برسائے کہ سوائے گورنر کے محل کے سارا شہر کھنڈر ہو گیا۔ ۱۹ر اکتوبر کو ٹفارا اور کٹانا پر ۳۰۰ بم برسائے۔ ۲۱ر اکتوبر کو داگینڈی اور شیلاڈ پر بم برسائے اور وہاں کے رہنے والوں کو مشین گنوں سے ہلاک کیا۔ اسی تاریخ کو بردولی میں آگ لگائی اور شیلاڈ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۷ر اکتوبر کو گوراہی پر حملہ کیا اور وائرلیس اسٹیشن کو تباہ کر دیا ۹ر نومبر کو گاہیور پر ایک ہزار بم برسائے۔ ۸ر دسمبر کو ڈیسی پر ایک ہزار بم پھینکے گئے ان میں بعض پھٹنے والے اور بعض آگ لگانے والے تھے۔ ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء کو ہرار پر زبردست بم باری کی ۵ر جنوری کو امبا گالی پر ہوائی حملہ کیا اور گیس کے بہت سے بم پھینکے ۹ر جنوری کو گمبش کے علاقے میں بمباری کی۔ ۲۹ر مارچ کو ہرار پر تیس ہوائی جہازوں نے دو گھنٹے تک بم برسائے۔ پورا شہر دوزخ کا نمونہ بن گیا۔ مسجدیں، گرجے اور خانقاہیں سب تباہ ہو گئیں۔

اسی زمانے میں حبش کا بادشاہ یورپ کی پنچایتی انجمن سے اٹلی کے ظلموں کی برابر فریاد کرتا اور اس سے مالی مدد مانگتا رہا۔ لیکن اس انجمن نے اس کی کچھ بھی مدد نہ کی۔ حبش کی ملکہ نے تمام دنیا سے اپیل کی کہ حبشہ کے بچانے میں دیر نہ کی جائے وہاں کی ایک شاہزادی نے پنچایتی انجمن کو تار بھیجا کہ مسلسل سات دن سے دشمن ہماری عورتوں اور بچوں پر گیس کے بم برسا رہے ہیں ہمارے سپاہی بہادر ہیں وہ میدان میں جان دینے کو تیار ہیں

لیکن گیس سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں نہ تو نقاب ہے اور نہ کوئی اور چیز" اس فریاد کا بھی کوئی جواب ملا اب تم ہی بتاؤ کہ بے چارا بادشاہ ایسی حالت کو کب تک برداشت کرتا۔ اس نے اور اس کی قوم نے اپنے بس بھر دشمنوں کا پورا مقابلہ کیا مگر ایک تو ان کے پاس روپیہ اور ہتھیار کی کمی دوسرے مقابلہ ایسے دشمن سے۔ اس نے جب دیکھا کہ بچا ہی کے علاوہ کوئی امید نہیں۔ اور اٹلی والوں کے ہوائی جہازوں مشین گنوں اور زہریلی گیسوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ادھر دشمن کی فوج ادیس ابابا تک بڑھ آئی ہے اور شمالی حبش کا پورا علاقہ فتح کر چکی ہے تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ملک کو چھوڑ دے۔ چنانچہ شہنشاہ ایک مقام دیبوتی پہنچ کر اور وہاں سے بیت المقدس روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ انگلستان جانے کا تھا مگر انگریزوں نے اس وقت اسے مناسب نہ سمجھا

اس فتح کے بعد اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے اعلان کیا ہے کہ حبش کا ملک اٹلی کے بادشاہ کی حکومت میں شامل کر لیا گیا ہے اور بادشاہ اب شہنشاہ کہلائے گا۔

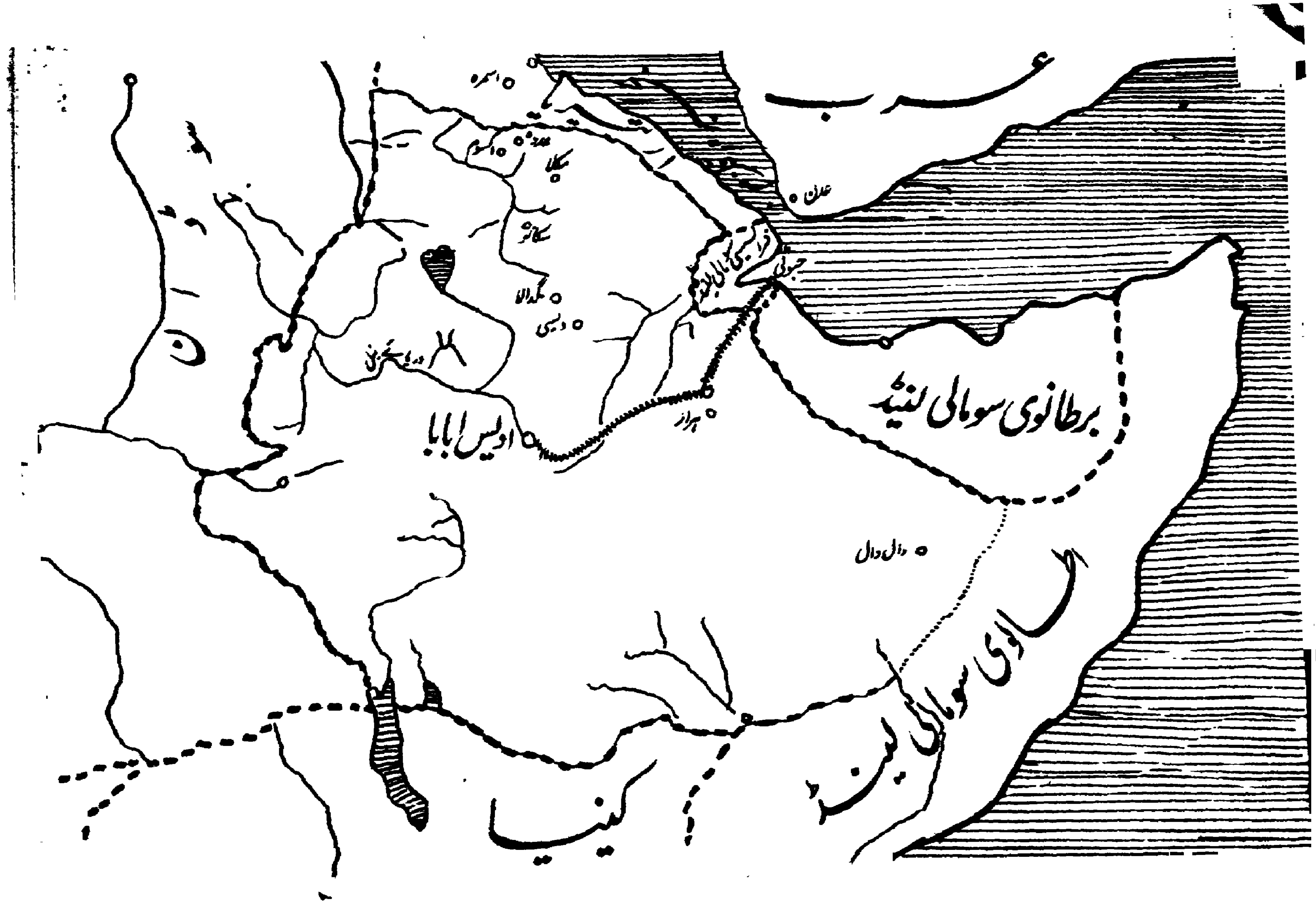
یورپ کی حکومتوں نے حبشہ کی مدد تو بالکل نہ کی لیکن اٹلی کی یہ کامیابی انہیں ناگوار گذری ہے۔ اس لئے اٹلی کے اس اعلان کو ابھی تک کسی نے منظور نہیں کیا ہے فرانس تو خاموش ہے اور برطانیہ بہت پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے بہر حال کچھ بھی ہو۔ حبشہ کی تو ترکی تمام ہو گئی۔ آج سے ایک سال پہلے وہ آزاد تھا اپنی قسمت کا آپ مالک، لیکن اب غلام ہے۔ غلام بھی ایسی قوم کا جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے دیکھئے حبش کے رہنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ امید تو یہی ہے کہ غیرت مند حبشی غلامی کی اس ذلت کو زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکیں گے اور جس طرح چالیس برس پہلے اٹلی کو سخت شکست دے کر اپنے کو بالکل آزاد کر لیا تھا اسی طرح اب بھی اس جوئے کو اتار پھینکنے کی پوری کوشش کریں گے

ویسے تو تمام دنیا میں حبشیوں سے ہمدردی کی جا رہی ہے لیکن ہندوستان چونکہ خود غلامی کے شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کو حبش کے اس انجام سے خاص طور پر دکھ پہنچا ہے اور ہمدردی کے اظہار کے لئے تمام ملک میں جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں ؎

(حبش کا نقشہ صفحہ ۲۱۴ پر دیکھو)

لطیفہ

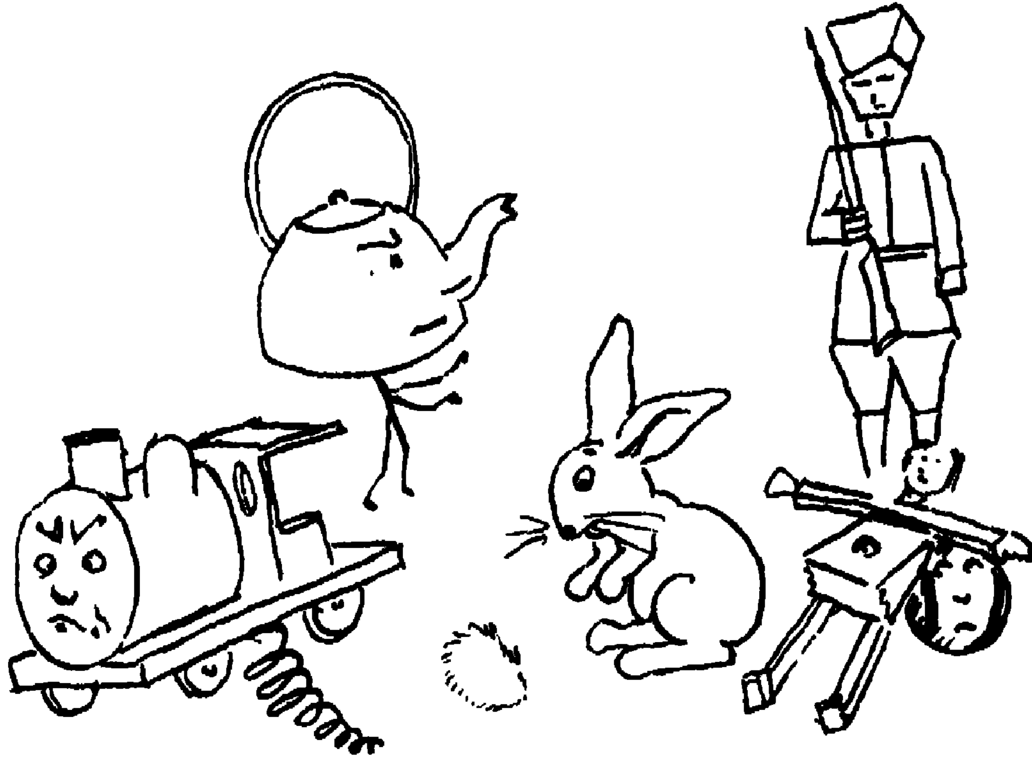
ایک چور درخت پر چڑھا کھجوریں کھا رہا تھا کہ مالی نے دیکھ لیا۔
چور گھبرا گیا۔ مگر اپنے حواس قائم رکھے۔ مالی نے کہا تم درخت پر کیا کر رہے تھے؟
چور نے جواب دیا۔ " اپنی گائے کے لئے گھاس لینے چڑھا تھا"
مالی نے غصے سے کہا "کبھی گھاس بھی درختوں پر پیدا ہوتی ہے"
"اسی لئے تو میں بھی نیچے آ رہا ہوں۔ اور یہ کہہ کر تیزی سے نیچے اتر کر کسی طرف بھاگ گیا"


عرب
عدن
برطانوی سومالی لینڈ
اطالوی سومالی لینڈ
ادیس ابابا
ہرار
وال وال
کینیا
جبوتی

کھلونوں کی بغاوت

از جی عزت بخش صاحب اعوان

سردی کا موسم تھا۔ کڑاکے کی سردی! ایک چھوٹے سے کمرے میں بہت سے کھلونے بکھرے پڑے تھے۔ ان کے چہرے غصے سے جیسے ان میں جان ہی نہ ہو۔ پھر ظلم پر ظلم یہ کہ رات کو انھیں یوں ہی سردی میں اکڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور ان کے آرام کی ذرا بھی فکر



تمتما رہے تھے۔ بچّے دن بھر ان کے ساتھ کھیلے تھے اور ایسی بے دردی کا سلوک کیا تھا نہ کی۔ ان بے چاروں کا جاڑے سے برا حال تھا۔ سکڑے جا رہے تھے۔ پاس ہی انگیٹھی

رکھی تھی مگر اس میں آگ کہاں! اور کچھ نہیں تو کونلے ہی ہوتے وہ خود ہی انھیں سلگا لیتے۔

آخر بھورے رنگ کے خرگوش نے ایک سفید ٹکڑے کی طرف دیکھا (یہ اس کی دم تھی) اور بہت غمگین لہجے میں کہا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے"۔

اس پر ایک سپاہی صاحب جو ذرا سے لنگڑے تھے بڑے جوش سے بولے کیا کرنا چاہیئے! بدلہ لینا چاہیئے اور کیا کرنا چاہیئے۔ تم لو یا نہ لو میں تو ضرور لوں گا"۔

"اور میں بھی" ایک فوجی افسر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

پاس ہی میاں انجن بڑے بڑبڑا رہے تھے۔ وہ لیڈروں کے انداز میں بولے "ہمیں ایک جلسہ کرنا چاہیئے"۔

"کس لئے" چھوٹے کھلونوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"ارے بے وقوفو تم آج میرے پاس چائے پینے آؤ۔ اس وقت سوچا جائے گا کہ کس طرح ان ظالم آقاؤں ـــــ جمیلہ، حمیدہ، رشید سے بدلہ لیا جا سکتا ہے" "مگر پہلے تو ہمیں اپنی مرمت کی ضرورت ہے" میاں خرگوش نے تھکی ہوئی آواز میں کہا جو ابھی تک اپنی دم کا سوگ منا رہے تھے۔ "کیسے بے وقوف ہو جی تم۔ جیسے صرف تم ہی کو نقصان پہنچا ہے اور تو سب آرام سے ہیں"۔

مگر خرگوش پر اس ڈانٹ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ تو اپنی دم کے غم میں گھلا جا رہا تھا۔ کہنے لگا "ہائے میری دم "کتنی نازک کیسی خوب صورت! مجھے اس پر کس قدر ناز تھا" اب اس سے بالکل ضبط نہ ہو سکا۔ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اور ایسا بے حال ہوا کہ بولتی گڑیا پر گر پڑا اور وہ اماں ابا، ابا، اماں کہتی زمین پر آ رہی۔

"خاموش" انجن صاحب زور سے چلائے "چار پر آؤ" جب انجن اس انداز سے بولتا تھا تو دوسرے کھلونے مجبوراً اس کا کہنا مانتے تھے کچھ تو اس لئے کہ یہ ان سب میں بڑا تھا اور کچھ

اس لئے کہ جب وہ ناراض ہو جاتا تھا تو انہیں اپنے پہیوں تلے روند دیتا تھا اور یہ اس میں بڑی خراب عادت تھی۔

سب جمع ہو گئے تو انجن صاحب نے گلا صاف کیا۔ اور بڑی شان سے فرمایا۔ حضرات! آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہو گی کہ آج کے جلسے کے لئے میں ایک ایسے صاحب کو صدر چن رہا ہوں جنھوں نے آپ کی بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ بزرگ ذات میں خود ہوں ——"

"بکواس مت کرو، پہلے یہ بتاؤ کہ چائے کہاں ہے پہلے تو چائے چاہئے" فوجی افسر نے بات کاٹ کر کہا۔

"چائے وائے کچھ نہیں" انجن نے جھنجھلا کر کہا۔ اس جھنجھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ صدر ہے۔

چائے نہ ہونے پر جلسے میں کھلبلی مچ گئی سب نے جوش میں آکر اس قدر شور مچایا کہ بی کیتلی، کو جو ایک کونے میں چولہے پر خاموش بیٹھی تماشہ دیکھ رہی تھیں دخل دینا پڑا اور اپنی پوری آواز سے گانے لگیں۔

کھلونے اُن کا بہت ادب کرتے تھے، سب نے چپ سادھ لی اور اُن کا گانا سننے لگے۔

"اس شور سے فائدہ؟ تمھارے اس شور دغل کو سن کر کوئی تمھیں بھی بے وقوف انسان ہی سمجھے گا۔ تم اپنا مطلب مجھ سے بیان کرو میں فیصلہ کروں گی، کیتلی نے گا کر کہا۔ اچھا اب میں باری باری تمھاری فریاد سنتی ہوں۔

"فوجی افسر"!

افسر نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا، رشید نے میرے گھوڑے کو بری طرح زخمی کیا میری سنگین توڑ دی اور تلوار چھین لی"

"خرگوش تم آگے آؤ"

"کوئی ہے! اسے لے جاؤ اور لخلخا سنگھاؤ۔ یہ تو بے ہوش ہوا جا رہا ہے" بی چینی کی گڑیا تم اپنی فریاد سناؤ"

جناب میرے سارے کپڑے جمیلہ نے

چھین لئے اور اب میں سردی سے مر رہی ہوں۔

"انجن"

انجن اس بات پر سخت ناراض تھا کہ اسے پہلے کیوں نہ بلایا گیا۔ کہنے لگا

"آہ میرا کوئی علاج ———"

"علاج کی فکر نہ کرو" کیتلی نے بات کاٹ کر کہا۔ لیکن تمھارے زخم کہاں کہاں لگے ہیں؟

"ہائے میرا اسپرنگ ٹوٹ گیا"

"کس کا قصور ؟"

"رشید کا"

"اچھا اب میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ ایک ایک کی شکایت سنوں، میں سمجھتی ہوں کہ تم سب کے سب زخمی ہو گئے"

"ہاں ہم سب"۔ باقی کھلونوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔

اچھا تو تم سب اپنا بدلہ لو

سب کھلونے :۔ "کس طرح"

کیتلی نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا کل جب حمیدہ، جمیلہ اور رشید یہاں کھیلنے آئیں تو انھیں اپنے کھلونے سمجھ کر اُن سے ٹھیک اسی طرح سلوک کرو جیسا انہوں نے تمھارے ساتھ کیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح۔ کم نہ زیادہ"

"لیکن حمیدہ کے تو دم بھی نہیں جو میں اسے کھینچوں" میاں خرگوش سسکیاں بھر کر بولے

"اتنے کم زور نہ بنو۔ تم اس کے بال نہیں کھینچ سکتے ؟" کیتلی اتنا کہہ کر چپ ہو گئی اور سب کھلونے بھی دوسرے دن کے متعلق اپنے جی میں کچھ فیصلہ کر کے کسی نہ کسی طرح سونے کی تیاری کرنے لگے۔

دوسرے دن صبح تڑکے سب سے پہلے بی جمیلہ نے اس کمرے کا رخ کیا۔ لیکن کمرے میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ چینی کی گڑیا نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور وحشیوں کی طرح اس کے کپڑے پھاڑنے شروع کئے۔ جمیلہ اس ایکا ایکی حملے سے ڈر گئی اور زور سے چیخ پڑی

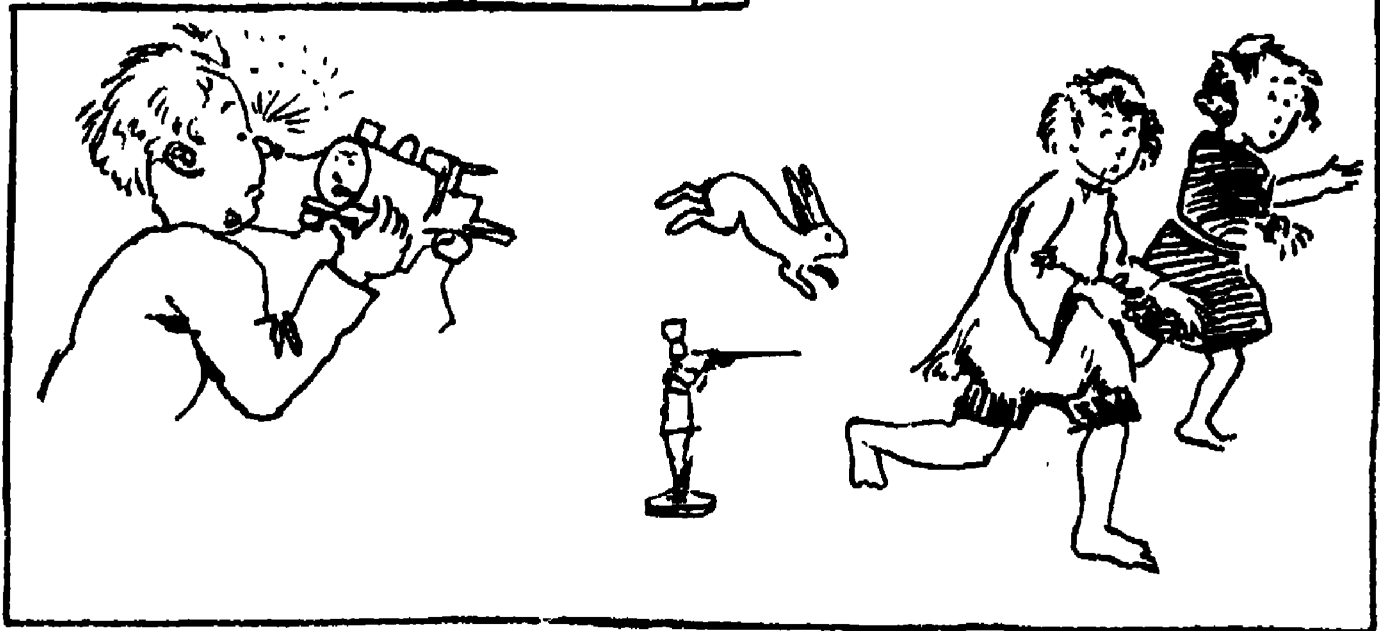
رشید اور حمیدہ اس کی چیخیں سن کر دوڑے آئے۔ مگر جوں ہی کمرے میں داخل

ہوئے۔ کھلونوں نے ان پر بھی حملہ بول دیا پھر تو وہ جو تم بیزار ہوئی کر توبہ بھلی۔

کھلونوں کے سردار مسٹر انجن اور بچوں کے میاں رشید تھے۔ کھلونوں نے جب دیکھا کہ ہاتھا پائی میں ہار جائیں گے تو اپنی توپیں استعمال کیں۔ فوجی افسر نے رشید پر گولا باری کی مسٹر انجن نے بھی اس موقع پر بڑی بہادری دکھائی اور بڑھ کر اس کی ناک کھینچ لی۔ کیوں نہ ہو آخر سردار تھے۔ رشید اس آخری حملے کی تاب نہ لا سکا اور بھاگا دم دبا کے۔ ہائے تیرے رشید کی سردار کے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر فوج بھی بھاگ نکلی۔ آگے آگے رشید اس کے پیچھے جمیلہ اس کے پیچھے حمیدہ۔ اور ان سب کے پیچھے جناب خرگوش صاحب۔ کیتلی اس دلچسپ نظارے کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکی اور اس زور سے ہنسی کہ اس کا ڈھکنا دور جا گرا۔

تھوڑی دیر کے بعد خرگوش صاحب اکڑتے اور مٹکتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے ان کے منہ میں حمیدہ کے بالوں کا گچھا تھا (ترجمہ)





کتان (۲)

جناب اسرائیل احمد خاں صاحب جامعی

واللہ یہ ایک تعجب ہے اور ایک نہایت دل پسند[1] تعجب! کاغذ بولا، آج میری نفاست اور خوب صورتی ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ اب میں ایک کاغذ ہوں۔ مجھ پر اب لکھا جائے گا، خدا ہی جانے کہ آئندہ مجھ پر کیا تحریر نظر آئے گی۔ میری بھی کیا ہی خوش قسمتی ہے کہ اتنی گردش تقدیر[2] کے بعد بھی جوں کی توں قائم ہے۔!"

اور اب کاغذ پر لکھنے کی باری آئی۔ دنیا کی سب سے زیادہ دل چسپ اور نصیحت آموز[3] کہانیاں اس پر لکھی گئیں۔ لوگوں نے ان کہانیوں کو پڑھا اور سنا۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر ان کی تعریف و توصیف[4] کی لوگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ کہانیاں انسانوں کو زیادہ عقل مند بنائیں گی اور ان کی حالت کو بہتر کر دیں گی جو لفظ اس کاغذ پر لکھے گئے تھے وہ اپنے اندر دنیا کے لئے ایک نعمت رکھتے تھے۔

کاغذ نے اپنے اس نئے جنم پر اس طرح اظہار رائے کیا۔

"جس وقت میں پٹ سن کے کھیت کے اندر نیلے رنگ کا محض ایک کتانی پھول تھا تو اس وقت یہ اوج و عروج[5] میرے خواب و خیال[6] میں بھی نہ تھا میں مشکل سے اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ کبھی مجھ کو یہ فخر بھی نصیب ہوگا کہ میں اپنی تحریروں سے دنیا کے لئے علم و مسرت کا پیام بر بنوں گا۔ مجھے اپنی آنکھوں کی شہادت[7] پر اب بھی یقین نہیں آتا لیکن دنیا جانتی ہے

[1] دل کو بھانے والا [2] قسمت کا چکر [3] نصیحت سکھانے والی [4] تعریف [5] ترقی [6] سان و گمان [7] گواہی

کہ یہ ایک واقعہ ہے"

میں نے اپنی ذاتی کوششوں کے ذریعے اس ہمیشگی کی زندگی کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہے صرف ایک چیز ہے جس کا ذکر اس سلسلے میں میں کر سکتا ہوں یہ صرف زندہ رہنے کی ایک خواہش ہے جو روز ازل[۱] سے میرے دل میں ایک بیج کی طرح موجود تھی اور اسی کے طفیل میں ہر زوال اور موت کے خطرے سے میں محفوظ رہا۔ جب جب میرے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا ہے کہ بس اب سازِ زندگی[۲] خاموش ہونے والا ہے۔ تو میری ناامیدی ایک تازہ امید سے بدل بدل گئی ہے اور مجھ کو کوئی نہ کوئی قالب[۳] پہلے سے بہتر مل گیا ہے"

"اور اب تو زندگی کا ایک نیا دروازہ کھلنے والا ہے۔ اب بندہ ایک کتاب بن کر ساری دنیا کے گشت کو روانہ ہوگا اور ایک ایک ملک اور شہر کی سیر کرے گا۔ کبھی میں کتان کے پھولوں کا صرف ایک کھیت تھا اس وقت علم و حکمت کی ایک کتاب ہوں۔ سارے پھول اور پتے اب ورق بن گئے ہیں جہاں پہلے ایک خوب صورت کلی تھی وہاں اب ایک خوب صورت خیال ہے۔ پھولوں کے ہار مصرعوں اور شعروں کی لڑیاں بن گئی ہیں!"

لیکن یہ سفر فوراً نہیں شروع ہو گیا۔ کاغذ پہلے ایک چھاپہ خانہ میں بھیجا گیا جہاں اس سے پہلے ایک کتاب بنائی گئی اور پھر اس ایک کتاب سے سیکڑوں جلدیں تیار کی گئیں۔ کتابوں کو اب دنیا کے سفر کی اجازت دی گئی۔ بہت سی کتابیں چھاپ کر جو تیار کی گئی تھی وہ ضروری تھی۔ اگر وہ کاغذ جوں کا توں یوں ہی رکھ دیا جاتا تو دنیا کا آدھا راستہ ختم کرنے سے پہلے ہی پہلے پھٹ پھٹا کر پرزے پرزے ہو جاتا اور اس صورت میں صرف تھوڑے سے ہی آدمی اُن خیالات سے فائدہ اور لطف اُٹھاتے اب ساری دنیا اُن سے فیضیاب[۴] اور لطف اندوز[۵] ہو سکتی تھی!

"ہاں بیشک یہ بات اس سے بہت بہتر ہے" کاغذ نے کہا اب میری عزت و توقیر دیکھنے کے

---

[۱] پہلا دن [۲] زندگی کا باجہ [۳] جسم، ڈھانچہ [۴] فائدہ اٹھانے والی [۵] مزہ لینے والی،

قابل ہے اس وقت میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہوں اور ایک والدِ بزرگوار[1] کی طرح میں معزز سمجھا جاتا ہوں کتاب کا سارا مضمون پہلے میرے اوپر لکھا گیا۔ قلم کی حرکت اور روشنائی کی روانی بڑی لذت کی چیز تھی، اس طرح میرا تمام جسم لفظوں اور جملوں سے گلزار ہو گیا اب طے یہ پایا ہے کہ میں مکان ہی پر قیام کروں گا، اور یہ کتابیں جو میری اولاد میں ہیں سفر کو جائیں گی بہت خوب! بندے کی خوش قسمتی بلاشک و شبہ بے نظیر ہے "

چنانچہ کاغذ لپیٹ کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا گیا۔ اور فوراً اس ہر حال میں خوش رہنے والے جواں مرد کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

"بہت مناسب ہے، ایک عرصے کی محنت و مشقت کی زندگی کے بعد ایک لمبا آرام بہت ضروری ہے! اس اخیر عمر میں انسان کو چاہئے کہ زیادہ ہاتھ پاؤں نہ پھیلائے بلکہ گوشہ نشیں[2] ہو کر تھوڑا مراقبہ[3] کرے۔ اب پہلی دفعہ مجھے اپنے آپ کو جاننے کا موقع ملے گا اور میں نے سنا ہے کہ یہی خود شناسی[4] بہترین[5] علم اور انسان کی سب سے حقیقی ترقی ہے! بہر حال[6] جو کچھ ہوگا مجھے کوئی دغدغہ[7] نہیں ہے۔ خدا کا یہ قانون مجھ کو اپنے پچھلے تجربے سے تحقیق طور پر معلوم ہو گیا ہے، کہ کسی چیز کو موت ہے نہ زوال، ہمیشہ زندگی ہے اور درجہ بدرجہ[8] ترقی۔!"

لیکن اب ایک نئی قسم کی مصیبت آئی، کاغذ کی پونگی ایک دن کھونٹی پر سے اتاری گئی اور چولہے میں رکھی گئی۔ اس ردی کاغذ کو بنئے کی دوکان پر نہیں بھیجا گیا اس لئے کہ اس میں اس علمی چیز کی توہین[9] تھی، الغرض وہ قابلِ عزت مردے کی طرح آگ میں جلایا گیا۔ کاغذ کا چپہ چپہ جلا اور اس پر لکھے ہوئے ایک ایک لفظ اور حرف سے زندگی اور علم کی روشنی کی آخری شعاع نکلی! جس وقت کاغذ سے شعلے نکلنا شروع ہوئے ہیں تو گھر کے سارے بچے تماشا دیکھنے کے لئے آ کھڑے ہوئے جب تیزی سے ایک کے پیچھے ایک چنگاریاں نکلیں تو بچوں نے کہا: "آہاہا! غالباً یہ

۱ بزرگ باپ ۲ کونے یا گھر میں بیٹھنے والا ۳ روحانی غور و فکر ۴ اپنی ذات کو پہچاننا ۵ سب سے اچھا ۶ ہر حالت میں ۷ اندیشہ ۸ بتدریج ۹ بے عزتی

کسی مدرسے کے لڑکے لڑکیاں ہیں جو چھٹی کے ساتھ ہی بھاگی چلی جا رہی ہیں اور ہاں یہ بڑی چنگاری جو تھوڑا ٹھہر کر سب کے پیچھے نکلی ہے درجے کے ماسٹر صاحب ہیں جو اب جا رہے ہیں۔!

آخر سارا کاغذ راکھ ہو کر چولھے کے اندر جمع ہو گیا چند منٹ تک ایک سناٹا طاری[1] رہا اور پھر یک بارگی ایک اُف کی آہِ جگر سوز[2] کے ساتھ ساری راکھ اُڑی اور اس کا ایک ایک ذرہ چمکتے تاروں کی طرح آسمان پر چھا گیا۔ لکھے ہوئے کاغذ کے ایک ایک بلند خیال اور مضمون کے گرد ایک جلالی شان کا حلقہ[3] نظر آنے لگا! یہ تماشا کتانی چمن کے سارے پھولوں اور کلیوں سے بھی کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا!

"ہم سیدھے سورج کی دنیا میں جا رہے ہیں" یہ شعلوں کے اندر سے آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں آوازوں نے ایک ساتھ یہی بات کہی جس وقت پہلا شعلہ چولھے سے اُٹھا تھا تو وہ چمنی (دود کش) کو توڑ کر اوپر نکل گیا تھا اور وہاں وہ بہت سے شعلوں میں تبدیل ہو کر آسمان کی انتہائی بلندیوں میں جا پہنچا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بے شمار چیزیں ہوا میں اُڑنے لگی تھیں۔ لیکن وہ انسانی آنکھوں کو نظر نہ آتی تھیں۔ ان کا ہجوم اس کثرت سے تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غالباً کتان کے کھیت کے پھولوں کی تعداد کے برابر ہو گا!

یہ چیزیں اُن شعلوں سے بھی زیادہ نفیس اور لطیف مخلوق تھیں جن پر سوار تھیں بار بار شعلے بلند ہوئے اور ان ان دیکھی چیزوں کا ناچ سننے میں آیا۔ جب شعلے بالکل بجھ گئے تو راکھ کی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں کی صورت میں اُن کے نقشِ قدم[4] نظر آئے! یہ بڑا دلچسپ تماشا تھا بچے اس کا آخری نظارہ کرنے کے لئے پھر جمع ہو گئے۔ لیکن اس سارے معاملے میں ایک پہلو افسوس و قلق کا بھی تھا۔ دیکھنے والوں کو اس کے دیکھنے میں اگرچہ بہت مزہ آتا تھا لیکن یہ خیال کر کے وہ بہت مغموم[5] ہوئے جاتے تھے کہ اب یہ آخری بہار ہے اور دوسری دفعہ یہ نقشہ دیکھنے میں

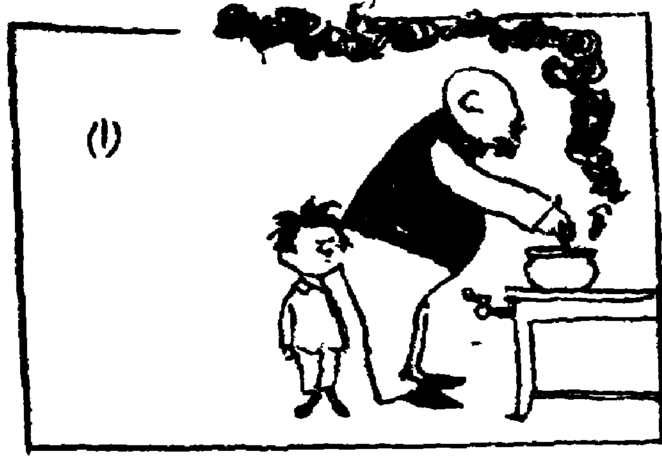
۱؎ چھا جانے والا ۲؎ جگر کو جلانے والی ۳؎ دائرہ، گھیرا ۴؎ پاؤں کے نشان ۵؎ رنجیدہ

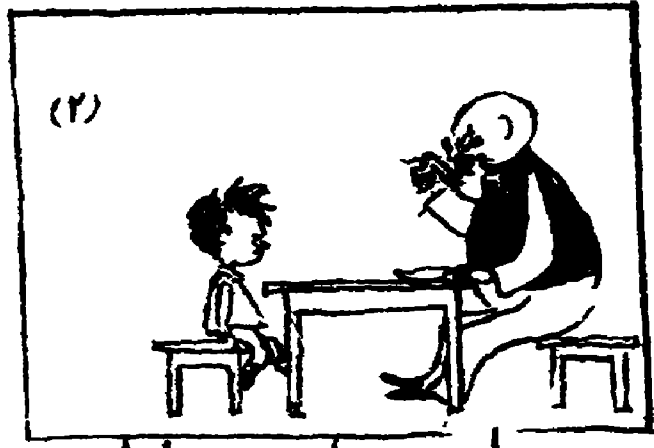
نہ آئے گا۔ مدرسے کے بچوں نے زندگی کا آخری گیت گانا شروع کیا۔ مرنے والی چیزوں نے بچوں کے اس خیال کو قبول نہیں کیا۔ زندگی کے خاتمہ کا ایک کلمہ بھی وہ سننا نہیں چاہتی تھیں۔ درحقیقت اس کو وہ ایک غلط عقیدہ[1] سمجھتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے اس کی تردید[2] کرنی چاہی اور اپنی فرضی موت کا ماتم کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

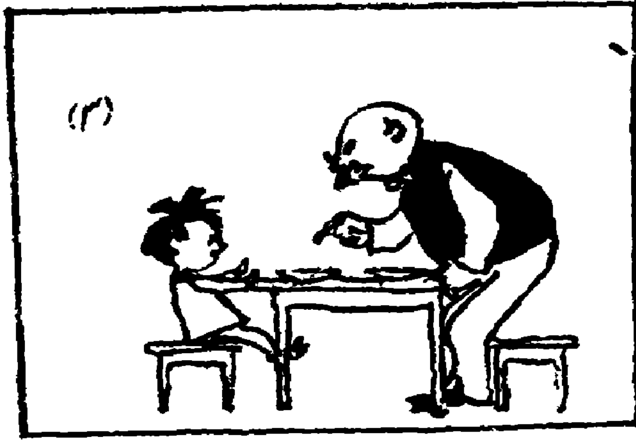
"جناب عالی! ایسا خیال نہ کیجیے "خاتمہ" ایک بے معنی اور وہمی چیز ہے۔ ہم اس بھید کو خوب جانتے ہیں اور اپنی اس موجودہ[3] حالت کو پچھلی زندگی سے بھی بہتر ایک زندگی پاتے ہیں اور اس میں بے حد خوش و خرم ہیں!"

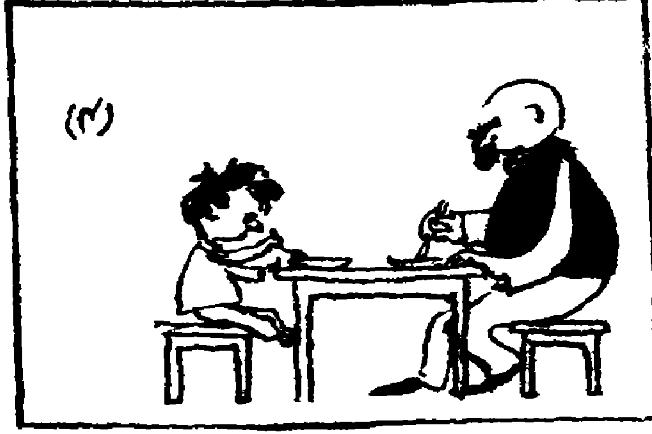
لیکن بچے اس آخری جواب کو نہ سن سکے ہمارا خیال ہے کہ اگر ان کو وہ کان نصیب بھی ہوتے جن سے وہ ان کے کلمات کو سن سکتے تو شاید سمجھ نہ سکتے۔ کتان کے پھولوں سے یہ جو عجیب "زندۂ جاوید"[4] مخلوق بنی تھی، ان کی زندگی کی حقیقت کو معلوم کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب تک یہ معاملات آپ بیتی باتیں نہ بنیں کوئی ان کے بھید تک نہیں پہنچ سکتا!

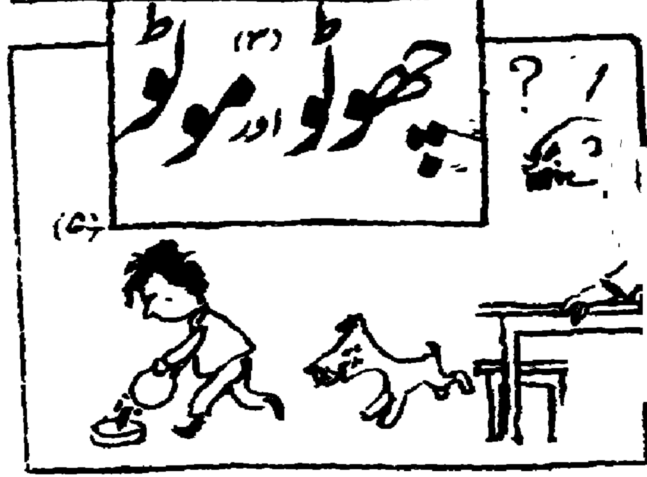
[1] خیال، مذہبی خیال [2] جھٹلانا [3] اس وقت کی [4] ہمیشہ زندہ رہنے والی

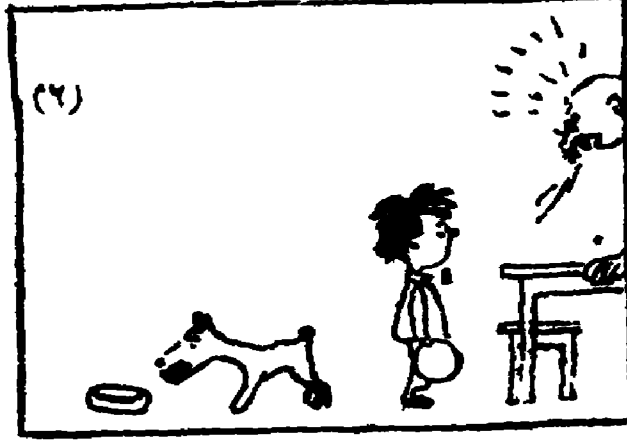

(۱)

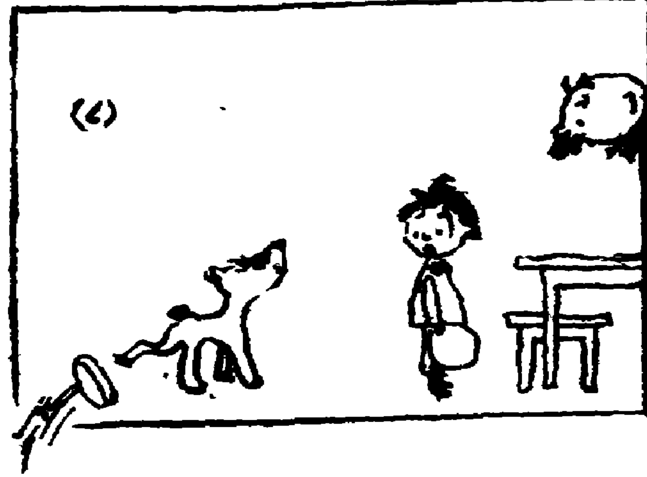

(۲)

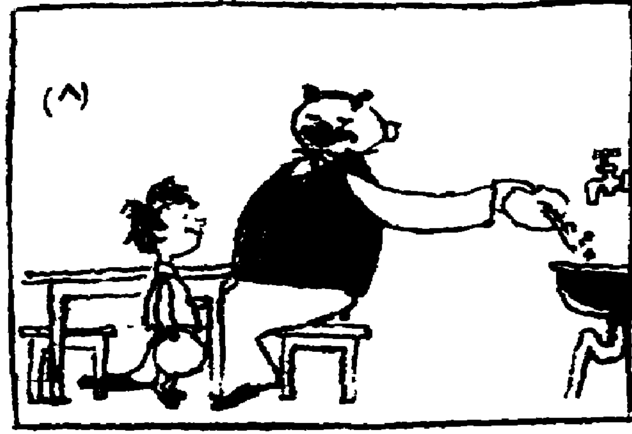

(۳)

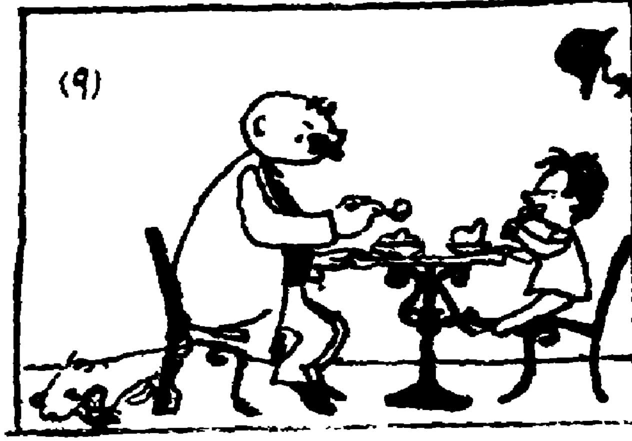

(۴)


چھوٹو اور موٹو (۳)
?
(۵)


(۶)


(۷)

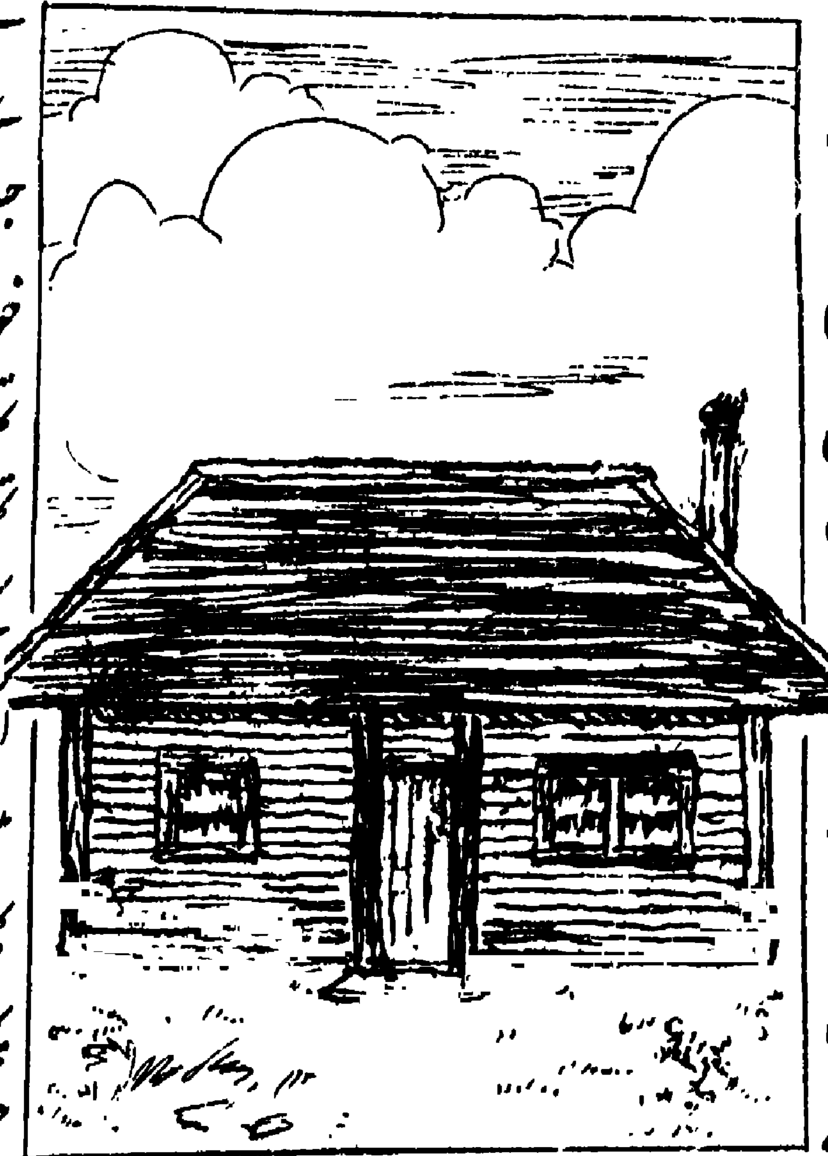

(۸)


(۹)

مختلف ملکوں کے بچے

محمد حسین حسان

رُومانیہ کی سونیا



رومانیہ کے زرخیز اور سرسبز میدان میں ایک بہت خوب صورت سا مکان بنا ہوا تھا۔ ہماری سونیا اسی گھر میں رہتی ہے۔ رومانیہ کے دیہاتی گھروں کی طرح یہ بھی سب کا سب لکڑی کا بنا ہوا تھا اور چونکہ تیوہار کا زمانہ تھا۔ اس لئے خوب صفائی ہوئی تھی۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے چوکھٹے نیلے رنگ سے رنگے ہوئے تھے جس سے مکان بہت خوب صورت معلوم ہو رہا تھا۔ چھت بھی لکڑی کی تھی، لمبے لمبے لکڑی کے تختوں کی قطاریں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی، گھر کے پاس کچھ پھلوں کے درخت اور پھولوں کا ایک باغیچہ جس میں قسم قسم کے خوب صورت پھول تھے۔ رومانیہ والوں کو پھولوں کا

بہت شوق ہے۔

رہنے کا بڑا کمرہ اندر سے بہت آرام دہ معلوم ہوتا ہے۔ دیواروں کے نچلے حصے پر ہاتھ کے بنے ہوئے پردے لٹکے ہیں۔ ایک کونے میں پکانے کا بڑا سا چولھا ہے۔ دوسرے کونے میں پرانی وضع کا کرگھا ہے جو اب تک رومانیہ کے دیسی گھروں میں نظر آتا ہے ایک کھانا کھانے کی میز ہے کچھ معمولی قسم کی کرسیاں، ایک بڑا سا صندوق ہے۔ اور ایک کوچ سا ہے۔ جس پر رات کو سوتے ہیں

ننھی سونیا اپنے خوب صورت کپڑوں کی وجہ سے بہت اچھی لگ رہی تھی اس کے گون پر سرخ اور کالے بیل بوٹے ہیں پٹی کا رنگ بھی بہت بھڑکیلا ہے

سونیا کے باپ کا فارم (کھیتوں کا میدان) بہت بڑا ہے اور اس میں خوب کھیتی ہوتی ہے فارم میں جاکر دیکھو تو تمھیں سفید بیل نظر آئیں گے ایک معمولی سی لکڑی کی گاڑی میں جُتے ہوئے اور اپنے کام سے بیزار بھینسے جتے ہوں گے جن کے لمبے لمبے سینگ گردنوں سے چھو رہے ہوں گے ان کے علاوہ بطخیں، بھیڑیں بھی پلی ہوئی ملیں گی سونیا اکثر ان بطخوں کو میدان میں لے جاتی ہے۔ اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ جو اس کی طرح اپنی اپنی بطخوں کی نگہبانی کرتی ہیں خوب کھیلتی کودتی ہیں،

وہ اپنے صبح کے وقت کے کام کر کے فارم سے گھر آتی ہے تو اسے بہت سادی غذا ملتی ہے بس لگر متا جو رومانیہ میں ہر جگہ کھایا جاتا ہے اور کچی پیاز نمک کے ساتھ۔ لیکن کبھی کبھی رات کے کھانے میں اسے اچھی اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ مثلاً مچھلی، زیتون کا تیل، بھیڑ کا گوشت، گیہوں کی پاؤ روٹی اور ایک قسم کا لگر متا جو دودھ میں پکایا جاتا ہے۔ مچھلی تو اکثر کھانے کو ملتی ہے اس لئے کہ اس کا فارم پہاڑ کی جڑ کے قریب ہے۔ جہاں بہت سی ندیاں اور چشمے بہتے ہیں۔

سونیا کبھی کبھی اپنے ملک کے اچھے اچھے شہروں کی سیر بھی کرتی ہے۔ ہم ان شہروں میں اس کے ساتھ جائیں تو ہم بھی بڑی بڑی دوکانیں اسکول، بجلی کی ٹرام، موٹریں، تھیٹر، سینما اسی طرح کے دیکھیں گے۔ جیسے دہلی، کلکتہ بمبئی، مدراس وغیرہ میں ؛

مُنّا بھیّا اور ننھی بٹیا

از جناب اظہر علی صاحب فاروقی اودے پرتاب کالج بنارس

"اچھا بھائی! ایک منا بھیا اور ایک ننھی سی بٹیا

"ہم، ہم، ہم، ہم"



کون سے گا؟"

عابد (تیرہ چودہ سال کے ایک خوبصورت لڑکے)

نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ننھے ننھے بچوں کے ایک حلقے سے یہ سوال کیا اور ان کے ہم ہم کے نعروں سے کمرے کی چھت گونج اٹھی ۔ ان بچوں میں ایک لڑکے کا نام آفتاب تھا۔ اس نے کہا "لائیے مُنّا بھیا ، لائیے" عابد نے مسکرا کر کہا " اچھا بھائی ! اس طرح نہیں، سنو ایک کہانی "

اتنا کہنا تھا کہ سب نے شور مچایا "سنائیے کہانی ، اللہ سنائیے کہانی ، کہانی "

عابد نے کہانی اس طرح شروع کی :۔

فاختہ کا ایک جوڑا تھا ۔ بڑی محنت سے دونوں نے گھونسلا بنایا ۔ مگر تھا یہ باورچی خانے کے ایک روشن دان میں ۔ پھر فاختہ نے انڈے دئے ۔ ایک دن انڈوں پر نہیں بلکہ گھونسلے پر منظور کی نظر پڑ گئی ۔ باورچی خانے میں ایک میز پڑی تھی ۔ دو پہر کو جب اس کی ماں سو گئی تو منظور نے میز پر کرسی رکھی اور چڑھ کر دیکھا کہ اس میں دو انڈے رکھے ہیں ۔ پہلے تو اس کے دل میں آیا کہ لاؤ انڈے نکال لیں ۔ بھون کر چلّا بنائیں اور کھا جائیں ۔ پھر اس نے سوچا نہیں بے چاری نے بڑی محنت کی ہے اس کو خراب نہ کریں ۔ بچے نکلنے دیں ۔ جب بڑے ہوں گے تو ہم ان کو پنجرے میں پالیں گے ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فاختہ آگئی اور اس نے منظور کے دل کی باتیں سمجھ لیں ۔ اور چوں چوں کرکے اس کو دعائیں دیں ۔

کوئی دو مہینے بعد بچے نکل آئے اور چوں چوں کرنے لگے ۔ ایک دن منظور نے سنا ، چاہتا تھا کہ ان کو اٹھا لائے لیکن فاختہ کی تکلیف کا خیال آگیا ۔

منظور کے محلے میں اور بہت سے بچے تھے مگر ان میں سے اکثر شریر تھے ۔ عزت سب کا سرغنہ تھا ایک دن اس نے بچوں کی آواز چوں ، چوں سنی کیوں کہ وہ سب بھوکے تھے اور اپنی ماں کا انتظار کر رہے تھے ۔ عزت نے اور بہت سے لڑکوں کو جمع کر لیا اور کہا اچھا آؤ ان بچوں کو ستائیں اور یہ کہنا شروع کیا

پھانسی ہوگی تم کو بچو !
بھاگو ، بھاگو ، بھاگو بچو !
جل جاؤ گے آخر اک دن
مر جاؤ گے آخر اک دن
روؤ ، روؤ ، روؤ بچو !
پھانسی ....

بچے بے چارے زور زور سے چوں چوں کرنے

لگے اور بہت گھبرائے۔ منظور نے عزت کو بہت منع کیا کہ بھلا ان بے چاروں کو ستاتے ہیں۔ تمھیں کیا مزا ملتا ہے؟ ان ننھی منھی بے زبان جانوں پر تمھیں ترس بھی نہیں آتا۔ سب لڑکے مل کر منظور کا مذاق اُڑانے لگے اور قہقہہ لگا کر بھاگ گئے۔ ان لڑکوں کا یہی کام تھا۔ جون کی چلچلاتی دھوپ میں چڑیوں اور انڈوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چڑیوں کا گھونسلا ڈھونڈھتا اور اپنے گروہ کو خبر کرتا، اور کسی کا کام انڈوں کو توڑنا، اور کسی کا اسٹول لانا اور اگر اسٹول نہ ملے تو اپنے کندھے پر چڑھا کر گھونسلے تک پہنچانا غرض یہ گروہ بڑا شریر تھا۔

جب فاختہ آئی تو بچے رونے لگے۔ اس نے پوچھا "کیوں روتے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟"

بچوں نے کہا "کچھ لڑکے گا رہے تھے کہ پھانسی ہوگی تم کو بچو........ ماں! کیا ہم سچ مچ پھانسی پر چڑھیں گے۔ کیا ہم جل کر مر جائیں گے؟"

ماں نے ہنس کر جواب دیا "نہیں ہرگز نہیں تم بہت جلد اڑنا سیکھ جاؤ گے۔ اور پھر آسمان سے باتیں کرو گے۔"

بچوں نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھی اماں پھر ہم عزت کو بدلا لیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بھلے آدمی بدلا نہیں لیا کرتے۔ تم اڑنا سیکھ جاؤ۔ پھر آسمان پر جانا، لہلہاتے کھیتوں کی سیر کرنا۔ جھیل کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پینا اور اپنا گھونسلا بنانا۔"

بچوں نے کہا۔ "اچھی اماں ہم آسمان پر جاکر کیا کریں گے کیا ہم اللہ میاں سے کچھ کہہ سکتے ہیں؟"

ماں نے کہا۔ "ہاں، ہاں! کیوں نہیں، وہ تو سب کی باتیں سنتا ہے۔"

بچوں نے کہا۔ "اچھا اماں! ہم منظور کی تعریف کریں گے اس نے ہم کو بہت آرام دیا۔"

ماں نے کہا۔ "ہاں، ہاں وہ بڑا نیک ہے اس نے انڈے نہیں توڑے۔"

بچوں نے کہا۔ "اماں ہم اس کے لئے ایک بٹیا لائیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "نہیں، ایک منا بھیا، اور ایک منی بٹیا" پھر ماں نے پوچھا اور "عزت کو کیا دو گے؟"

بچوں نے کہا۔ "دیدوں میں خاک"

عابد نے کہانی ختم کی اور پوچھا "اچھا بھائی ایک بھیا اور ایک منی بٹیا کون لے گا؟ اب تو سب بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر ان

بچپن کا مشغلہ (۲)

بیگم صاحبہ عبدالغنی

گل عباس پر تجربے

ستمبر میں گل عباس خوب پھولا۔ کسی پودے میں زرد پھول آئے۔ کسی میں گلابی۔ میں ایک روز اس کی کیاری کے پاس بیٹھی اپنی نیلی دوات دھو رہی تھی، شرارت جو سوجھی تو گل عباس کے زرد پھولوں والے پودے کی جڑ کھود کر اس میں چاقو سے شگاف دیا۔ اور اس کے اندر نیلی سیاہی ڈال، پھر اسے برابر کر کے مٹی میں دبا دیا۔ خدا کی قدرت تیسرے دن اس پودے کے جو پھول کھلے ان میں نیلے رنگ کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ جس جڑ میں رنگ ڈالا گیا تھا اس کی قریب کی شاخ کے پھولوں کا آدھا حصہ نیلا اور آدھا پیلا تھا۔ دوسری شاخوں کے پھولوں میں موٹے موٹے نیلے چھینٹے اور زیادہ فاصلے والی شاخوں کے پھولوں میں باریک چھینٹے نظر آتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں تو مارے خوشی کے اچھل پڑی۔ گھر کے سب لوگوں کو بلا بلا کر یہ تماشا دکھایا۔ پھر تو جناب ایک نئی بات میرے ہاتھ آ گئی اور میں نے کیا کیا کہ پیلے اور گلابی پھولوں والے پودوں کی جڑیں کھود کر دونوں کو چاقو سے تراشا۔ اور دونوں کو باہم اچھی طرح ملا کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ دو تین روز میں دونوں پودوں کی قریب کی شاخوں کے پھولوں میں آدھے آدھے دونوں رنگ پیدا ہو گئے۔ اور جن شاخوں میں جس قدر فاصلہ زیادہ تھا اسی قدر دوسرے رنگ کے چھینٹے کم تھے۔ گویا ہر پھول کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا۔ باغیچہ میں عجب بہار آ گئی۔ جو پھول پہلے دو رنگ کے تھے اب کئی مختلف رنگوں کے نکلنے لگے۔ ہاں روشنائی والے پودے میں جوں جوں دن گزرتے گئے آہستہ آہستہ پھولوں میں سے نیلاہٹ کا اثر غائب ہوتا گیا

گل عباس طبیب یا جراح بھی ہے۔ پھوڑے

پھنسی یا زخم پر اس کے پتے باندھنے سے مواد نکل جاتا ہے اور زخم صاف ہو کر بھر آتا ہے اس کے بیج سیاہ رنگ کے تسبیح کے دانوں کی طرح ہوتے ہیں۔

گل داؤدی و گیندا

اکتوبر سے دسمبر تک گیندا اور گل داؤدی پر بہار رہی گیندا بکری کی مینگنیوں کی کھاد سے زیادہ پھیلتا ہے اور سوتے کا دھوؤں ڈالنے سے اس میں پھول زیادہ اور نکھرے ہوئے رنگ کے آتے ہیں ان پھولوں کی پتیوں کی ڈنڈیوں میں سوراخ کر کے اور ایک دوسری میں پرو کر بغیر سوئی تاگے کے ہار بنانے میں مجھے بہت لطف آتا تھا۔

گل داؤدی مختلف رنگوں اور شکلوں میں کھلا ان میں جو زرد پھولوں کے پودے تھے ان میں میں نے سرخ رنگ ڈالا۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا، البتہ مختلف رنگوں کے پودوں کی جڑیں آپس میں ملا دینے سے وہی نتیجہ نکلا جو گل عباس میں۔

گلاب

جنگلی گلاب تو برابر کھلتا ہی رہا لیکن اصلی گلاب فروری کے آخر میں کھلنا شروع ہوا۔ مارچ میں اس کی شان دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کی شاخیں دیوار سے بھی اونچی چلی گئی تھیں۔ میں نے دیوار میں کیلیں گاڑ کر اور ان شاخوں کو اس طرح ملا کر باندھ دیا تھا کہ محراب کی صورت بن گئی تھی۔ ان میں خوب بڑے بڑے پھول کثرت سے آنے لگے۔ پھولوں کے بوجھ کے مارے شاخیں جھکی پڑتی تھیں۔ پھول توڑ کر میں اپنے پڑوسیوں کی بیویوں کو بھیجا کرتی۔ وہ اس کے عوض مجھے بے شمار دعائیں دیتیں۔ غالباً وہی دعائیں آج میرے کام آ رہی ہیں، پھولوں کی پتیاں توڑ کر میں اپنی کتابوں اور قرآن مجید میں رکھا کرتی۔ میرے قرآن مجید میں ان دنوں کی پتیاں اب تک موجود ہیں اور خوشبو ورقوں میں اس قدر بسی ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو کھولتے ہی خوشبو کی لپٹ آتی ہے اور اس کے ساتھ بچپن کی یاد تازہ ہو کر وہ تمام سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گلاب کا پھول علاوہ خوبصورت و خوشبودار ہونے کے بہت سے مرضوں میں مفید ہے۔ مثلاً حکیم قبض، کھانسی اور دوسری بیماریوں کے لئے نسخوں میں اس کی پتیاں ڈالتے ہیں گلاب کا عرق دودھ پیتے بچوں کے معدے اور آنتوں

مرحوم امیرِ جامعہ کی آخری آرام گاہ۔ جامعہ کی نئی بستی (اوکھلے) میں



راس تفاری ۔ حبشہ کے پچھلے بادشاہ یہ آج کل بیت المقدس
میں ہیں ۔ اس پرچے میں حبشہ پر ایک مضمون بھی ہے ۔

کے لئے مفید ہے۔ جگر کو تقویت دیتا اور خون کو صاف کرتا ہے اور اس سے طبیعت میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ گلاب کی پتیوں میں شکر ملا کر گل قند بناتے ہیں۔ جو قبض اور دوسری بیماریوں کے لئے مفید ہے۔ گلاب کا عطر بھی ایک قیمتی چیز ہے۔ عطر بنانے کی ترکیب ہندوستان کی مشہور ملکہ نورجہاں کی ایجاد ہے۔ جو ترکیب تاریخ ہند کی کتاب میں میں نے پڑھی تھی اس کے مطابق عطر بنا کر بھی دیکھا۔ واقعی رات کو پانی میں گلاب کی پتیاں ڈال دی جائیں تو صبح کو پانی کی تہ پر تیل کے قطرے سے تیرنے لگتے ہیں۔ بس وہی عطر ہے۔ تمہارا جی چاہے تو تم بھی تجربہ کرکے دیکھ لو۔ شہد کی مکھیاں صبح تڑکے بھنبھناتی ہوئی آتیں، ہمارے باغیچے میں جمع ہو جاتیں اور گلاب کے پھولوں کا خوب رس چوستیں۔ سفید شہد گلاب ہی کا ہوتا ہے، مکھی بھی اُسے علیحدہ کمروں میں جمع کرتی تھی۔ شہد تو تم نے بارہا کھایا ہوگا۔ بہت مزے کی چیز ہے۔ خون بھی صاف کرتا ہے اور کمزوری کو دور کرتا ہے۔

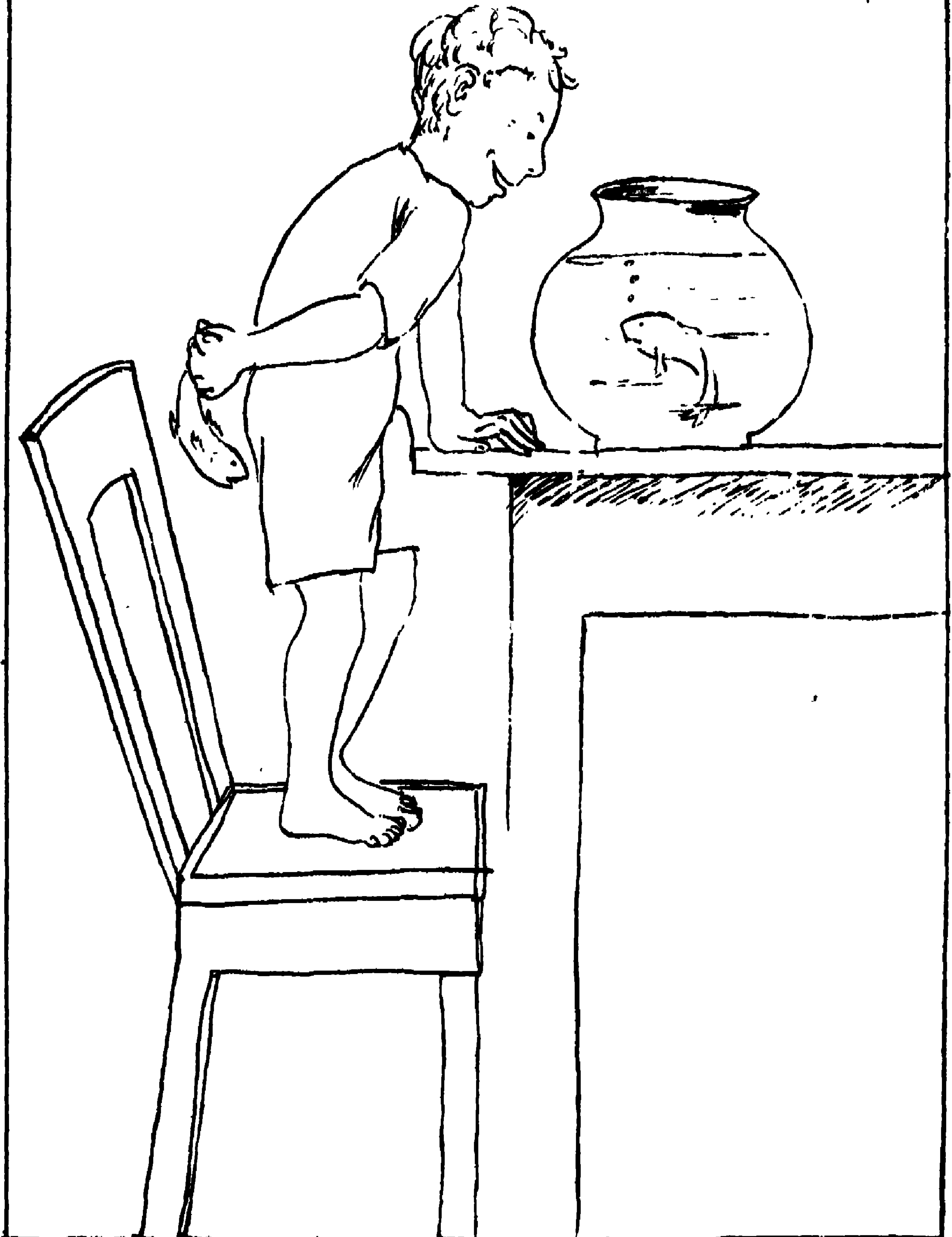
غرض گلاب سے قسم قسم کی مزیدار اور مفید چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ میں نے بھی اپنے باغیچے کے پھولوں سے تقریباً ہر ممکن چیز تیار کرکے تجربہ کیا اور فائدہ اٹھایا۔

ہاں۔ میرے باغیچہ میں رنگ برنگ کی بےشمار تتلیاں بھی آیا کرتی تھیں۔ ان کی یہ بات۔ عجیب و غریب تھی، کہ ہر تتلی اپنے ہی رنگ کے پھول پر بیٹھنا پسند کرتی تھی

باغبانی میں بہت ہی لطف آتا ہے طرح طرح کے تجربے حاصل ہوتے ہیں خدا کی قدرت دیکھ دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی ان چیزوں کی پیدا کرنے والی زبردست ہستی موجود ہے اس ہستی کی سچی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور بے اختیار اس کی قدرت پر تن من سے نثار ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔

پیاری بچیو! تمہیں موقع ملے تو دو ایک گھنٹے اس دلچسپ کام میں ضرور لگاؤ تمہیں مزا بھی آئے گا اور ورزش بھی ہو جائے گی اگر تم پہلے سے یہ مفید کام کر رہی ہو تو اپنے تجربے پیام تعلیم میں بھیجو تاکہ تمہاری دوسری بہنوں اور بھائیوں کو اس سے فائدہ پہنچے




"اچھا بتاؤ تمہاری بہن کہاں ہے؟"

بارش کے قطرے

آؤ ہم نیچے اتریں۔ برسات آگئی۔ آؤ ہم اتریں
ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں۔ اکیلے اکیلے ہم ایک جو ہی کی کلی کا سوکھا منہ بھی نہیں دھو سکتے۔ نہ جوہی کے پھول کا ننھا سینہ ہی بھر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ہزاروں کی تعداد میں ایک ساتھ ہیں ―― ہم دنیا کو بہا دیں اگر ہم چاہیں۔

چھوٹا کون ہے؟ وہ جو اکیلا ہے، چھوٹا ہے، بے حقیقت جس میں اتفاق نہیں وہ کمزور ہے، مجبور، اس لئے میرے بھائیو تم میں سے کوئی بھی تنہا نہ اترے، نہیں تو سورج کی گرمی تمہیں سکھا دے گی۔ آؤ ہم سب مل کر لاکھوں کی تعداد میں نیچے چلیں، ہم سوکھی دنیا میں سیلاب پیدا کر دیں گے۔

ہم دنیا کو بھر دیں گے، پہلے ہم پہاڑوں کے سروں پر اتریں گے پھر ان کی گردن پکڑ لیں گے، اور اس کے بعد ان کے سینوں کو کچلتے ہوئے ہم زمین پر اتر آئیں گے۔ ہم جھرنوں سے بلوری دھاروں میں نکلیں گے، ہم دریا کے کناروں کے خالی دلوں کو بھر دیں گے۔ اور انھیں خوبصورتی کا لباس پہنا دیں گے، ہم خوش خوش موجوں میں کھیلیں گے۔ آؤ ہم اتریں۔
کون ہمارا راستہ روکے گا؟ ہوا؟ ہونہہ! ہم اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر چلیں گے۔ وہ تو ہماری سواری ہے، اس کی مدد سے ہم سمندر اور خشکی کو ملا سکتے ہیں، اس کی مدد سے ہم اپنی راہ میں بستیوں اور قلعوں کو بہا لے جا سکتے ہیں۔ اسی پر سوار ہو کر ہم دریچوں میں گھس جاتے ہیں، ہوا؟ وہ تو ہماری نوکرانی ہے۔
بھائیو، ایک ایک کر کے نہ اترو، ہماری طاقت ہمارے اتحاد میں ہے، اگر ہم یکجا نہیں تو ہم کچھ بھی نہیں، آؤ ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں، لیکن ہم دنیا کا انتظام کریں گے، کھیتوں میں ہم غلہ پیدا کریں گے، کہ انسان زندہ رہ سکے، ہم دریاؤں میں کشتیاں اپنے سینہ پر لئے پھریں گے، کہ انسان تجارت کر سکے، ہم پودوں اور درختوں کی آبیاری کریں گے، کہ چڑیاں جانور اور کیڑے زندہ رہ سکیں، ہم بارش کے ننھے قطرے ہیں لیکن

(از حضرت تمنائی)

کون ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے! یہ ہم ہی تو ہیں جو دنیا کا انتظام کرتے ہیں،
اب آؤ گرجتی ہوئی بدلیوں، بارش کی ماں! آؤ سارے آسمان پر پھیل جاؤ، آؤ اے سورج کی گرمی کو بہانے والیو! سارے آسمان کو چھپا لو، اور پھر ہم اتریں گے۔
آ بہن! میٹھی مسکراہٹ والی بجلی! اپنے نور کی جھلک ہمارے چہروں پر ڈال، اور ہم زمین پر اتریں گے۔ مسکراتے چیختے اور ناچتے، اور اے رعد! لوگوں چیخ نہیں رہی اس جشن کے موقع پر تیرا گانا بہترین ہے، تو بھی زمین پر اترے گی؟ اچھا تو آ، لیکن صرف مغرور سروں پر گر، خاکسار دھان کے پودوں پر نہ گرنا، ہم انھیں بچانے جا رہے ہیں، اگر تجھے توڑنا ہی ہے تو پہاڑی کی اونچی چوٹیوں کو توڑ، چھوٹوں کو مت تکلیف دے ―― ہم چھوٹے ہیں اور ہماری ہمدردی چھوٹوں کے ساتھ ہے۔
دیکھو زمین ہمیں دیکھ کر کتنی خوش ہے، درخت خوشی میں جھومنے لگے، دریا لہریں مار رہے ہیں۔ دھان کے پودے سر جھکا رہے ہیں، کسان ہل چلائے جا رہے ہیں اور ننھے لڑکے اپنے کو بھگو رہے ہیں۔
ہم پانی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ مذاق کیسے کرنا چاہئے۔ ہم پھولوں میں سے شہد دھو کر شہد تلاش کرنے والی چڑیوں کو مایوس کر دیتے ہیں، جو سکھنے کے لئے پھیلے ہوئے کپڑوں کو تر کر کے ہم دھوبیوں کا کام بڑھا دیتے ہیں ہم بالکل سنجیدہ ہستیاں نہیں۔ ہمیں ہنسی کرنا بھی آتا ہے۔
ہماری طاقتوں کو دیکھو، ہم پہاڑوں اور ملکوں کو دھو ڈالتے ہیں اور نئے ملک آباد کرتے ہیں۔ دھاگے جیسے پتلے جھرنوں کو ہم ہیبتناک دریا بنا دیتے ہیں جن کی بے کنار موجیں کناروں کو دھو ڈالتی ہیں۔
ہم جہازوں کو لے جاتے ہیں اور بیڑوں کو ڈبو بھی دیتے ہیں ہم زمین کو تر کرتے ہیں اور پھر بھی ہم کتنے چھوٹے ہیں! تاہم کون ہے جو ہماری برابر طاقت ور ہو؟

(از بنکم چندر چٹرجی)

معلومات

لندن کے ڈاک خانے کے انجینیروں نے ایک خاص قسم کا ٹیلیفون جاری کیا ہے۔ جس سے بہرے بھی اچھی طرح سن سکتے ہیں۔ پہلے بہروں کو عام طور سے شکایت تھی کہ ٹیلیفون کی آواز بالکل سنائی نہیں دیتی۔ اب اس آلے کو لگا کر انسان زور کی یا دھیمی جیسی آواز چاہے سن سکتا ہے۔ بس اس کا کام یہ ہوگا۔ کہ ٹیلیفون کی چوڑیاں گھماتا جائے جہاں اسے معلوم ہو کہ آواز سنائی دیتی اور بات سمجھ میں آتی ہے وہیں گھمانا چھوڑ دے۔

تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ انسانوں کی طرح پرندوں کی بھی اپنی عدالتیں ہوتی ہیں۔ ان عدالتوں میں قصور کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے مثلاً کووّں میں مقدمے پیش ہوتے ہیں کسی اونچے ٹیلے یا پہاڑی پر تمام کوے جمع ہو جاتے ہیں شکایتیں پیش ہوتی ہیں۔ ملزم درمیان میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ شکایتیں غلط ہوتی ہیں تو اسے بری کر دیا جاتا ہے اور وہ اُڑ جاتا ہے اور اگر مجرم قرار دیا گیا تو اس پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔

چھوٹی چڑیاں بڑی چڑیوں کے گھونسلوں کے تنکے چرا لے جاتی ہیں۔ لیکن چور پکڑ لیا جائے تو ان چڑیوں کی پولیس چھوٹی چڑیوں کے گھونسلے پر دھاوا بول دیتی ہے۔ گھونسلے توڑ کر پھینک دیتی ہے اور چور کی مرمت بھی کرتی ہے۔

ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمرنا کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ وہاں ترک سارس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں سارس حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ ایک بار ڈاکٹر نے کیا کیا کہ ایک سارس کے انڈے چرائے اور ان کی جگہ مرغی کے انڈے رکھ دئے۔ مادہ سارس نے انھیں سینا شروع کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نر سارس اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اور چند دنوں کے بعد کئی سو سارسوں کے ساتھ واپس لوٹا۔ یہ سب ایک حلقے میں کھڑے ہو گئے۔ اور ملزمہ کو درمیان میں کھڑا کر لیا مقدمے کی کاروائی شروع ہوئی۔ کئی سارسوں نے عدالت کے سامنے تقریر کی۔ گو بے چاری مادہ بالکل بے قصور تھی لیکن عدالت کی رائے میں بے خبری میں بھی مرغی کے انڈے سینا جرم تھا اور اس وجہ سے تمام سارسوں نے مل کر اس غریب پر حملہ کر دیا اور مار ڈالا۔

بغداد میں ایک ۸۰ سال کے بوڑھے نے ابھی ابھی انتقال کیا ہے۔ اس کے ۷۴ اولادیں تھیں۔ بائیس لڑکے اور ۵۲ لڑکیاں بوڑھا بہت کافی دولت مند تھا اس کے مرنے کے بعد ہی جائداد کی تقسیم پر اس کی اولاد میں جھگڑا ہوا۔ اس لڑائی میں مرحوم کے بیٹوں رشتہ داروں اور حامیوں نے حصہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین بیٹے مارے گئے اور باپ کے ساتھ ان کو بھی دفن کیا گیا۔

کناڈا کے ایک گاؤں میں برابر ایک وقت پر زلزلہ آتا رہا۔ پونے چار بجے آتا اور پاؤ گھنٹے تک گھڑگھڑاہٹ جاری رہتی۔ گاؤں والے اس سے گھڑیاں درست کرتے۔

خلیج سیسپے زی آ (یونان) میں چار ضلع ایسی رفتار سے سمندر کی طرف کھسک رہے ہیں کہ چند سال بعد سمندر میں جا پہنچیں گے۔ کھسکنے کا یہ سلسلہ ۱۹۲۹ء سے جاری ہے

ترکی کردستان کے ایک گاؤں قرولی میں ایک بڈھا ترک علی شفقی آغا ہے اس کی عمر ۱۴۷ سال ہے اس کے تین بیویاں ہیں اور گیارہ بچے زندہ ہیں۔ سب سے چھوٹا لڑکا سفید داڑھی کا ایک بڈھا آدمی ہے۔ یہ ترک اپنے آپ کو بڈھا نہیں کہتا اس کا دعویٰ ہے کہ وہ پچاس برس اور جئے گا۔ اس نے کمال پاشا کی نئی وطنی طرز کی ترکی زبان ابھی لکھنی پڑھنی سیکھی ہے۔

امریکہ کے ایک شفاخانے میں سولہ سال کی ایک لڑکی لائی گئی ہے اس کی بیماری نے لوگوں کو حیران کر دیا ہے پہلے وہ خاموش طبیعت لڑکی تھی۔ اسے زکام اور بخار ہوا اور اور اس کے بعد ہی جو اس کی زبان چلی ہے تو بند ہی نہیں ہوتی وہ فضول بک بک نہیں کرتی۔ بڑی عقل کی باتیں کرتی ہے۔ شفاخانے میں جب سے آئی ہے۔ کئی اہم معاملوں پر اس نے خوب بحث کی ہے۔ اسے اتنے الفاظ یاد ہیں کہ ڈاکٹر حیران ہیں۔

ایک چودہ سالہ زولو سب سے چھوٹے قد کا آدمی ہے۔ اس کا قد ۲۰ انچ ہے۔ پون گز میں اس کا کرتا، پاجامہ تیار ہو جاتا ہے۔

منچوریا میں دو جنگ کے قریب بونوں کی ایک آبادی ہے ان کا قد صرف گز بھر ہے۔ ان میں سے تیس آدمی پیکن میں دکھانے کے لئے لائے گئے۔ ان کے ہاتھ اتنے ننھے ننھے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

جنوبی افریقہ کے صحرائے کالاہاری میں ایک پودا دیکھا گیا جس میں تنہ نہیں ہوتا فیتے کی شکل کے دو پتے جڑے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان کے سروں پر سرخ لڑکدار پھولوں کا گچھا نکل آتا ہے۔ جب سرے پژمردہ ہونے لگتا ہے تو جڑ میں سے نیا پتہ نکلنے لگتا ہے اس پودے کو اس صحرا سے باہر اگانے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

کیلیفورنیا (امریکہ) خلیج مانٹرے میں ایک قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے۔ جس کی آنکھیں ندارد ہیں۔ لیکن اس کی سونگھنے کی قوت اس قدر تیز ہے کہ جوں ہی پانی میں خوراک ڈالی جاتی ہے یہ مچھلی جھٹ اس طرف کھنچ آتی ہے۔ اس مچھلی کا رنگ اودا اور نیلگوں سا ہوتا ہے اور اٹھارہ انچ سے دو فٹ تک لمبی ہوتی ہے اس مچھلی کے جسم میں تین دل ہوتے۔ یعنی ایک اپنی اصلی جگہ۔ ایک دم میں اور ایک جسم کے کسی دوسرے حصے میں

لطیفے

اوم پرکاش ۔ جموں

پچھلے مہینے میں ہم نے لطیفوں کے لئے انعامی مقابلے کا اعلان کیا تھا ۔ صرف چھ بچوں نے اس میں حصہ لیا (۱) اوم پرشاد صراف جموں (۲) حبیب الرحمٰن مہکری بنگلور ، (۳) شوکت بخش خانیوال ۔ (۴) خواجہ زین العابدین بیٹر (۵) ، عزت رام پوری ۔ (۶) عبدالعظیم درنگل ۔ ان میں مجموعی حیثیت سے اوم پرکاش کے لطیفے زیادہ بہتر سمجھے گئے اور ان ہی کو انعام دیا جاتا ہے ۔ باقی بچوں کے لطیفے انتخاب کے بعد شائع کئے جائیں گے امید ہے بچے آئندہ اس مقابلے میں زیادہ دلچسپی لیں گے ۔ (اڈیٹر)

ایک بچے کو ماں نے مارا وہ ڈر کر چارپائی کے نیچے جا گھسا تھوڑی دیر کے بعد اس کا باپ آیا اور بچے کو لینے چارپائی کے نیچے چلا گیا ۔ بچے نے سہمی ہوئی آواز میں کہا ۔ " ابا کیا تمھیں بھی اماں مار رہی ہیں ۔ "

اسکول ماسٹر نے لڑکوں سے کہا کہ وہ بلیک بورڈ پر کوئی ایسا لفظ لکھیں جو بہت لمبا ہو ۔

ایک لڑکے نے اٹھ کر لکھا ۔ " ربڑ "

استاد ۔ " ایں "

لڑکا ۔ جناب آپ اسے کھینچ کر لمبا کر سکتے ہیں ۔

دوست ۔ تمھارا لڑکا بڑا نالائق ہے ۔ بہت بری بری گالیاں دیتا ہے

باپ ۔ ابھی بچہ ہے ۔ بڑا ہو لینے دو ۔ پھر اچھی گالیاں دیا کرے گا ۔

مسافر ۔ بچے یہ سڑک کدھر جاتی ہے ۔

بچہ (بھولے پن سے) یہ کہیں نہیں جاتی ۔ یہیں کھڑی رہتی ہے

استاد ۔ " بتاؤ ۔ کوئی بادشاہ سے بھی طاقتور ہے ۔

ایک لڑکا ۔ " ہاں جناب "

استاد ۔ " شاباش ۔ بتاؤ کون ہے " ؟

لڑکا ۔ " تاش کا یکہ "

خط کتابت

ضروری ہدایتیں خط ضروری باتوں کے متعلق کم سے کم لفظوں میں لکھئے۔ آیندہ جو بچے یا بڑے ٹکٹوں کے بیچنے کا اعلان کریں گے ان سے ار فی سطر معاوضہ لیا جائے گا (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

پیام تعلیم ملا۔ سب مضمون بہت اچھے ہیں۔ فیروز اور صدیقہ دجن کو انعام ملا) کی نظمیں رسالے میں شائع کر دیجئے اور جامعہ کے جلسے میں لڑکوں نے جو تاریخی مضمون پڑھے تھے۔ وہ بھی شایع کیجئے۔ پنڈت جواہر لال صاحب کی قید کی مدت میں نے جمع کی ہے کل ۹ سال ۱۰ ماہ ہوتی ہے

امان اللہ خان تریں

کرمی جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

مجھے ہندوستانی ریاستوں اور اسلامی ممالک یعنی ٹرکی، ایران، عراق، مصر، نجد و حجاز، البانیہ، مراکو (مراکش) کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے میں ان کے بدلے میں برطانیہ، فرانس، جرمنی اور امریکہ کے ٹکٹ دوں گا

N. AHMEDULLA MEHKRI

25, KAWADI PET

(BANGALORE CITY)

کرمی

آپ کے پرچے کے متعلق میری حسب ذیل رائے ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت حضور نظام کے احسان جامعہ پر بہت ہیں۔ اس لئے پیام تعلیم کو بھی چاہئے کہ آپ کی جوبلی کے موقع پر جو رجب میں ہونے والی ہے ایک جوبلی نمبر پیام تعلیم نکالے۔

(۲) دوسرے یہ عرض ہے کہ تمام پرچہ یا تو باریک خط میں لکھا جائے یا موٹے خط میں۔ موٹے اور باریک سے رسالے میں بدنمائی ہوتی ہے

(۳) پیام تعلیم میں ہر قسم کے مضامین ہوتے ہیں مگر فوٹو گرافی کے متعلق ایک مضمون بھی نہیں چھپا۔ ضرور چھاپئے۔ سیف الدین عبد الحبیب حیدرآباد

(۱) آپکے مشورے کا خیال رکھا جائے گا۔ (۲) اس پر عمل مشکل ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام تعلیم بہترین رسالہ ہے۔ اگر آپ دو ایک باتوں کی طرف توجہ فرمائیں تو بہت اچھا ہو

(۱) اردو آپ کی مادری زبان ہے۔ ہمارے اور آپکے بچوں کا مقابلہ اردو سیکھنے میں ایسا ہی ہے جیسے ایک انگریز اور ایک ہندی بچے کا انگریزی زبان سیکھنے میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بچوں کو اردو زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے بہت محنت اور زیادہ مدت درکار ہے اس لئے رسالہ کی زبان زیادہ آسان ہونی چاہئے تاکہ بچہ خود بخود عبارت کا مطلب سمجھ سکے۔

(۲) یہ کہ مطالعہ سے بچوں کے علم میں اضافہ ہو۔ ایک اچھا اصول ہے لیکن ایسے ثقیل مشکل مضمونوں سے جو بچے پر بوجھ ثابت ہوں ضرور پرہیز چاہئے

(۳) بچوں کو کہانیوں سے جو تعلق ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں۔ پیام تعلیم میں بچوں کے مذاق کی کہانیوں کی تعداد کافی نہیں ہوتی۔

میں چاہتا ہوں کہ پیام تعلیم چھوٹے بچوں اور ذرا بڑی عمر کے لڑکوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ علاوہ اس کے اس دور افتادہ علاقے میں بھی پیامیوں کا دائرہ بڑھے۔ انشاءاللہ بہت جلد میری کوشش کامیاب ہوگی۔ تقریباً ہر بچے کو پیام تعلیم پڑھنے کو دیتا ہوں۔ امید ہے کہ اکثر بچے اس کے خریدار بن جائیں گے۔

خاکسار عبدالحمید ترین۔

مکرمی تسلیم۔

مئی کا پرچہ وصول ہوا، ماشاءاللہ بہت اچھا تھا۔ نیر صاحب کی نظم بہت اچھی تھی لیکن ایک آدھ شعر ایسا تھا جس کا وزن ایک سا نہ تھا۔ کتنی اچھی بات ہو کہ آپا جان صاحبہ کی طرح دوسرے حضرات خواہ ٹکٹ جمع کرنے والے ہوں یا نہ ہوں ایسے غیر ملکی حضرات کا پتہ پیام تعلیم میں چھپوایا کریں جو ٹکٹ جمع کرتے ہوں۔

جو بھائی مجھے نئی دہلی کا ایک ٹکٹ روانہ کریں گے میں ان کو دو غیر ملکی ٹکٹ بھیج دوں گا۔ جو سلور جوبلی کے ٹکٹ روانہ کریں گے میں ان کو ایک کے بدلے دو غیر ملکی ٹکٹ بھیج دوں گا۔ اس مہینے ٹکٹ جمع کرنے کے متعلق کوئی مضمون نہیں چھپا۔ یہ نہ ہونا چاہئے۔ ہر مہینے ٹکٹوں کے متعلق ایک مضمون ضرور ہونا چاہئے۔

ضمیمہ مجھے بہت پسند ہے۔ باریک خط مجھے پسند نہیں پیام تعلیم میں موٹا خط ہونا چاہئے۔ پیام تعلیم کے خط و کتابت والے مضمون میں اکثر حضرات کے نام کے ساتھ پتہ نہیں ہوتا جس سے بہت دقت ہوتی ہے۔ ہر شخص کا پتہ ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا پتہ پہلے چھپ چکا ہو۔

میرے پاس ریاست جے پور کے ٹکٹ ہیں جو صاحب مبادلہ کرنا چاہیں۔ ایران، ٹوکیو، سلوکیا۔ چلی، حبش، سلور جوبلی، نئی دہلی۔ یمن، عراق، مصر، فلسطین۔ وغیرہ کے ٹکٹ بھیجیں۔ میں سوائے مصر کے ہر غیر ملکی ٹکٹوں کے بدلے ایک جے پوری ٹکٹ دوں گا۔

سعد الخیری۔ دفتر عصمت۔ کوچہ چیلان دہلی۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم۔ السلام علیکم۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارا پیام دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ خدا کرے ہمارا رسالہ خوب ترقی کرے۔ آمین۔ بعض جگہ پیام میں چھپائی بہت باریک ہو جاتی ہے اتنی کہ ہم رات کو مشکل سے پڑھ سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس شکایت کو دور کر دیں گے۔

احقر عثمان الرحمٰن۔ خریداری نمبر ۳۲۷۔ میرٹھ

مکرمی ایڈیٹر صاحب

سلام بعد نیاز۔ مئی کا پرچہ پیام تعلیم موصول ہوا۔ نہایت ہی عمدہ چیز ہے۔ میں نے اسے ایک ہی نشست میں ختم کر لیا۔ خوب صورت اور جاذب نظر اتنا کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ مضامین عام فہم خط اچھا کاغذ عمدہ۔ غرض ہر چیز عمدہ۔ پنڈت جواہر لال کی زندگی کے حالات، ایجادوں کی کہانی، طلسمی بانسری۔ کبوتروں کے کرتب بڑے پر از معلومات مضامین ہیں۔ ایک عرض ہے وہ یہ کہ لڑکیوں کے لئے بھی مضامین ہونے چاہئیں۔ تاکہ بچیاں بھی رسالے میں دلچسپی کا اظہار کریں۔ نیز موجودہ زمانے کی نامور ہستیوں مثلاً۔ ہر ہٹلر، مسولینی۔ مصطفےٰ کمال اتاترک، زوغو شاہ اور رضا شاہ پہلوی کے حالات بھی شائع کریں۔ خوشی کی بات ہے کہ رسالے کے خریدار دن بدن زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ اگر آپ اسے پندرہ روزہ کر دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔

خیر اندیش۔ ماسٹر محمد یوسف سیالکوٹی۔ مقیم بہاولپور

دس جنتی

مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی کی بالکل نئی کتاب جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے حضرات عشرہ مبشرہ کے ولولہ انگیز و سبق آموز حالات۔ بہت پاکیزہ رسالہ چھپائی وغیرہ خوبصورت، دیدہ زیب ٹائیٹل قیمت ۵ر

مجیبی صاحب کی دوسری کتابیں

آخری نبی ہمارے نبی کے حالات بہت چھوٹے چھوٹے بچوں کیلئے نہایت خوبصورت رنگین ٹائیٹل (دوسرا ایڈیشن) قیمت ۲ر

سرکار کا دربار ہمارے سرکار کے حالات میں بچوں عورتوں اور کم استعداد عام مسلمانوں کے مطالعہ کیلئے بہت مشہور و مقبول کتاب جو اب تک ایک لاکھ کے لگ بھگ نکل چکی ہے یہ تمام ممالک محروسہ دکن کے مدارس میں داخل نصاب ہے (ساتواں ایڈیشن) قیمت ۸ر

چار یار حضرت خلفائے راشدین کے حالات میں طلبہ اور عورتوں کیلئے مفید و مشہور رسالہ جو بڑے سلیقے اور صحت سے لکھا گیا ہے پیاری زبان، دلنشین انداز بیان (تیسرا ایڈیشن) نہایت خوبصورت ٹائیٹل (۱۱۲) صفحے قیمت صرف ۶ر

تمہارا خط تو خراب نہیں

اگر خراب ہے تو اسے ٹھیک کرنیکا یہی وقت ہے اگر تم نے ابھی اپنا خط درست نہ کرلیا تو بعد میں پچھتاؤگے اور یہ پچھتاوا تمہارے لئے بیکار ہوگا۔

ہم نے تمہارے لئے ہندوستان کے مشہور خطاط منشی علی محمد خاں صاحب سے خوشخطی کی کاپیاں لکھوائی ہیں بہت سے بچے ان سے فائدہ اٹھارہے ہیں اور ماشاءاللہ ان کے خط بھی اچھے ہوگئے ہیں۔ ان کاپیوں کی قیمت بھی بہت کم ہے کل چار حصے ہیں اور ہر حصہ کی قیمت ۱ر مکمل سٹ ۵ر

جدولیں

آسان خوشخطی کی مشق کیلئے محض جدولیں بھی علیحدہ کاغذ پر چھپوائی گئی ہیں تاکہ جو طالب علم زیادہ مشق کرنا چاہتے ہیں وہ آسان خوشخطی کے حروف اور الفاظ کو دیکھ کر خالی سطروں پر مشق کرسکیں۔

حصہ اول و دوم کیلئے ار حصہ سوم و چہارم کیلئے ۱ر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی



سرکار دو عالم

مُرتّبہ

محمد حسین حسّان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں یہ کتاب نہایت سہل زبان اور دل نشین اندازِ بیان میں لکھی گئی ہے۔ بچّوں کے لئے سیرۃ پر اور بھی اچھّی اچھّی کتابیں ہیں مگر اس کتاب میں خاص بات یہ ہے کہ عرَب کا جغرافیہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ آں حضرتؐ کے اخلاق کے بیان پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے ویسے بھی عام کتابوں سے اس میں معلومات بہت زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ کئی صوبوں کے مدرسوں میں سرکاری طور پر نصاب میں شامل ہے اور بہت سے اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ پانچویں اور چھٹی جماعت کے طلبہ کے لئے موزوں ہے۔

دوسرا ایڈیشن قیمت آٹھ آنے

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی